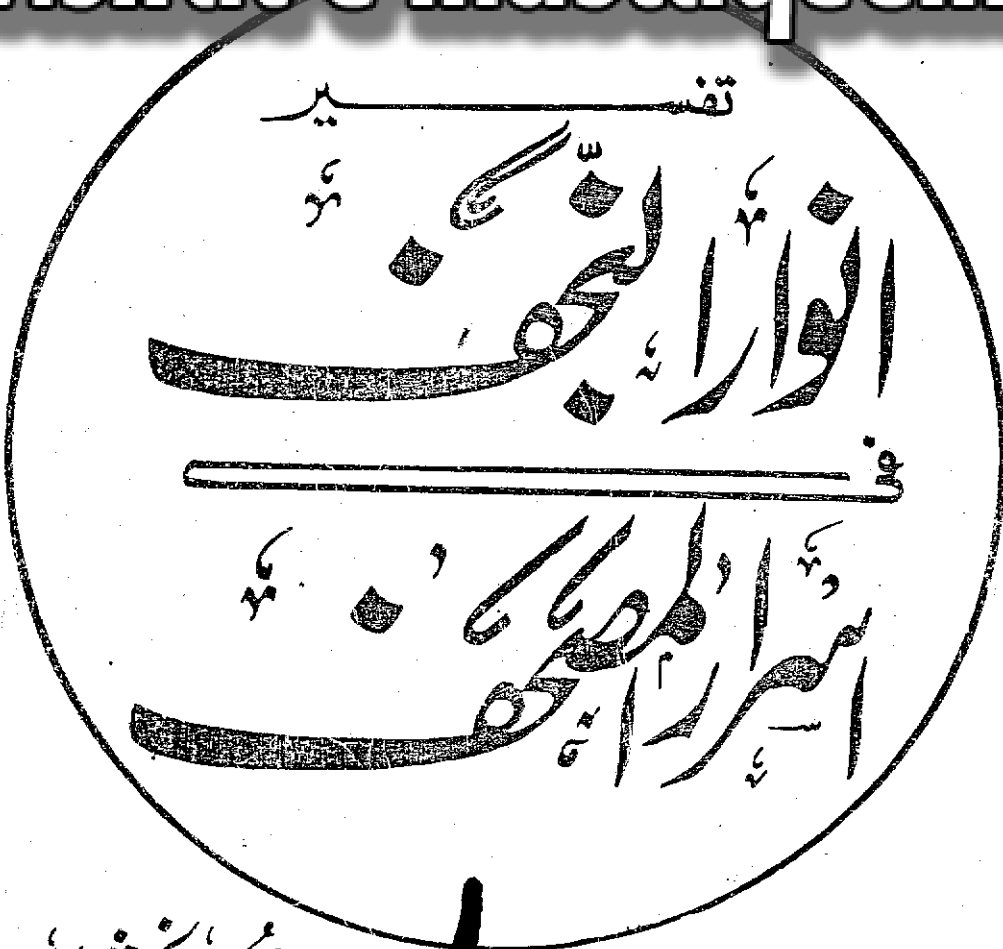


جلد نمبر ۴

۲-۴

www.sirat-e-mustaqeem.net



حکیم نجف جبار
علامہ

4

مکتبہ النوار النجف دریا خان ضلع بہار

اشاعت سوم - اپریل ۱۹۸۶ء

حقوق الطبع محفوظہ

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ

أَنْتَ تَارِكٌ فِيكُمْ الثَّقَلَيْنِ كَمَا أَلَّفَهُنِي فِي أَهْلِي

شیعان آل محمد صواعظین عظیمین کیلئے نادر و نایاب تحفہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْمَجْلَدُ الرَّابِعُ مَقْصِدٌ (۴)

انوار النجف

اسرار الجعفر

حضرت حجتہ الاسلام المسلمین استاد العلماء و المجتہدین آیتہ اللہ العظامہ مصنفہ حسین بخش جابر مدظلہ العالی بانی باب النجف جابر

پرنسپل جامعہ امامیہ کربلا گامے شاہ لاہور

ناشر: مکتبہ انوار النجف دریاخان ضلع بہار

قیمت: ۸ روپے صرف

اسلام آباد قریب ریلوے اسٹیشن

رجسٹریشن ۶۴

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۵	رکوع ۷	۲۶	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر	۴	پیش لفظ
۶۶	فرار صحابہ	۲۹	ذکر قیامت	۵	خط فہمی
۶۷	رکوع ۸	۳۰	رکوع ۹ خیر امت	۶	رکوع ۱
۶۸	حکم مشورہ	۳۲	نماز تہجد	۷	ذکر کعبہ
۶۹	اخلاق پیغمبر	۳۶	رکوع ۱۰ جنگ احد	۸	مختصر تاریخ کعبہ
۷۰	معنی توکل	۴۲	شہدائے احد کی فہرست	۱۰	مکان کعبہ
۷۱	خیانت کا گناہ	۴۴	غزوات نبویہ کی فہرست	۱۱	غلاف کعبہ
۷۲	درجات کا ذکر	۴۶	رکوع ۱۱ سود کی حرمت	۱۲	آیات بیات
۷۳	آزمائش کی مصلحتیں	۴۹	مستحقین کے اوصاف	۱۳	زمین کر بلا
۷۴	شہدائے بیرونہ	۵۰	ضبط غصہ در گذر اور احسان	۱۴	زمین کر بلا کی خصوصیات
۷۵	ثواب شہداء	۵۱	گناہ سے توبہ اور ترک اصرار	۱۵	تولیت کعبہ
۷۶	رکوع ۱۲ حمراء الاسد	۵۲	بہلول ثابت کا واقعہ	۱۶	زمین مکہ کے خصوصیات
۷۷	مسئلہ علم غیب	۵۳	واقعہ احد کا بیان	۱۷	ولادت علیؑ در کعبہ
۷۸	مانع زکوٰۃ کا عذاب	۵۴	مداولت ایام	۱۸	کعبہ جائے امن ہے
۷۹	رکوع ۱۳	۵۵	دخول جنت کا معیار	۱۹	مسائل حج
۸۰	کسی کے گناہ پر راضی ہونا	۵۸	رکوع ۱۴ جنگ احد	۲۰	خصوصیات نبیؐ
۸۱	رکوع ۱۵ توحید	۶۰	دلیل ماتم	۲۱	رکوع ۱
۸۲	دلیل بر وجود خدا	۶۱	نکتہ علمیہ	۲۲	بیان تقویٰ
۸۳	تفسیر سورہ نساء	۶۲	جنگ احد میں حضرت علیؑ	۲۳	جبل شد کا بیان
۸۴	رکوع ۱۶ تقویٰ	۶۳	حضرت علیؑ کا امتیاز	۲۴	تقریر امت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲۷	رکوع ۱۲ ہجرت کا حکم	۱۶۶	رکوع ۲۱	۱۰۵	حضرت حرا کی پیدائش
۲۲۹	رکوع ۱۲ نماز قصر	۱۶۷	گناہانِ کبیرہ	۱۰۶	سلسلہ اولاد آدم
۲۳۰	شرائطِ قصر	۱۷۰	رکوع ۲۲	۱۱۱	در شکم کا علاج (لطیفہ)
۲۳۵	نمازِ غوث کا بیان	۱۷۲	مردوں کی حکومت پر ایک نظر	۱۱۲	تعدد ازواج پر دارِ شدہ اعتراضات اور کئے جہاں
۲۳۸	رکوع ۱۳	۱۷۳	نبی و علیؑ آست کے باپ ہیں	۱۱۵	فعلِ رسول پر اعتراض
۲۴۲	رکوع ۱۴	۱۷۵	رکوع ۲۳	۱۱۸	بے عقل پر کنٹرول
۲۴۴	رکوع ۱۵	۱۷۷	تیمم کا بیان	۱۲۰	تیمم کے مال کی حفاظت
۲۴۵	بت پرستی	۱۸۰	مغفرت	۱۲۲	رکوع ۱۳ قانونِ وراثت
۲۴۸	خلقتِ ابراہیم	۱۸۲	رکوع ۲۴	۱۲۴	طبقہ اولیٰ کی وراثت
۲۵۰	رکوع ۱۶	۱۸۳	آل محمد محمود ہیں	۱۲۷	پوتے یا نواسے کی وراثت
۲۵۱	عورتوں کے حقوق	۱۸۵	ادائے امانت	۱۳۱	زوج و زوجہ کی وراثت
۲۵۵	رکوع ۱۷ حق کی گواہی	۱۸۶	ادوالا مر کی تشخیص	۱۳۵	طبقاتِ وراثت
۲۵۶	ذکرِ منافقین	۱۹۱	ادوالا مر کا معیار	۱۳۷	وراثت کے طریقے
۲۵۹	رکوع ۱۸	۱۹۹	رکوع ۲۵ وجوبِ تقلید	۱۳۸	عول کا بطلان
۲۶۲	پارہ ۱	۲۰۱	معیارِ ایمان	۱۴۰	طبقہ ثانیہ کی وراثت
۲۶۳	رکوع ۱۸ غیبت سے عمانت	۲۰۳	اطاعت گزاروں کا درجہ	۱۴۲	طبقہ ثانیہ کی وراثت
۲۶۴	تفہیم و تمقین	۲۰۴	خلقتِ نوری	۱۴۳	وراثت از روئے عقل
۲۶۵	رکوع ۱۹	۲۰۶	رکوع ۲۶	۱۴۵	خاتونِ جنت کا مقدمہ وراثت
۲۶۷	حیاتِ مسیح	۲۰۸	رکوع ۲۷	۱۴۹	رکوع ۱۹
۲۷۰	رکوع ۲۰	۲۱۱	قرآن میں تدبیر کی دعوت	۱۵۰	ذکرِ توبہ
۲۷۰	انبیاء کا ذکر	۲۱۵	سلام اور جوابِ سلام	۱۵۳	رکوع ۱۹ محرماتِ ابدیہ
۲۷۱	علی اور حق	۲۱۸	رکوع ۲۸	۱۵۵	رضاعی محرمات
۲۷۳	رکوع ۲۱	۲۲۰	رہداداری	۱۵۶	رضاع کے شرائط
۲۷۵	نور و دہقان	۲۲۱	دورنگی سے عمانت	۱۵۹	پارہ ۲
		۲۲۲	رکوع ۲۱ قتلِ خطا کا کفارہ	۱۶۰	رکوع ۲۱ نکاح متعہ

پیش لفظ

دورِ حاضر جس میں لادینی کا مطلق سیلاب اپنی ہمہ گیر موجوں میں ہر خشک و تر کو بہائے لے جا رہا ہے جس میں مدعیانِ اسلام کے لئے قوانینِ اسلام بارِ خاطر ہو گئے ہیں اور قرآن کا پرسانِ حال کوئی نہیں رہا۔ ہمیں محسوس ہو رہا تھا کہ اس دور میں تفسیرِ قرآن سے دلچسپی رکھنے والے فرزندِ اسلام کا زبردست قحط ہے۔ قرآنی آیات کے ترجمہ پر نظر کرنے سے لوگ ایک لغو ناول کی کتاب کے مطالعہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ قرآن پڑھنے اور سننے کی بجائے گانا گانے اور سننے کی طرف زیادہ مائل ہیں اور بالخصوص وہ لوگ جو اپنے تئیں پاکستانی اور مومن کہلاتے ہیں پیش پیش ہیں۔ مرد تو بجائے خود مستورات کے رجحانات بھی ان سے کسی طرح کم نہیں۔ صبح سے قرآن کی جگہ گھروں سے ریڈیائی گانوں کی آوازیں بند ہوتی ہیں۔

ہم اگر پیسہ جمع کرنے کی خاطر تفسیرِ قرآن لکھتے تو یقیناً ہمارا یہ اقدام اس دور میں محلِ تسمخہ ہوتا لیکن چونکہ سلف صالحین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ایک محسوس دینی خدمت مطمحِ نظر تھی اس لئے اس اہم کام کا بیڑا اٹھایا۔ کاش محمد دہلی محمد سے ولا رکھنے والے علومِ قرآنیہ سے وابستگی رکھتے تو ہم سالوں کا کام مہینوں کا کام ہفتوں میں کرنے کے اہل ہو جاتے۔ جب سے ہم نے قرآن کی تفسیر کا کام شروع کیا ہے بعض حاسدین کی نظروں میں دنیا تاریک ہو گئی ہے ہر وقت اُن کے سینہ پر کینہ پرسانپ و پچھوٹ لٹ رہے ہیں۔ وہ تفسیر کے نقصانِ تلاش کرتے پھرتے ہیں تاکہ عوام اس کی خریداری سے باز آجائیں۔ ہمیں اس کی پرواہ نہیں کیونکہ ہمیشہ سے اہل فضل کے خلاف جاہل شور مچاتے رہے ہیں لیکن بالآخر اللہ والوں کی فتح ہوتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ دینِ مبین کی حفاظت اور نصرت کے لئے ہر دور میں ایسے مخلص افراد بھی معرضِ ظہور میں آتے رہتے ہیں جو اپنے آہنی ارادوں کی بنا پر باطل کی چٹانوں سے ٹکراتے اور بالآخر ان کو پاش پاش کر دیتے ہیں۔

تفسیرِ چودہ جلدوں میں مکمل چھپ چکی ہے اور یہ جلد چہارم کا دوسرا ایڈیشن ہے جو ہمیشہ خدمت ہے خداوندِ کریم کا جس قدر شکر کروں کم ہے جس نے مجھے تفسیرِ قرآن کے اتمام کی توفیق مرحمت فرمائی۔ اے اللہ! میری اس کاوش کا ثواب بھی محمد و آلِ محمد اکملہ الطاہرین میرے والدین کی رُوح کو عطا فرما جن کی غمتوں اور دعاؤں سے مجھے یہ شرف عطا ہوا ہے اور قارئینِ کرام سے بھی اپنے والدین کے لئے فاتحہ کی استدعا کرتا ہوں۔ والسلام



دائیں سے بائیں: حضرت علامہ حسین بخش صاحب مدظلہ و ریاض خان ضلع میانوالی ۲۔ مولانا کاظم حسین صاحب
 نجفی پرنسپل جامعہ حُسنیہ جھنگ صدر ۳۔ حضرت الحاج ملک اللہ بخش صاحب جابر امرحوم طاب ثراؤ
 ۴۔ مولانا مشاق احمد صاحب ابن الحاج ملک اللہ بخش امرحوم

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ

ہرگز نہ پاؤ گے نیکی میں تک کہ خرچ کر دیا ایسی چیزوں سے جو تمہیں پیاری ہیں اور جو بھی خرچ کر دے کوئی چیز

فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلالًا لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ

تحقیق اسے خدا جانتے والا ہے ہر غذا حلال تھی اولاد یعقوب پر

إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَءِيلُ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنْزَلَ التَّوْرَةُ ۚ

مگر وہ جو حرام کی یعقوب نے اپنی ذات پر قبل اُترنے تورات کے فرما دیئے

قُلْ فَاتَّبِعُوا أَلْتَّوْرَةَ فَاتْلُوهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۹۳﴾ فَمِنْ

لائیے تورات پس اسے پڑھیے اگر تم سچے ہو پس جو

افْتَرَى عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

افتراء باندھے خدا پر جھوٹا اس کے بعد تو وہی ہیں

الظَّالِمُونَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللَّهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ

ظالم فرما دیجئے سچ فرمایا اللہ نے پس پیروی کرو ملتِ ابراہیم کی جو حنیف تھے

وَمَا كَانَ مِنَ الشِّرْكِ ۚ ﴿۹۵﴾

اور مشرک نہ تھے

ترجمہ

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ - مجمع السببان اور صافی میں مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ایک کپڑا خریدا اور آپ کو بہت پسند آیا پس اسے صدقہ کر دیا اور فرمایا کہ میں نے جناب رسالتؐ سے سنا ہے کہ جو شخص اپنے نفس پر دوسرے کو ترجیح دے تو خدا اسے بروزِ عشرِ مہشت کرامت فرمائے گا اور جو اپنی پسندیدہ شے راہِ خدا میں دے دے تو خدا فرمائے گا کہ بندے بندوں کو نیکی کا بدلہ نیکی سے دیا کرتے ہیں اور میں اس کا بدلہ جنت دیتا ہوں۔

كُلُّ الطَّعَامِ - یہودیوں نے اعتراض کیا تھا کہ آپ ملتِ ابراہیم پر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اُدنٹ کے گوشت کو بھی حلال

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبْرَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾

تحقیق پہلا گھر جو بنایا گیا لوگوں کے لئے وہی ہے جو مکہ میں ہے موجب برکت و ہدایت ہے تمام جہان والوں کے لئے

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى

اس میں نشانیاں واضح ہیں مقام ابراہیم اور جو بھی اس میں داخل ہوا وہ با امن ہوا اور اللہ کے لئے

النَّاسِ حُجَّةُ الْبَيْتِ مَنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ

لوگوں پر حج بیت اللہ واجب ہے جو طاقت رکھتا ہو اس تک رستے کی اور جو انکار کرے تو اللہ بے نیاز ہے

جانتے ہیں حالانکہ اونٹ حرام ہے پس اس کے جواب میں ارشاد فرما رہا ہے کہ یہ لوگ غلط کہتے ہیں۔ تمام کھانے کی چیزیں بنی اسرائیل پر پہلے سے حلال تھیں اونٹ کا گوشت بھی حلال تھا۔ ان البتہ حضرت یعقوب نے اس کو اپنی ذات پر حرام قرار دیا تھا اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مطلق حرام ہے اور جب اس کی یہ ہے کہ حضرت یعقوب کو درد کمر یا عرق النساء کا درد لاحق ہوا تو انہوں نے منت مانی کہ اگر تندرست ہو جاؤں تو اپنی محبوب ترین غذا یعنی اونٹ کا گوشت اور دودھ رمضانہ خدا کے لئے ترک کر دوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پس یہودیوں نے ان کی پیروی کرتے ہوئے اس سے پرہیز کیا اور پھر یہ کہنا شروع کر دیا کہ تورات کا حکم یہی ہے کہ اونٹ کا گوشت حرام ہے حالانکہ یہ ان کا بعض افتراء تھا جس کو خدا بیان فرما رہا ہے اور احتجاج کے طور پر فرمایا ہے کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو ذرا تورات کو لاکر پڑھو اور دکھائیے کہاں لکھا ہے کہ اونٹ کا گوشت حرام ہے۔

ذکر کعبہ

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ بَنِيَ لِلنَّاسِ قِبْلَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا لَمَّا بَنَى إِبْرَاهِيمَ الْمَقْدِسَ عَلَيْهِ سَلَامٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٧﴾

یہ پروردگار کی طرف سے ہے اور حضرت ابراہیم کے لئے بھی قبلہ یہی تھا لہذا اس سے روگردانی ملت ابراہیمی کے نسخہ کرنے کے مترادف ہے پس خداوند کریم ان کے جواب میں ارشاد فرما رہا ہے کہ بیت المقدس کے مقدم ہونے کا دعویٰ وہ غلط کرتے ہیں بلکہ سب سے پہلے جس مقام کو لوگوں کے لئے عبادت گاہ بنایا گیا وہ وہی جگہ ہے جو مکہ میں ہے یعنی کعبہ اور اس کو بلاشبہ حضرت ابراہیم نے ہی تعمیر کیا تھا اور اس کے شواہد و علامات اب تک موجود ہیں مثلاً مقام ابراہیم اور اس کا جائے امن ہونا اور اس کی حج کا لوگوں پر وجوب۔ پس یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ بیت المقدس قدیمی قبلہ ہے اور یہ نیا۔

وَمَا تَسْمِيَةٌ رَّكَتِهِمْ يَوْمَئِذٍ تُسْمِيَةٌ ۚ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَاجِلُ يَسْجُدُونَ وَفِيهَا رُءُوسٌ يُرْفَعُونَ ۚ وَفِيهَا أَسْمَاءُ مَنَاجِلٍ يُنَادُونَ بِهَا حَسْبُكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَسْمُونَ ﴿١٨﴾

وہاں تسمیہ رکھتے ہیں کہ بکۃ بکۃ بکۃ کے باب سے ہے اور بکۃ کا معنی ہے آواز دہام اور ہجوم کی وجہ سے اس کا نام بکۃ ہو گیا اور حضرت صادق علیہ السلام سے بروایت علی ایسا ہی منقول ہے اور وہ جگہ کعبہ کے ارد گرد طواف کرنے کا مقام ہے یا کہ بکۃ کا معنی گردن مروڑنا اور یہاں چونکہ سرکشوں اور تکبروں کی گردنیں جھک جاتی ہیں اور ان کو سرکشی کی مہلت نہیں دی جاتی اس لئے

اس کو بکھلے کہا گیا اسی طرح مکہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس کی اصل بکھلے ہے اور یا کو میم سے تبدیل کر لیا گیا ہے جس طرح لادیت اور لادیم کی دو لفظیں ہم معنی ہیں یا یہ کہ مکہ سے شتق ہے جس کا معنی چوسنا پس پانی کی پانی اور قوت کی وجہ سے اس کو مکہ کہا گیا ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ کعبہ کی جگہ کا نام جبکہ ہے اور شہر کا نام مکہ ہے۔

هُدًى لِلْعَالَمِينَ کعبہ کی ہدایت دینی و دنیاوی ہر دو طرح کی ہے عبادت و مناسک حج کی ادائیگی فروتنی و انکساری اور خدا ترسی و آخرت کی تعمیر سے متعلق ہیں اور عالمی اجتماع یکجہتی و یکگت کا عمومی مظاہرہ اور اتفاق و اتحاد کا عملی درس تدریس و معاشرت کی اصلاح سے وابستہ ہیں۔

مختصر تاریخ کعبہ | تفسیر صافی میں بروایت فقیہ و عیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب خداوند کریم نے زمین کو خلق فرمانے کا ارادہ کیا تو ہواؤں کو پانی میں موج پیدا کرنے کا حکم دیا چنانچہ اس کی موجوں سے جھاگ پیدا ہوئی۔ پس وہ بیت اللہ کے مقام پر یکجا ہوئی اور ایک جھاگ کا پہاڑ بن گیا پھر خدا نے اس کے نیچے سے زمین کو بچھا دیا۔ بروایت فقیہ کعبہ کی زمین کا ٹکڑا تمام زمینوں سے پہلے پیدا کیا گیا اور اسی سے باقی زمین کو بڑھایا گیا۔ (اقوال مکہ کوام) اقری کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے (مجمع البیان میں ہے کہ کعبہ کی زمین کا ٹکڑا باقی زمین سے دو ہزار سال قبل خلق ہوا اور یہ پانی کے اوپر ایک سفید جھاگ کی مانند تھا اور بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مقام کعبہ باقی زمین سے بلند تھا اور چاند سورج کی طرح چمکتا تھا پس جب حضرت آدم کو اتارا گیا اور اطراف کی تمام زمین کو بلند کر کے اس کو دکھایا گیا اور ارشاد قدرت ہوا کہ یہ سب زمین تیری ملکیت ہے تو حضرت آدم نے عرض کی اے پروردگار! یہ سفید و چمکدار زمین کو کنسی ہے تو ارشاد ہوا کہ یہ میری زمین میں میرا حرم ہے اور تیرے اُد پر تیرے روزمرہ اس کے سات سو طواف واجب ہیں پس جب ہابیل کو قاتل کیا تو اس سے وہ نورانیت ختم ہو گئی اور اس کی سفیدی کی جگہ سیاہی نے لے لی اور نیز آپ سے مروی ہے کہ حضرت آدم کے لئے خدا نے موقی کی شکل میں کعبہ کو جنت سے اتارا تھا اس کے بعد اس کو اٹھالیا چنانچہ اس کی بنیاد باقی رہ گئی اور وہ اس کعبہ کی سیدھ میں ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں پس حضرت ابراہیم و اسمعیل کو انہی بنیادوں پر کعبہ کی تعمیر کا حکم ہوا۔

جس وقت کعبہ کی تعمیر کا حکم ہوا اس وقت وہاں صرف حضرت اسمعیل اور یمن کا ایک قبیلہ جرہم اطراف میں آباد تھا اور حضرت ابراہیم کی تعمیر کے بعد بنی جرہم اور علاقہ نے یکے بعد دیگرے اس کی از سر نو تعمیر کی جب کعبہ کی تولیت حضرت رسالت کی جد اسمعیل قصی بن کلاب کے سپرد ہوئی تو انہوں نے گرا کر دوبارہ اس کی پختہ تعمیر کی اور عمدہ لکڑی سے اس کو مسقف کیا اور اس کے پہلو میں دارالندہ تعمیر کر دیا جس میں وہ مقدمات کے فیصلے کرتے تھے اور وہی ان کا اسمعیلی ہاں بھی تھا اور قریش کے باقی قبیلوں پر جہات کعبہ کو تقسیم کر دیا چنانچہ قریشیوں نے کعبہ کے ارد گرد گھر بنوائے اور ان کے دروازے کعبہ کی طرف کئے (میزان)

بعثت سے پانچ برس پہلے جب کہ آپ کی عمر پینتیس برس کی تھی کعبہ کا مکان سیلاب کی وجہ سے منہدم ہو گیا پس قریش قبائل نے اس کی تعمیر کے پروگرام کو آپس میں تقسیم کر کے کام شروع کیا۔ کعبینی سے بسند صحیح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ قریش نے خانہ کعبہ کی توسیع کا ارادہ کیا تو ایک زلزلہ عظیم پانچواں اور تاریکی بھاگتی چنانچہ انہوں نے وہ ارادہ ملتوی کر دیا اور حضرت ابراہیمؑ کی بنیادوں پر اس کی تعمیر کی تجویز پاس کی۔ جب حجر اسود رکھنے کا وقت آیا تو قبائل قریش میں نزاع پیدا ہوئی اور ہر شخص اس میں سبقت کا خواہاں تھا پس تجویز یہ ہوئی کہ باب الشیبہ کی طرف سے جو شخص پہلے اندر آئے اسی کا فیصلہ سب کو مان لینا چاہیے تو سب سے پہلے حضرت رسالتاب اس دروازہ سے داخل ہوئے پس انہوں نے نزاع کی تفصیل آپ کے سامنے بیان کی آپ نے اپنی ردائے مبارک کو بچھا کر حجر اسود کو اس کے اوپر رکھا اور فرمایا کہ قریش کے ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی اس کے کنارے سے پکڑ کر اٹھائے اور مقام معین تک اس طریقہ سے اسے لے جایا جائے پس وہاں پہنچ کر حضرت نے خود بنفس نفیس اس کو عباد مبارک سے اٹھا کر اسے اپنے اصلی مقام پر رکھ دیا۔

اسی زمانہ میں بادشاہ روم نے حبشہ میں ایک گرجا کی تعمیر کے لئے کافی لکڑی و دیگر عمارتی سامان بذریعہ کشتی روانہ کیا تھا۔ اور ہوانے بقدرت خدا کشتی کو ساحل عرب کی طرف دھکیل دیا اور یہاں کشتی قریب ساحل کیمڑ میں دھنس گئی کشتی بانوں نے ہر چند کوشش کی لیکن بے سود۔ جب قریش کو اطلاع ہوئی تو ان کو چونکہ تعمیر کعبہ کے لئے لکڑی کی ضرورت تھی فوراً وہاں پہنچے اور وہ لکڑی خرید لائے اور کعبہ کی پخت مکمل ہوئی (حیات القلوب)

اور بعض روایات میں ہے کہ قریش نے مصارف کی کمی کی وجہ سے حجر اسود کی طرف سے کچھ حصہ چھوڑ کر دیوار بیت اللہ اندر کی طرف کر دی اور حجر اسود کا حصہ بیت اللہ سے خارج رہ گیا۔ چنانچہ علامہ کے تذکرہ سے بھی یہی روایت منقول ہے (عاشیہ) لیکن دوسری صحیح روایات اس کی تائید نہیں کرتیں۔ بہر کیف طواف کے وقت حجر اسود کو داخل طواف کرنا ضروری ہوا کرتا ہے کیونکہ عمل صاحب شریعت اسی طرح ثابت ہے۔

جب حجاز پر عبداللہ بن زبیر کا تسلط ہوا اور حصین نے یزید کی طرف سے فوجی سپہ سالار کی حیثیت سے مکہ پر چڑھائی کی تو کعبہ کو بھی منہدم کر دیا اور اس کا غلاف اور کچھ لکڑی کا سامان بھی جلا دیا گیا لیکن یزید کی موت کی خبر پہنچنے پر جب یہ لشکر وہاں سے دفع ہوا تو ابن زبیر نے کعبہ کو از سر نو تعمیر کرایا اور حجر اسود کو بیت اللہ کے اندر داخل کیا اور اس کو پہلے کی نسبت بلند بھی کر دیا اور یہ تعمیر ۶۳ھ کو ختم ہوئی پھر جب عبدالملک بن مروان تخت نشین ہوا تو اس نے حجاج بن یوسف کو ابن زبیر کی سرکوبی کے لئے مکہ روانہ کیا چنانچہ ابن زبیر مارا گیا اور حجاج نے عبدالملک کو کعبہ کی تعمیر میں ابن زبیر کی تجدید کی اطلاع بھیجی۔ تو اس نے کعبہ کو اپنی اصلی پہلی شکل پر لانے کا حکم نافذ کیا پس حجاج نے شمالی طرف تقریباً چھ ذراع کی مقدار گرا کر اندر کی طرف قریش کی بنیادوں پر کعبہ کی تعمیر کو مکمل کیا۔

پھر سلطنت عثمانیہ کے دور میں معمولی تغیرات اس میں رونما ہوتے رہے یہاں تک کہ ۱۰۳۹ھ میں سیل کی وجہ سے اس کی

دیواریں پھر گر گئیں تو عثمانی حکومت کے چوتھے تاجدار شاہ مراد نے اس کی ترمیم کی اور آج تک پھر اسی حالت پر باقی ہے۔

مکان کعبہ | کعبہ کا مکان تقریباً مربع شکل کا ہے اور اس کا ہر زاویہ چار سمتوں میں سے ایک ایک سمت کے مقابل ہے نیلے قسم کے پتھروں سے دیواریں بنی ہیں اور غالباً موجودہ بلندی سے زمان رسالت میں اس کی بلندی کم تھی جیسا کہ روایات سے مستفاد ہوتا ہے۔

کعبہ کے زاویوں کو ابتداء سے ارکان کہا جاتا ہے چنانچہ شمالی زاویہ کو رکن عراقی - غربی زاویہ کو رکن شامی جنوبی زاویہ کو رکن یانی اور شرقی زاویہ کو جس میں حجر اسود ہے رکن اسود کہا جاتا ہے اور اسی رکن اسود سے دروازہ تک کے فاصلہ کو ملتزم کہتے ہیں کیونکہ طواف کرنے والا اس سے چٹ کر دعائیں مانگتا اور گر گڑا کرتا ہے۔

شمالی دیوار پر جو میزاب موجود ہے جس کو میزاب رحمت کہتے ہیں۔ یہ حجاج بن یوسف کی ایجاد ہے سلطان سلیمان عثمانی نے ۹۵۴ھ میں اس کو چاندی کا بنا دیا تھا اس کے بعد سلطان احمد نے ۱۰۲۱ھ میں تبدیل کر کے اس کی جگہ دوسرا چاندی کا میزاب رکھا جس میں سنہری نقوش تھے پھر سلطان عبدالعزیز عثمانی نے ۱۲۸۷ھ میں سونے کا میزاب اس کی جگہ نصب کرایا جو اب تک موجود ہے۔

میزاب کے سامنے ایک منمنی دیوار ہے جس کا ایک کنارہ رکن شمالی کی طرف اور دوسرا کنارہ رکن غربی کی طرف ہے اسے حطیم کہتے ہیں اور حطیم سے لے کر بیت اللہ تک کی درمیانی جگہ کو حجر اسماعیل کہا جاتا ہے کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کی تعمیر کے وقت اس کا کچھ حصہ بیت اللہ میں داخل تھا اور کہتے ہیں کہ حضرت اسمعیل اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کا مدفن بھی یہی مقام تھا (میزان)

غلاف کعبہ | تعمیر کعبہ کی تکمیل کے بعد پہلے حضرت ہاجرہ نے اپنی چادر اس کے دروازہ پر آویزاں کی تھی لیکن کعبہ کا پورا غلاف پہلے پہلے بتع البکر نے روپہلی چادروں سے چڑھایا اور اس کے جانشین اس کی سنت پر عمل پیرا ہے اور لوگ مختلف قسم کی چادروں کا غلاف چڑھاتے رہے اور جب ایک غلاف کہنے ہو جاتا تو اس پر دوسرا چڑھا دیا جاتا تھا اور جب قصی متولی کعبہ ہوا تو اُس نے سالانہ غلاف چڑھانے کا اہتمام کیا اور اس کی اولاد میں یہ سلسلہ باقی رہا یہاں تک کہ جناب رسالتؐ نے یمنی چادروں سے غلاف چڑھایا اور آپ کے بعد پھر ایسا ہی ہوتا رہا لیکن جب مہدی عباسی خلیفہ ہوا تو بیت اللہ کے دروازوں نے غلافوں کی زیادتی کا شکوہ کیا تو اُس نے تمام غلاف اتار کر صرف ایک غلاف کے باقی رکھنے کا حکم جاری کیا اور آج تک پھر یہی طریقہ ہے اور کعبہ کے اندر چادر چڑھانے کی ابتداء حضرت عباس بن عبدالمطلب کی والدہ نے کی تھی کیونکہ یہ اس کی نذر تھی۔

آیات بینات | مقام ابڑاھیم - بعض روایات میں ہے کہ اس سے مراد وہ پتھر ہے جس پر حضرت اسمعیل کی زوہر نے آپ کو نبھلایا تھا جبکہ آپ شام سے بغرض ملاقات تشریف لائے تھے پس

اس پتھر میں آپ کے قدموں کا نشان باقی رہ گیا اور قصہ کی تفصیل تفسیر کی دوسری جلد ص ۲۰ تا ص ۲۰۹ میں مذکور ہو چکی ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ اس سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر آپ نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی تھی۔ صافی میں بروایت کافی امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ مقام ابراہیم پہلے دیوار کعبہ کے ساتھ متصل تھا پھر زمان جاہلیت میں اس کو اپنی جگہ سے منتقل کر کے دوسری جگہ رکھا گیا جہاں وہ اب موجود ہے اور جب جناب رسالتاؐ نے مکہ فتح کیا تو اس کو پھر اپنے اصلی مقام پر نقل کر دیا اور پہلی خلافت اور دوسری خلافت کے کچھ زمانہ تک وہاں رہا۔ لیکن دوسری خلافت کے آخری دور میں اسے پھر وہاں سے اٹھوا کر پہلی جگہ پر منتقل کر دیا گیا آیات بیانات میں سے اس کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا اس لئے ہے کہ وہ تاحال ایک زندہ معجزہ ہے ورنہ ان واضح نشانیوں میں اور مقامات بھی ہیں جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بروایت کافی و عیاشی مذکور ہے۔

حجر اسود - مروی ہے کہ یہ جو ہر تھا جو خدا نے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ زمین پر اتارا تھا اس کو بنی آدم کے عہد و پیمان و دیوت کئے گئے ہیں بروز محشر ان لوگوں کے حق میں بزبان فصیح گواہی دے گا جنہوں نے اس کی زیارت کی اور اپنے عہد کی وفا کی اور اس کی گویائی روایات میں حضرت سجاد علیہ السلام کی امامت کی گواہی کے موقع پر بھی ثابت ہے جبکہ حضرت محمد بن حنفیہ کے ساتھ نزاع ہوئی تھی اور اس کا واضح اور غیر مبہم اعجازی پہلو بھی ہے کہ کبھی غیر معصوم اس کو اپنی جگہ پر نصب نہ کر سکے (صافی)

حطیم - یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت آدم کی توبہ مقبول ہوئی تھی اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر کر سکو کہ تمام نمازیں خواہ واجب ہوں خواہ سنتی اسی مقام پر حطیم میں ادا کر دو تو ہرگز اس سے گریز نہ کرو کیونکہ تمام زمین سے یہ بقعہ اشرف و افضل ہے اور اس کے بعد حجر اسود کے پاس نماز پڑھنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے البرجرہ ثمالی سے مروی ہے کہ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ بتاؤ زمین کے ٹکڑوں میں کونسا ٹکڑا افضل ہے؟ ہم نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول اور اولاد رسول اس کو بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا کہ رکن اور مقام کی درمیانی جگہ پس اگر کوئی شخص حضرت نوح کی سی عمر پائے اور زندگی بھر اسی مقام پر روزہ سے اور رات کو عبادت خدا میں مصروف رہ کر ہماری ولایت کے بغیر دربار خداوندی میں پیش ہو تو اس کو اپنے اعمال ذرہ بھر فائدہ نہ دیں گے۔

اسی طرح آیات بتیات میں سے زمزم ہے جس کا پانی شفا ہے اس مقام پر اپنی جانور وحشی و درندوں سے نہیں ڈرتے اس کا طواف کبھی ختم نہیں ہوا، کوئی پزندہ بیت اللہ کی چھت سے نہیں گزر سکتا اس کے جانور انسانوں سے خوف نہیں کھاتے ہر سال سنگریزے مارنے کے باوجود جب دوسرے سال اس مقام کو دیکھا جائے تو وہ زمین پہلے کی طرح ہوتی ہے ورنہ قاعدہ کے مطابق تو اسے ایک پہاڑ ہو جانا چاہیے تھا اور انہی آیات میں سے قصہ اصحاب فیل بھی ہے جن کو ابابیل نے تباہ و برباد کر دیا تھا اور صافی میں بروایت کتب معتبرہ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا نے ہر نوع سے کسی ایک

کو انتخاب فرمایا ہے اور زمینوں میں سے اس نے کعبہ کی زمین کو منتخب فرمایا ہے

بعض روایات میں ہے کہ ایک دفعہ زمین کعبہ نے اپنی برتری پر ناز کیا کہ مجھ جیسا کون ہے میں کعبہ کا مسکن ہوں تو فوراً وحی الہی ہوئی۔ خاموش! اے کعبہ کی زمین۔ کربلا کی زمین کے مقابلہ میں تیری فضیلت کو وہ نسبت

زمین کربلا

ہے جو نوک سوزن پر اُٹھے ہوئے پانی کے قطرہ کو پر از آب سمندر سے ہوا کرتی ہے بقسم اگر اس زمین اور اس کے ساکن کو خلق نہ کرتا تو تجھے پیدا نہ کرتا اور نہ تیرا کعبہ پیدا ہوتا (مرادی ترجمہ کر دیا گیا ہے (سفینۃ البحار)

اس روایت اور سابق روایات میں توفیق کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ صرف کعبہ کی طرف جھکنے والے اور اہلیت اظہار کو پیش ڈالنے والے چونکہ صرف کعبہ پر ہی ناز کرتے ہیں اور اپنی بخشش کا انحصار صرف اسی میں سمجھتے ہیں تو ان کی تنبیہ کے لئے ارشاد ہے کہ بے شک کعبہ اور زمین کعبہ اپنی جگہ شرف و فضل کے حامل ہیں لیکن اگر کربلا والوں کی سرفروشی نہ ہوتی اور ان کے ناحق خون سے اسلام کی حفاظتی حصار کی تعمیر نہ ہوتی تو پورے اسلام کو بیزیدی طاغوتی حملوں نے نیست و نابود کر دیا ہوتا اور جب اسلام ہی ختم ہو جاتا تو کعبہ کا وقار کس کام کا؟ کعبہ اپنے مقام پر محترم ہے لیکن کسی محترم کے خالی وجود کو کیا کیا جائے۔ جب احترام کرنے والا ہی دنیا میں موجود نہ ہو؟ اے کعبہ کا احترام کرنے والے پہلے اس دروازہ پر پہنچو جس نے کعبہ کا احترام بچایا ہے اور تمہیں احترام کرنا سکھایا ہے اور زمین کعبہ اگر ناز کرے کہ میں محترم ہوں تو اس ناز سے پہلے اس کو زمین کربلا کے سامنے سرنگوں ہو کر نیاز مندی کا اظہار کرنا پڑے گا۔ بے شک وہ تمام زمینوں پر سرفراز بلند کر سکتی ہے لیکن زمین کربلا کے سامنے اس کا سر نیاز غم ہی رہے گا۔ پس زمین کربلا کی افضلیت اس لحاظ سے ہے کہ اس کا ساکن حسین اسلام ہے اور حج بیت اللہ اسلام کا ایک فرعی حکم ہے گویا بیت اللہ صرف عاجیوں کا محور اتعانت ہے اور حسین تمام اہل اسلام کے لئے مرکز ہدایت ہے۔ پس مقام محل میں کوئی زمین کعبہ کی زمین سے افضل نہیں ہو سکتی اور مقام ہدایت و رشد میں کوئی زمین کربلا کی زمین سے زیادہ درس آموز نہیں ہو سکتی لہذا دونوں اپنے مقام پر افضل ہیں لیکن افضلیت کی حیثیتیں مجزا مجزا ہیں اور فرعی فضیلت قطعاً اصلی فضیلت کا مقابلہ نہیں کر سکتی تاہم یہ دونوں معنوی طور پر ایک دوسرے سے مجزا نہیں لہذا جو کعبہ کا متوالا ہوا اور کربلا والوں کو نظر انداز کر کے زمین کربلا کو حقیر سمجھے اس کے لئے کعبہ جانے کا کوئی فائدہ نہیں اور جو شخص کربلا والوں کی محبت کا دم بھرتا ہو اور زمین کربلا کا زائر ہو لیکن کعبہ جانے کی استطاعت رکھنے کے باوجود اس کو ترک کرے تو اس کا کربلا والوں سے محبت کا دعویٰ کرنا محض زبانی و بے بنیاد ہے کیونکہ حسین نے خود جام شہادت نوش فرما کر شاعر اسلام کو زندہ کیا تھا تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک شخص حسین کہلو کر شاعر اسلام کو قائم کرنے سے گریز کرتا ہو۔ امامت اصل ہے اور حج فرع ہے پس جس طرح حج کا فعل بغیر اقرار امامت کے نادرست ہے اسی طرح اقرار امامت بغیر افعال فرعہ کے اقرار زبانی اور تعلقہ لسانی ہے کیونکہ اصل و فرع دونوں ایک دوسرے کے بغیر فائدہ مند نہیں ہو کرتے۔

سوال :- یہاں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس توجیہ کے اعتبار سے تو پھر مدینہ منورہ کی زمین کو سب سے افضل

کہنا چاہیے۔

جواب :- اس میں شک نہیں کہ ایک زمانہ مخصوص تک مدینہ منورہ ہدایت خلق کا سرچشمہ رہا اور اسی لحاظ سے اطرافِ عالم کے جو یانِ حق کی ہجرت گاہ بھی رہا حتیٰ کہ اہل مکہ کے لئے بھی وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ کو چلے جانے کا حکم تھا۔ اور زمینِ مدینہ کی فضیلت کے لئے یہی کافی ہے لیکن حضرت رسالتؐ کے بعد جب اسلامی شرعی حدود کی پامالی کے لئے اموی سلاطین جوڑنے اپنی اندھا دھند پیش قدمی سے اسلامیانِ عالم کو مسحور یا مرعوب کرتے ہوئے ظلم و استبداد کے اوجے حروں سے کام لینا چاہا تو سوائے حسین بن علی کے اور کون تھا جس نے بانگِ دہل بے پناہ قوتِ ایمانی کے ساتھ اس قسم کی پیش قدمیوں کے خلاف نعرۂ حق بلند فرمایا اور جانِ مال اور ناموس کی ہر ممکن قربانی سے دریغ نہ کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کے لئے سینہ سپر بنا اور سچ ہے کہ اگر حسین نہ ہوتا تو اسلام کا لہر تانا بڑا سرسبز و شاداب باغِ اموی دورِ خزاں سے صحیح و سالم ہرگز نہ بچ سکتا۔ اگر حسین کی قربانی نہ ہوتی تو یقیناً شیعہ اسلام کی حیثیت ایک چراغِ سحری کی سی رہ گئی تھی۔ اگر حسین کا عزم و استقلال اور ثباتِ قدم ایک مضبوط پٹھان بن کر سامنے نہ آتا تو دمشق کی طرف سے اٹھا ہوا ظلم و جور کا بے پناہ طوفانِ غمِین اسلام کو بہا کرے گیا ہوتا۔ پس حسین نے اپنے اپنی ارادوں سے یزیدی منصوبوں کی قلعی کھول کر رکھ دی جس طرح حسین کے اس مبارک و مضبوط اقدام نے کعبہ کی لاج رکھی اسی طرح حسین کی عظیم الشان قربانیوں نے مدینہ کی حرمت اور صاحبِ مدینہ کی تئیس سالہ محنت کو بقاء و دوام کی خلعت بھی بخش دی اور اسلام کی اس فتحِ مبین کا سہرا زمینِ کربلا ہی کے سر پر ہے۔ لہذا یہ زمین تا قیامِ قیامت مرجعِ ہدایت خلق ہے اور یہی چیز اس کے شرفِ پائیدار کا بلند مینار ہے۔

زمینِ کربلا کی خصوصیات

① شیخ جعفر شوستری اعلیٰ اللہ مقامہ نے زمینِ کربلا کی خصوصیات بہت کچھ ذکر فرمائی ہیں ان میں سے بعض کو اس مقام پر بطور اختصار ذکر کرنا مناسب ہے

مردی ہے کہ کعبہ کی خلقت سے چوبیس ہزار سال قبل زمینِ کربلا کو خلق کیا گیا۔

سوال :- قرآن مجید پہلا گھر خانہ کعبہ کو بتلاتا ہے اور حدیث مذکور میں زمینِ کربلا کو خلقت میں مقدم کہا گیا ہے۔

جواب :- قرآن مجید میں کعبہ کے روئے زمین پر پہلی عبادت گاہ بنائے جانے کا اعلان کیا گیا ہے کیونکہ یہودیوں نے تحویلِ قبلہ کے بعد مسلمانوں پر یہ اعتراض شروع کر دیا تھا کہ بیت المقدس روئے زمین پر پہلی عبادت گاہ ہے حتیٰ کہ حضرت ابراہیم کا قبلہ بھی یہی تھا تو خداوندِ کریم نے ان کی رو میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ غلط کہتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ لوگوں کے لئے زمین پر پہلی جائے عبادت جس خطۂ ارضیہ کو قرار دیا گیا وہ وہی ہے جو مکہ میں ہے یعنی خانہ کعبہ۔ پس قرآن مجید میں کعبہ کی خلقت کا کوئی تذکرہ نہیں بلکہ صرف اس کے قبلہ ہونے کی سبقت کا اعلان ہے اور حدیث مذکور میں زمینِ کربلا کی خلقت کی تقدیم کا ذکر ہے۔ لہذا مضمونِ حدیث اور مفہومِ آیت میں کوئی تعارض نہیں یعنی خلقت میں زمینِ کربلا کو زمینِ کعبہ پر تقدیم حاصل ہے اور قبلہ ہونے میں کعبہ کو بیت المقدس سے اول ہونے کا شرف حاصل ہے اور گذشتہ بعض احادیث میں جہاں کعبہ

کی پیدائشی سبقت بیان کی گئی ہے وہاں زمین کر بلا کے علاوہ باقی زمینوں سے سبقت مراد ہے۔ واللہ اعلم

۲) مروی ہے کہ زلزلہ قیامت کا وقت آئے گا تو زمین کر بلا کو اٹھایا جائے گا اور یہ خطہ جنت کے تمام مخلوق سے افضل ہوگا اور جنت کے ریاض میں یہ زمین اس طرح چمکے گی جس طرح کوکب درمی دوسرے ستاروں سے نمایاں طور پر اپنی چمک کو ظاہر کرتا ہے حتیٰ کہ اس کی چمک سے تمام اہل جنت کی آنکھیں خیرگی محسوس کریں گی اور اس کی آواز آئے گی کہ میں وہ پاک زمین ہوں جسے شہیدوں کے مدفن و مسکن ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

۳) خاک شفا کی تسبیح سے استغفار کرنا ستر گنا زیادتی ثواب کا موجب ہے۔

۴) خاک کر بلا یعنی خاک شفا کی تسبیح کا ہاتھ میں رکھنا بھی تسبیح پڑھنے کے ثواب کے برابر ہے۔

۵) خاک شفا پر سجدہ کرنے سے مقبولیت عبادت کی روکاؤں کے ساتھ حجاب دور ہو جاتے ہیں اور عبادت مقبول ہو جاتی ہے۔

۶) مٹی کا کھانا حرام ہے لیکن خاک شفا کا شفا یابی کی نیت سے کھانا جائز ہے۔

۷) خاک شفا کا پاس رکھنا ہر قسم کے خطرات سے بچنے کا تھوڑا اور تعویذ ہے بشرطیکہ اسی نیت سے اپنے پاس رکھے۔

۸) اگر سامان تجارت میں خاک شفا کو رکھا جائے تو تجارت میں برکت نصیب ہوگی۔

۹) نوزائیدہ بچے کے حلق میں خاک شفا ڈالنا اس کی امان و سلامتی کا موجب ہے۔

۱۰) میت کے ساتھ قبر میں خاک شفا کا رکھنا عذاب قبر سے امان کا موجب ہے۔

۱۱) میت کے جنوط کے ساتھ خاک شفا کی ملاوٹ مستحب ہے۔

۱۲) زمین کر بلا میں دفن ہونے والا بغیر حساب جنت میں داخل ہوگا۔

۱۳) زمین پر اتارنے والے فرشتے جب واپس جلتے ہیں تو ٹھوس اُن سے خاک شفا کا تحفہ طلب کرتی ہیں۔

۱۴) تمام ملائکہ بطور تحفہ خاک شفا کو جناب رسالت کی خدمت میں لے جاتے رہے ہیں۔

۱۵) یہی زمین حضرت عیسیٰ کی ولادت گاہ ہے۔

۱۶) حضرت موسیٰ کو جس زمین پر شرف کلام حاصل ہوتا تھا وہ یہی زمین تھی۔

۱۷) آدم سے لے کر خاتم تک تمام انبیاء کا ورود اس مقدس زمین پر ہوا۔

۱۸) اسی مقدس زمین میں واقعات کر بلا سے قبل دوسو نبی، دوسو مہم اور دس سو سبط نبی دفن ہوئے جو درجہ شہادت پر فائز ہو کر

دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ (خصائص حینیہ)

بنائے کعبہ کے بعد اس کی تولیت حضرت اسماعیل کے سپرد تھی اور ان کے بعد ان کی اولاد کو تولیت
تولیت کعبہ
یہیت اللہ کا شرف حاصل رہا لیکن کچھ عرصہ کے بعد قبیلہ جرم نے غلبہ حاصل کر کے کعبہ کی تولیت ان

سے چھین لی اور جب قبیلہ جرم اور علاقہ کی آپس میں جنگ ہوئی تو علاقہ غالب آگئے اور کعبہ کو انہوں نے اپنے قبضہ میں لے لیا پھر ایک مرتبہ جرم نے علاقہ کو مغلوب کر کے ان سے کعبہ کی تولیت واپس لے لی اور تقریباً تین سو برس اس کے متواتر رہے اور انہوں نے کعبہ کی عمارت میں کچھ اضافہ بھی کیا۔

جب حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کی تعداد بڑھ گئی تو انہوں نے قبیلہ جرم کو مکہ سے نکال دیا اور کعبہ کی تولیت خود سنبھال لی۔ اس وقت ان کا سرکردہ عمرو بن لُحی خزاعی تھا اور یہ پہلا شخص ہے جس نے کعبہ میں بُت لاکر رکھے اور لوگوں کو شرک کی تعلیم دی۔ اُس نے پہلا بُت جو کعبہ میں رکھا تھا اس کا نام ہبل تھا اور وہ اسے شام سے لایا تھا اس کے بعد پھر دوسرے بُت لائے گئے حلیل خزاعی بنی خزاعہ میں سے کعبہ کا آخری متواتر ہے۔ حلیل کی صرف ایک لڑکی تھی جو قصی بن کلاب کے نکاح میں تھی۔ پس حلیل نے اپنے بعد کعبہ کی تولیت اپنی بیٹی کے سپرد کر دی اور اس کی کلید برادری کے لئے ابونشان نے معمولی معاوضہ سے کعبہ کی کلید برادری بھی قصی بن کلاب کو بیچ دی پس اس طریقہ سے کعبہ کی تولیت قریش تک پہنچی۔ جب جناب رسالتؐ نے مکہ کو فتح کیا تو اس کے اندر جس قدرت وغیرہ رکھے تھے ان کو گرا دیا گیا۔

زمین مکہ کے خصوصیات

① اگر کوئی شخص حرم بیت اللہ کی حدود کے اندر ایسا جرم کرے جس کی شرعی حد یا قصاص مقرر ہے تو اس کو اپنے کئے کی سزا حرم کے اندر دی جاسکتی ہے۔

لیکن اگر جرم کا ارتکاب حرم کی حدود سے باہر ہو اور جرم بھاگ کر حرم کے اندر داخل ہو جائے تو اس پر سزا جاری نہ ہوگی جب تک کہ حدود حرم سے خارج نہ ہو جائے۔ البتہ کھانے پینے اور دیگر ضروریات زندگی میں اس پر سختی برتی جائے گی تاکہ وہ خود بخود حرم کی حدود سے نکل جائے اور اس پر معتبہ حد جاری کی جائے۔

② مکہ کی زمین میں تمام مسلمانوں کو رہنے کا حق حاصل ہے۔ لہذا کسی مسلمان کو وہاں کی رہائش سے روکا نہیں جاسکتا۔ بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ روکنا حرام ہے۔ اور بعض مکروہ جانتے ہیں۔

③ کعبہ کی عمارت سے بلند کسی مسلمان کو اپنا مکان نہیں بنوانا چاہیے (بعض علماء کے نزدیک حرام اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے)۔

④ حدود حرم کے اندر کسی کی کوئی چیز گر جائے تو خواہ وہ کم ہو یا زیادہ کسی اٹھانے والے پر وہ حلال نہیں ہو سکتی بلکہ وہ اس کے پاس امانت کے طور پر رہے گی اور سال بھر تک اس کی تعریف و اعلان کرنا ضروری ہے اگر مالک مل جائے تو ٹھیک ورنہ بطور امانت اپنے پاس رکھے یا مالک کی طرف سے صدقہ کر دے۔

⑤ تفسیر صافی میں مروی ہے کہ جو شخص حرم میں مدفون ہو جائے وہ قیامت کی سخت گھبراہٹ سے محفوظ ہوگا۔

⑥ جو حرم خدا یا حرم رسولؐ میں سے کسی ایک حرم میں مر جائے تو خدا اس کو امن پانے والوں میں محصور کرے گا (صافی)۔

⑦ جو شخص ان دونوں حرموں کے درمیان مرے تو بروزِ محشر اس کا دیوان پیش نہ ہوگا۔

⑧ مکہ میں داخل ہونے والے کے لئے ضروری ہے کہ احرامِ عمرہ باندھ کر داخل ہو۔

ولادت علیؑ در کعبہ

کعبہ کی خصوصیات میں سے اہم خصوصیت ہے کہ وہ حضرت علیؑ علیہ السلام کی جائے ولادت ہے اور اس شرف پر کعبہ کو بجا طور پر ناز ہے۔ کتب فریقین میں حضرت

علیؑ کی کعبہ میں ولادت کی خصوصیت اور کعبہ کی حضرت علیؑ کے مولد ہونے کی خصوصیت کو متفق طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔

چنانچہ کفایت الطالب کبھی سے منقول ہے کہ اس زمانہ میں ایک عابد تھا جسے مسرم کہتے تھے اور اس نے دوسو تر برس خداوند کریم کی عبادت کی تھی اور کبھی اپنی کسی حاجت کا سوال نہ کیا تھا۔ حضرت ابوطالب کو خدا نے اس کے پاس بھیج دیا۔ اس نے دیکھتے ہی اٹھ کر تعظیم کی سرکاپوسہ دیا اور اپنے سامنے جگہ دی پھر ان سے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ حضرت ابوطالب نے جواب دیا کہ میں تنہا (مکہ) کے رہنے والا ہوں اس نے نسب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں ہاشمی ہوں وہ عابد سنتے ہی دوبارہ اٹھا اور حضرت ابوطالب کے سر کو بوسہ دیا اور کہا کہ مجھے خدا نے بطور ابہام خبر دی ہے کہ خدا تجھے ایک فرزند عطا کرے گا جو ولی اللہ ہوگا۔ پس جس شب کو حضرت علیؑ کا تولد ہوا تو فضا نے عالم آپ کو طلعت نوری سے منور ہوئی حضرت ابوطالب نے باہر نکل کر اعلان فرمادیا کہ بندگانِ خدا کعبہ میں ولی اللہ کا تولد ہو چکا ہے۔ صبح سویرے جب داخل کعبہ ہوئے تو یہ اشعار اپنی زبان پر جاری کئے۔

يَا رَبِّ هَذَا الْخَلْقُ الدَّائِي
وَالْقَمَرُ الْمُبْلَجُ الْمُضِي

بَيْنَ لَنَا مِنْ أَمْرِكَ الْخَفِيِّ
مَاذَا تَرَى فِي إِسْمِ ذَا الصَّبِيِّ

اے پھلتی ہوئی تاریکی اور روشنی پھیلانے والے چاند کے پروردگار اپنے مخفی راز میں سے تو ہی بتا کہ تیرے نزدیک اس

بچے کا کیا نام ہونا چاہیے۔

پس ہاتھ غیبی کی ندا کان میں پہنچی۔

يَا أَهْلَ بَيْتِ الْمُصْطَفَى السَّبِي
خَصَّصْتُ بِالْوَلَدِ الزَّكِيِّ

إِنَّ اسْمَهُ مِنْ شَامِخِ عَلِيٍّ
عَلِيٌّ أَشْتَقُّ مِنَ الْعَلِيِّ

اے مصطفیٰ نبی کے گھر والو تمہیں یہ بچہ مبارک ہر علیؑ نے اس کا نام اپنے نام سے مشتق کر کے علی رکھا ہے۔

۲۔ متدرک حاکم سے مروی ہے کہ تَوَاتُوتِ الْأَخْبَارِ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَسَدٍ وَلَدَتْ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيًّا

بِنْتُ أَبِي طَالِبٍ كَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَهُ فِي جَوْفِ الْكَعْبَةِ (احادیث میں یہ بات تواتر سے پہنچی ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علیؑ بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ جناب فاطمہ بنت اسد کے بطن مبارک سے کعبہ کے اندر ہی پیدا ہوئے۔

۳۔ ابن صباغ مالکی فصول مجہد میں لکھتے ہیں کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام مکہ مشرفہ میں بیت اللہ کے اندر ۱۳ رجب بروز جمعہ ۱۰ سالہ عام الفیل ہجرت سے ۲۳ یا بقولے ۲۵ سال قبل اور بعثت سے ۱۲ سال یا بقولے ۱۰ سال پہلے پیدا ہوئے اور ان سے پہلے بیت اللہ میں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا اور یہ وہ فضیلت ہے کہ اس میں آپ کا کوئی شریک نہیں اور ان کے

اجلال۔ علوم تربت اور اظہار کرامت کے لئے ہی خدا نے ان کو یہ شرف خصوصی مرحمت فرمایا اور نیز آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں۔ جو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ہاشمی ہیں۔

۴۔ بحار الانوار سے مروی ہے کہ سعید بن جبیر یزید بن قنعب سے روایت کرتا ہے کہ میں اور عباس بن عبد المطلب بیت اللہ کے سامنے بیٹھے تھے اچانک ہم نے والدہ امیر المومنین علیہ السلام حضرت فاطمہ بنت اسد کو اکتے دیکھا اور آپ نو ماہ سے حاملہ تھیں۔ آپ کو خاص تکلیف محسوس ہوئی جو عورتوں کو زائیدگی کے وقت ہوا کرتی ہے تو یہ دعا زبان پر جاری کی۔ اے پروردگار! میں تیرے اوپر ایمان رکھتی ہوں نیز تیرے رسولوں اور تیری کتابوں کو مانتی ہوں اور اپنے جد بزرگوار حضرت خلیل علیہ السلام کی تصدیق کرتی ہوں جنہوں نے بیت اللہ کی بنا رکھی تھی۔ پس تجھے اس گھر کی بنا رکھنے والے کے حق کی اور اس بچے کے حق کی جو میرے بطن میں ہے قسم دے کہ سوال کرتی ہوں کہ اس بچے کی ولادت کا معاملہ میرے اوپر آسان فرما۔ یزید بن قنعب کہتا ہے کہ ہم نے دیکھا دیوار کعبہ پشت کی طرف سے شق ہوئی اور جناب فاطمہ اندر داخل ہو کر ہماری نظروں سے غائب ہو گئیں اور دیوار پہلے کی طرح متصل ہو گئی۔ ہم نے سامنے سے آکر قفل کھولنا چاہا لیکن ہمیں ناکامی ہوئی پس ہم سمجھ گئے کہ یہ تقدی راز ہے اس کے بعد چوتھے روز جناب فاطمہ بنت اسد حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو ہاتھوں پر اٹھا کر باہر آئیں اور فخر یہ یہ الفاظ زبان پر جاری کئے کہ مجھے گذشتہ تمام عورتوں سے فضیلت عطا کی گئی ہے کیونکہ اسیہ بنت مزاحم نے خفیہ طور پر ایک ایسی جگہ خدا کی عبادت کی جہاں بغیر اضطراب کے کسی کی عبادت کو جائز نہیں قرار دیا جاتا اور حضرت مریم بنت عمران نے خشک کجور کو حرکت دے کر تازہ پھل حاصل کئے اور نوش فرمائے اور میں بیت اللہ میں داخل ہو کر جنت کے میوہ جات کھاتی رہی ہوں۔ اور جب میں نے وہاں سے باہر آنے کا ارادہ کیا تو ہاتھ غیبی کی جانب سے ندا پہنچی۔ اے فاطمہ! اس بچے کا نام علی رکھو پس وہ علی ہے اور خدائے علی و علی ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے اس کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے اور میں نے خود ہی اس کو اپنے آداب تفویض کئے ہیں اور اس کو اپنے رموز علم سے اطلاع بخشی ہے وہ میرے گھر سے بتوں کو توڑ کر نکالے گا اور وہی اعلانیہ میرے گھر میں اذان دے گا اور میری تقدیس و تجید بیان کرے گا۔ پس اس مجھے جباروں اور اطاعت گزاروں کے لئے طوبی اور اس کے دشمنوں اور نافرمانوں کے لئے ویل ہے۔ مناسبت مقام اور تبرک کے لئے یہ روایتیں نقل کی گئی ہیں۔

کعبہ کی خصوصیات میں سے ہے کہ مَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا۔ جو بھی اس میں داخل ہو یا اس رہے گا یہ خصوصیت صرف مکان کعبہ کی نہیں بلکہ حدود حرم کے اندر کا علاقہ نسب کا سب اسی خصوصیت کا حامل ہے اور زمانہ جاہلیت میں بھی جاہلی عربوں کا یہ دستور تھا کہ اگر حرم کے اندر اپنے گے باپ کے قاتل کو بھی پالیتے تھے تو حرم کی حرمت کی پاسداری کرتے ہوئے اس سے ان حدود کے اندر انتقام لینا پسند نہ کرتے تھے تفسیر صافی میں بروایت علی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے ابو حنیفہ سے آیت کے اسی

مکھڑے کے متعلق دریافت فرمایا کہ وہ زمین کو نہی ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ کعبہ تو آپ نے فرمایا کہ حجاج بن یوسف نے جب حملہ کیا تھا اور ابن زبیر کعبہ میں ہی قتل ہو گیا تھا تو اس کے لئے پھر جائے امن کیسے رہا؟ وہ جواب سے عاجز آگیا اس سوال و جواب کی قدر سے تفصیل مقدمہ تفسیر انوار النجف ص ۸۱ پر موجود ہے۔ آخر کار اُس نے آپ سے ہی اس کی تاویل لپچی تو آپ نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں کے متعلق ہے جو ہمارے قائم علیہ السلام کی بیعت کر کے اس میں داخل ہوں گے اور ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر ان کے صحابہ میں شامل ہوں گے۔ اسی کتاب میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آیت مجیدہ کا مطلب یہ ہے کہ خداوند کریم کی جانب سے عائد کردہ جمیع احکام کا عارف و معترف ہو کر جو بھی اسمیں داخل ہوگا وہ آخرت کے دائمی عذاب سے نجات پائے گا۔

بروایت عیاشی آپ سے مروی ہے کہ لوگوں میں سے جو بھی حرم کو پناہ سمجھ کر اس میں داخل ہوگا وہ غضبِ خدا سے محفوظ ہوگا اور جانوروں اور پرندوں میں سے جو بھی اس میں داخل ہوگا اس کو اذیت نہیں دی جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ حرم کی حدود سے باہر چلا جائے

تنبیہ: یہ روایات تاویل اور باطن کے لحاظ سے ہیں ورنہ ظاہر کے لحاظ سے ابتداء خلقت سے لے کر تا قیام قیامت کعبہ جائے امن ہے اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ کعبہ میں پناہ حاصل کرنے والے کو خوفزدہ کرے انسان تو بجائے خود کسی حیوان کو بھی حدودِ حرم کے اندر ستایا نہیں جاسکتا اور جو شخص اس حکم کی مخالفت کرے گا وہ حرمِ خدا کی توہین کرنے والا سمجھا جائے گا۔ جس کے لئے وہ بارگاہِ رب العزت میں بروزِ محشر جوابدہ ہوگا۔

اسلام میں سب سے پہلے حضرت سید الشہداء علیہ السلام کو کعبہ میں خوفزدہ کیا گیا جس کی بناء پر آپ نے احرام حج کو عمرہ میں تبدیل کر کے اعمالِ عمرہ بجالانے کے بعد احرام کھولا اور وہاں سے روانہ ہو گئے اور یہ اس لئے کہ کہیں ہمداری وجہ سے حرمِ خدا کی ہتک نہ ہو اور اس کا مفصل تذکرہ کتبِ مصائب میں موجود ہے۔

حج کعبہ **اللہ علی الناس حج البیت الخ** تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہاں حج و عمرہ دونوں مراد ہیں۔ اور استطاعت کے متعلق آپ سے مروی ہے کہ بدنِ تندرست

ہو اور مالی طاقت موجود ہو تو وہ مستطیع ہوگا ایک اور روایت میں ہے کہ بدنِ تندرست۔ زادِ دراعلم موجود اور راستہ پر امن ہو۔ بہر کیف فقہائے امامیہ کے نزدیک وجوبِ حج کے شرائط چند ہیں۔

۱۔ کامل العقل ہو۔ لہذا نابالغ اور دیوانے پر حج واجب نہیں ہوا کرتی۔

۲۔ آزاد ہو۔ لہذا غلام پر حج واجب نہیں ہوتی۔

۳۔ زادِ دراعلم موجود ہو یعنی مالی طاقت موجود ہو کہ اپنے راستہ کے آمد و رفت کے اخراجات کے علاوہ اپنی واپسی تک کا بال بچوں اور دیگر واجب النفقہ افراد کی ضروریاتِ زندگی کا انتظام کر سکتا ہو۔

مسئلہ :- اگر ایک شخص کے پاس زمین یا کوئی دوسری جائیداد اپنی ضرورت سے زائد موجود ہو لیکن نقد روپیہ ہاتھ میں نہ ہو تو اس صورت میں زائد از ضرورت مال کو فروخت کر کے حج کو جانا واجب ہے۔

مسئلہ :- اگر اس کے پاس روپیہ موجود ہے لیکن اسی قدر مقروض بھی ہے تو حج کا وجوب ساقط ہوگا پس وہ روپیہ قرض خواہ کو دے کر قرضہ سے سبکدوش ہو جائے پھر اگر استطاعت ہو تو شرائط کے ماتحت اس پر حج کا وجوب عائد ہوگا۔

مسئلہ :- جس پیسہ میں خمس و زکوٰۃ اور دیگر حقوق مالیہ داخل ہیں اور اب تک اُس نے ادا نہیں کئے تو اس پر واجب ہے کہ خمس و زکوٰۃ و دیگر حقوق واجبہ سے پہلے سبکدوش ہونے کی کوشش کرے اور اس کے بعد اخراجات حج کے لئے روپیہ بچ جائے تو حج کو بلے ورنہ استطاعت کا انتظار کرے۔

مسئلہ :- اگر روپیہ موجود ہو لیکن وجوب کے پہلے سال ہی روانگی سے پہلے وہ تلف ہو جائے تو وجوب حج ساقط ہو جائے گا۔

مسئلہ :- اگر روپیہ موجود ہو اور حج کی درخواست بھی دے دی لیکن ملکی قانونی رکاوٹوں کی وجہ سے نہ جاسکا اور دوسرے سال کے ایام حج آنے سے پہلے اس کا وہ روپیہ خرچ ہو گیا تو اس سے وجوب حج ساقط ہوگا کیونکہ پہلے سال اس پر حج کا استقرار نہیں ہو سکا تھا پھر اگر اس کو استطاعت حاصل ہوگی اور جانا بھی ممکن ہوگا تو حج واجب ہوگی۔

مسئلہ :- جس شخص پر حج واجب ہو اور نہ کر سکے تو اس کے وارث پر اس کی طرف سے واجب ہوا کرتی ہے۔

مسئلہ :- اگر حج واجب ہو جائے تو پھر ترک کر کے مر جائے تو جناب رسالتؐ سے مروی ہے کہ وہ قیامت کے دن یہودی یا نصرانی مبعوث ہوگا اور فرمایا کہ تارک حج کافر ہے کیونکہ قرآن مجید میں خدا فرما رہا ہے۔ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ وجوب حج کے بعد بلا عذر شرعی جو شخص حج کو نہ جائے تو اس کی موت یہودیت یا نصرانیت کی موت ہوگی۔ روایات میں حج کی تاکید بہت زیادہ ہے خداوند کلیم تمام شیعیان اہلبیتؑ کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔

۴۔ تندرستی۔ اگر ایسا بیمار ہو کہ حج کے سفر کی صورتوں کو برداشت نہ کر سکتا ہو تو اس سے وجوب ساقط ہے لیکن مردی ہے کہ اس صورت میں اپنی طرف سے نائب بنا کر حج کر لے پس اگر اس کی بیماری تاموت رہ جائے تو وہی حج اس کی ہوگئی اور اگر بعد میں تندرست ہو جائے تو اس کو حج دوبارہ کرنی پڑے گی۔

۵۔ راستہ کا باامن ہونا۔ اگر راستہ خوفناک ہو تو حج کا وجوب ساقط ہے۔ ان مسائل کی تفصیلات کتب فقہیہ سے معلوم کی جاسکتی ہیں۔

مسئلہ :- عورت کی استطاعت میں وجود محرم ضروری نہیں ہے اگر عورت کے پاس دیگر اسباب موجود ہوں لیکن کوئی محرم دستیاب نہ ہو جس کے ہمراہ وہ سفر کرے تو اگر سلامتی کا غلن حاصل ہو تو وہ سفر حج کو جاسکتی ہے، ورنہ نہیں۔

مسئلہ :- استطاعت نہ ہونے کی صحت میں اگر حج کرے تو پھر استطاعت حاصل ہونے کے بعد اس پر دوبارہ حج واجب

عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿۴۸﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ

تمام جہان والوں سے فرمادیں گے اے اہل کتاب تم کیوں کفر کرتے ہو آیات خدا کا اور خدا

شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ﴿۴۹﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَنِ

باخبر ہے اس چیز پر جو تم کرتے ہو فرمادیں گے اے اہل کتاب کیوں روکتے ہو اللہ کے رستے سے

سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ تَبْغُوثَهَا عِوَجًا وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ ۚ وَمَا اللَّهُ

ایمان لانے والوں کو تم اس میں کبھی چاہتے ہو حالانکہ تم باخبر ہو اور خدا غافل

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۵۰﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَطِيعُوا فَرِيقًا مِّنْ

نہیں اس سے جو تم کرتے ہو اے ایمان والو! اگر تم نے اطاعت کی ایک گروہ کی ان دو گروں میں سے جن کو

الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كُفْرِينَ ﴿۵۱﴾

کتاب دی گئی تو وہ تم کو ایمان کے بعد دوبارہ کفر کی طرف پھیر دیں گے

ہو گی۔ کیفیت صحیح اور اس کے دیگر ضروری مسائل تیسری جلد کی ابتدا میں بیان ہو چکے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا۔ شان نزول۔ کہتے ہیں اوس خورج کے دونوں قبیلے ایک مقام پر آپس میں پیار و محبت

کی باتیں کر رہے تھے کہ شاش بن قیس یہودی کا ان پر گذر ہوا تو اس کو ان کی باہمی محبت ناگوار گذری پس اس نے ایک یہودی

نوجوان کو مشورہ دیا کہ ان کو اپنی گزشتہ دشمنیوں اور لڑائیوں کے واقعات سنا کر برا انگینہ کرے پس وہ ان میں آکر بیٹھ گیا۔

اور اس نے ایک سابقہ لڑائی کا ذکر چھیڑ دیا جو اوس اور خورج کے مابین ہوئی تھی اور اس میں قبیلہ اوس کو کامیابی حاصل ہوئی تھی

پس اس پر دونوں قبیلے ٹوٹو میں نہیں پر آگئے اور لڑنے پر کمر بستہ ہو گئے استنے میں لوگ کافی تعداد میں جمع ہو گئے فوراً اطلاع

پاتے ہی جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ میری موجودگی میں تم پھر جاہلیت کی طرف جارہے ہو حالانکہ تم کو اللہ نے

اسلام ایسی نعمت عطا فرما کر تم سے جہالت کو دفع فرمایا اور تمہیں ایک دوسرے سے باہمی الفت کا درس دیا۔ پس وہ فوراً مہیاپ گئے

کہ یہ شیطانی سازش تھی جو ہم میں چلائی گئی اور دشمن کافر یہود و صہ کا تھا جس میں ہم کو مبتلا کیا گیا چنانچہ انہوں نے فوراً ہتھیار ڈال کر

اپنے کئے سے توبہ کی اور ایک دوسرے کے گلے بل گئے اور جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ واپس آگئے۔ پس خداوند کریم کی جانب سے

یہودیوں کی تفہیم کا حکم ہوا کہ اے اہل کتاب تمہیں ایسے کفریہ کړتوتوں سے باز آجانا چاہیے اور اللہ کے سچے راستے یعنی دین اسلام

وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُثَلِّىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ وَمَنْ

اور تم کس طرح کفر کر سکتے ہو حالانکہ تم پر اللہ کی آیات کی تعداد کی جاتی ہے اور اسی کا رسول تم میں موجود ہے اور جو

يَعْتَصِمُ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۰۱﴾

اللہ سے تمسک کرے پس تحقیق وہ ہدایت یافتہ ہے راہِ راست کی طرف۔

کی تعلیمات سے لوگوں کو برگشتہ کرنے کی ناپاک حرکات کو چھوڑ دینا چاہیے اور خدا تمہاری ان ناپاک سازشوں سے پوری طرح آگاہ ہے اس کے بعد پھر ایمان والوں کو خود خطاب فرماتا ہے کہ تمہیں ان یہودیوں کے دہمِ تزویر میں ہرگز نہ آنا چاہیے ورنہ وہ تو تمہیں دوبارہ کفر کی طرف ہی کھینچ کر لے جائیں گے (صافی رمیزان)

وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ - یعنی ویسے بھی حجت تمام ہونے کے بعد انسان کو کفر نہیں کرنا چاہیے لیکن جب قرآن پاس موجود ہو اور اس کے احکام کی ترجمانی کرنے والا رسول بھی پاس ہو تو پھر کفر کی طرف عود کرنا انتہائی نالائق ہے جس طرح وہ لوگ قرآن کے مطالب کو ہر وقت سن کر اطمینانِ قلب حاصل کرتے تھے اسی طرح جنابِ رسالتؐ کے وجودِ ذی جود کے معجزات و کرامات بھی ان کی تازگیِ ایمان اور زیادتیِ یقین کا بہترین ذریعہ تھے اور ان کو بارہا دیکھنے کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ چنانچہ آپ کے جسمِ اقدس کے کلمات جو ہر وقت سامنے تھے یہ بھی۔

① جس طرح آپ سامنے دیکھتے تھے اسی طرح پیچھے کی چیز کو بھی دیکھتے تھے۔

② آپ کی آنکھیں سوتی نہیں اور دل بیدار رہتا تھا۔

③ آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔

④ مکھی آپ کے جسم پر نہ بیٹھ سکتی تھی۔

⑤ زمین آپ کے فضلات کو نگل جاتی تھی۔

⑥ بڑے سے بڑا قدر آور بھی جب آپ کے پاس کھڑا ہوتا تھا تو آپ کا قد اس سے بلند نظر آتا تھا۔

⑦ آپ کے شانوں کے درمیان مہرِ نبوت کا واضح نشان موجود تھا۔

⑧ جس مقام سے آپ کا گذر ہوتا تھا خوشبو کی مہک باقی رہتی تھی جس سے لوگوں کو آپ کے گذر جانے کا علم ہو جاتا تھا۔

⑨ شبِ تاریک میں آپ کے چہرہ کا نورِ روشنی کا موجب ہوتا تھا۔

⑩ آپ ختم شدہ متولد ہوئے تھے (مجمع البیان)

⑪ دھوپ میں آپ کے جسم پر بادلِ سایہ فگن رہتا تھا وغیرہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُوا إِلَّا وَأَنتُمْ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے اور تم پر موت نہ آنے پائے مگر اس حالت میں کہ تم

مُسْلِمُونَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ

مسلمان ہو اور تمک پکڑو اللہ کی رسی سے مل کر اور جدا جدا نہ ہو اور یاد کیا کرو خدا کی نعمت کو

اللَّهُ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً ۚ قَالَتْ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ

جو تم پر ہے کہ تم آپس میں دشمن تھے پس اس نے تمہارے دلوں کو ایک دوسرے سے مانوس کر دیا پس تم اس کی مہربانی سے

إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُم مِّنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ

بھائی بھائی ہو گئے اور تم جہنم کے گڑھے کے کنارے پر تھے پس اس نے تم کو اس سے بچایا اسی طرح بیان کرتا ہے

اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۰۳﴾

خدا اپنی آیات کو تاکہ تم سبھی

رکوع ۲

بیان تقویٰ

اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ۔ تقویٰ کے کئی مراتب ہیں اور اس کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ تمام واجبات و محرمات میں اس کے احکام کی اطاعت کی جائے اطاعت کی منزلیں جس طرح ایک دوسری سے بلند ہوتی چلی جاتی ہے اسی طرح تقویٰ کے منازل میں ترقی ہوتی جاتی ہے اور اطاعت کی آخری بلند ترین منزل یہ ہے کہ انسان عِبْدِیْ کُنْ لِیْ اَکُنْ لَّکَ (اے بندہ تو میرا ہو جا تو میں تیرا ہو جاؤں) کے مرتبہ تک پہنچ جائے اور یہی تقویٰ کی آخری منزل ہے جس کو حق تقویٰ کہا گیا ہے اور یہ چیز معرفت کے تابع ہے معرفت کا پہلا درجہ ظاہری اسلام اس کے بعد یقین اور پھر علم یقین اور آخر میں حق یقین تک پہنچتی ہے اور درحقیقت اسلام کی حقیقی منزل اور واقعی قرار گاہ بھی یہی ہے جس کے متعلق حضرت ابراہیمؑ نے اپنے لئے دعا طلب کی تھی رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ اور ظاہر ہے کہ جب عہد نبوت و رسالت پر فائز ہونے والا معصوم اپنے لئے اسلام کی دعا مانگ رہا ہے تو اس سے معرفت کی آخری منزل ہی مراد ہو سکتی ہے

اور اسی کو دوسرے مقام پر اطمینان قلبی سے تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے لِيُطْمَئِنُّ قَلْبُكَ مِنْ مَعْرِفَةِ الْمَآثِلِ کے ساتھ ساتھ اسلام و تسلیم کے مراتب اور اطاعت و تقویٰ کے مدارج میں ارتقاء ہوتا جاتا ہے جب معرفت حق الیقین کے مرتبہ پر پہنچتی ہے تو تسلیم و اطاعت میں کُنْ لِيْ اَكُنْ لَكَ کا منظر سامنے ہوتا ہے اور تقویٰ حَقُّ تَقَاتِيْہ کی منزل کو پہنچ جاتا ہے اور تمام انسانوں کو تقویٰ کی اسی آخری منزل تک پہنچنے کی دعوت دی گئی ہے لیکن چونکہ ہر انسان کے بس سے باہر ہے کہ اس مرتبہ پر فائز ہو سکے لہذا اطاعت کی بعض منزلیں ایک عام انسان کے لئے ناشدنی اور غیر ممکن معلوم ہوتی ہیں۔ حالانکہ اہل معرفت مقام سلوک میں انکو اپنے پیچھے چھوڑ کر آگے نکل چکے ہوتے ہیں لہذا دوسرے مقام پر خود ہی ارشاد فرمادیا فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (پس سورہ تَقَاتٰی) یعنی تقویٰ اختیار کرو جس حد تک کر سکو۔

میں نے ایک روایت میں دیکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک نماز گزار کے پاس سے گذر ہوا تو اس کی نماز ناقص دیکھ کر حیران ہوئے اور خداوند کریم کی بارگاہ میں اپنی حیرت کا اظہار بھی کیا تو ارشاد ہوا اے موسیٰ تو اپنی معرفت کے ساتھ اس کی عبادت کا موازنہ نہ کر بلکہ اسی کی عبادت کا موازنہ اس کی اپنی معرفت سے ہوگا اور تیری عبادت کا موازنہ تیری معرفت سے ہوگا اگر تجھے میری معرفت اس طرح حاصل ہوتی جس طرح میں خود اپنی معرفت رکھتا ہوں تو تجھے اپنی عبادت اسی طرح حقیر معلوم ہوتی جس طرح اب اس عبادت گزار کی عبادت کو تو حقیر سمجھ رہا ہے۔

پس اطاعت و تقویٰ کی آخری منزل تک جانے کی دعوت ہر ایک کو ہے لیکن اس مرحلہ تک جانے والوں کے مراتب میں تفاوت ہے اور شخص اپنی فوٹ معرفت اور طاقت ایمان و یقین کی مقدار کے ماتحت اس کی طرف اقدام کرتا ہے اور لَا تَمُوتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ بھی اسلام کی اسی آخری منزل تک پہنچنے کا پیغام ہے اور قطعاً یہاں اسلام سے اس کا پہلا مرتبہ مراد نہیں ہے کیونکہ یہاں خطاب ایمان والوں کو ہے اور ایمان کا درجہ اسلام سے بلند ہے بلکہ یہاں اسلام سے اس کا وہ مرتبہ مقصود ہے جو حضرت خلیل نے اپنے لئے طلب کیا تھا اور وہی حق تقویٰ کے مساوی ہے۔

تفسیر برہان میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس آیت پر سوائے اہلبیت رسول کے اور کسی نے عمل نہیں کیا ہم نے اس کا ذکر کیا اور کبھی اس کو فراموش نہیں کیا ہم نے اس کا شکر کیا اور کبھی کفران نہ کیا اور ہم نے ہی اس کی اطاعت کی اور کبھی گناہ نہ کیا اور یہ آیت اتری تو صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ہم میں تاب نہیں کہ حق تقویٰ کی منزل کو پہنچ سکیں تب ارشاد ہوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ یعنی تقویٰ کرو جس حد تک کر سکو اور معرفت جب حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچتی ہے تو کبھی عبادت سے سیری حاصل نہیں ہوتی اور اس سے ارشاد ہوتا ہے میرے حبیب ہم نے قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم مشقت میں پڑو (پس) لیکن اس طرف سے جی نہیں بھرتا۔ عرض کرتے ہیں مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ اور یہ ہے حق تقویٰ کی آخری منزل اور اس سے محبت و پیار کے لہجے میں عبادت کے گھٹانے کی فہمائش اور اور اس سے رنگ عبودیت میں عبادت کے بڑھانے کی خواہش اور کربلا والوں نے حق تقویٰ کا جو مظاہرہ کیا وہ ان کی منزل حق الیقین کا خوب ترجمان ہے۔ اگر طوالت کا

خوف دامن گیر نہ ہوتا تو اس مقام پر روشنی ڈالی جاتی تاہم تاریخ کی اوراق گردانی کے بعد نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ كِ تَفْسِير

۱۔ تفسیر زبان میں جابر بن عبد اللہ انصاری سے مروی ہے کہ ایک دفعہ اہل یمن کا وفد خدمت اقدس جناب رسالت مآب میں پہنچا تو آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا۔ یہ وہ قوم ہے جن کے دل نرم اور ایمان راسخ ہیں اور انہی سے منصور ہوگا جو ستر مہرہ کی فوج لے کر میرے خلیفہ اور میرے وصی کے خلیفہ کی نصرت کرے گا اور ان کی تلواروں کے میان چرمی ہوں گے انہوں نے عرض کی حضور آپ کا وصی کون ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا وہ وہی ہے جس کے متعلق ارشاد ہے۔ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ انہوں نے عرض کی اس حبل سے کیا مراد ہے تو آپ نے فرمایا۔ خدا فرماتا ہے اِلَّا بِحَبْلِ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلِ مِنَ النَّاسِ اللہ کی طرف سے حبل قرآن مجید ہے اور لوگوں میں سے حبل میرا وصی ہے پھر انہوں نے وصی کا مصداق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ وہی ہے جس کو جناب اللہ کہا گیا ہے کہ ارشاد قدرت ہے اَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يَا حَسْرَتِي مَافَرَطْتُ فِيْ حَبْلِ اللَّهِ (پہا زمر) آپ نے فرمایا کہ اسی کو خدا نے سبیل بھی کہا ہے یَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيْلًا (پہا نمل) جس دن ظالم حیرت و حسرت سے اپنے اپنے دانتوں سے اپنے ہاتھ کاٹنے لگا اور کہے گا۔ کاش میں نے رسول اللہ کے ساتھ سبیل کو پکڑا ہوتا۔ اس سے مراد میرا وصی ہے اور وہی میرے بعد مجھ تک پہنچانے کا راستہ ہے۔ انہوں نے آپ کو اپنی نبوت کا واسطہ دے کر پھر سوال کیا کہ وہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ خدا نے اس کو غور کرنے والوں کے لئے آیت دلنشانی قرار دیا ہے۔ لہذا تم اس مجمع کی صفوں میں غور سے نگاہ کرو۔ پس جس کی طرف تمہارا دل جھک جائے سمجھو کہ وہی ہے پس ان میں سے ابو عامر اشعری، ابو غرہ خلانی، ظبیان، عثمان بن قیس غرقہ دوسی اور لاحق بن علاقہ نے کھڑے ہو کر تمام صفوں پر نگاہ دوڑائی۔ آخر کار حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام پر ان کی نظر انتخاب نے قرار پکڑا۔ پس جناب رسالت مآب نے ان کی تصدیق و تائید فرمائی اور ان کو نہایت دقیق لفظوں میں خراج تحسین پیش کیا پھر فرمایا کہ تم نے اس کو کس طرح پہچان لیا ہے؟ عرض کرنے لگے حضور! ہم نے جب تمام صفوں کو چھاننا تو ہماری نظری سوائے علی ابن ابیطالب کے کسی پر مطمئن نہ ہوئی لیکن اس کو دیکھتے ہی آنکھیں سیر ہو گئیں دل ٹھنڈا ہو گیا اور طبیعت میں سکون و اطمینان آگیا پس ہم یہ سمجھے یہ وہی ہوگا۔ پھر آپ نے ان کو دعا دی اور شہادت کی بشارت دی اور جنت کا مزدہ سنایا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور یہ لوگ چھرت امیر علیہ السلام کے ہمراہ ہو کر جنگ صفین میں شہید ہو کر داخل جنت ہوئے۔

۲۔ حضرت علی ابن الحسین سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت رسالت مآب اپنے صحابہ کے ساتھ مسجد میں رونق افروز تھے آپ نے فرمایا ابھی یہاں ایک شخص آئے گا جو اہل جنت سے ہوگا اور کام کی بات پوچھے گا پس فوراً ہی ایک لمبی قد والا جوان جو اہل مصر سے مشابہت رکھتا تھا داخل مسجد ہوا۔ جناب رسالت مآب پر سلام کر کے بیٹھ گیا پھر وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ

پڑھ کر عرض کرنے لگا حضور! فرمائیے حبیل اللہ سے کون مراد ہے؟ آپ نے مقصود ہی دیر خاموشی سے سر جھکا کر بلند کیا اور علیؑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ وہی ہے۔ جس نے اس کے ساتھ تمسک پکڑا وہ دنیا و آخرت میں گمراہی سے محفوظ رہا۔ پس اس شخص نے فوراً اٹھ کر حضرت علیؑ کو گلے لگایا اللہ اِغْتَصَمْتُ بِحَبْلِ اللہ یعنی میں حبیل اللہ سے تمسک رکھتا ہوں کہتے ہوئے چلا گیا ایک شخص نے اٹھ کر عرض کی یا رسول اللہ۔ اگر اجازت ہو تو میں اس سے بخشش کی دعا کا سوال کروں آپ نے اجازت دی پس وہ ابہر اگر اس سے ملا اور طلب بخشش کی اپنے لئے خواہش ظاہر کی اس نے جواب دیا کہ جناب رسالتؐ کے ساتھ میرا سوال و جواب تو نے سن لیا۔ ہے یا نہیں؟ اس نے کہا ہاں سنا ہے پس اس نے جواب دیا کہ اگر تو اسی شخص سے تمسک پکڑے گا (یعنی علیؑ سے) تو تیرے لئے خدا کی بخشش ہے ورنہ نہیں۔

۳۔ بروایت ابی شیخ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ لَسْتُ عَلٰی كَيْفٍ مِّنْ عِن النَّبِيِّمَا سے مراد ہم ہیں وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللہ الخ میں حبیل اللہ سے مراد بھی ہم ہیں۔

۴۔ جناب رسالتؐ نے مرض موت میں مہاجر و انصار کے مجمع میں ایک خطبہ پڑھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے گروہ مہاجر و انصار اور جملہ حاضرین جو اس جگہ موجود ہیں خواہ جن ہوں یا انسان ان کا فرض ہے کہ غیر موجود لوگوں تک میری بات پہنچا دیں اور وہ یہ کہ میں تم میں اللہ کی کتاب چھوڑے جا رہا ہوں جس میں نور و ہدایت اور فرائض خداوندی کا بیان ہے وہ اللہ کی طرف سے اور میری اور میرے ولی کی طرف سے تم پر محبت ہے اور میں تم میں علم اکبر علم دین اور نور و شمع ہدایت علی بن ابیطالبؑ کو چھوڑے جا رہا ہوں اور یہ ہے حبیل اللہ اس کے بعد وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللہ کی آیت تا آخر تلاوت فرمائی اور فرمایا اے لوگو! جو شخص علیؑ سے محبت و تولی رکھے گا اس نے اللہ کے عہد کو پورا کیا اور جس نے اس کے ساتھ بغض و عداوت کو برتا تو وہ بروز محشر اندھا و میرہ محشور ہوگا اور اس کی کوئی شنید نہ ہوگی۔

۵۔ عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ ہم خدمت نبوی میں موجود تھے کہ ایک اعرابی نے پوچھا حضور! آپ فرماتے ہیں وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللہ الخ ہمیں بتائیے تو سہی وہ کون حبیل اللہ ہے جس سے ہم کو تمسک کا حکم دیا جا رہا ہے تو آپ نے اپنا دست مبارک علیؑ کے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا اس کے ساتھ تمسک پکڑو کیونکہ یہی حبیل اللہ ہے۔

۶۔ بروایت عیاشی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب حبیل اللہ ہیں۔

۷۔ جابر نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی کہ آل محمد ہی حبیل اللہ ہیں جس سے تمسک کا حکم ہے۔

نیز حدیث ثقلین جو فرقین میں تو اتر سے ثابت ہے بلکہ علمائے حدیث سے مروی ہے کہ یہ حدیث جناب رسالتؐ سے پینتیس صحابہ نے روایت کی ہے اور اس کے بعض حوالہ جات بمعہ اصل عبارات مقدمہ تفسیر النوار النجف ص ۹۷ تا ۹۸ میں ہم نے نقل کر دیے ہیں۔ لہذا یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

تفرقہ امت

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالتؐ نے فرمایا: حضرت موسیٰ کی امت کے اکثر فرقے ہوئے جن میں سے ایک ناجی اور ستر ناری تھے اور حضرت عیسیٰ کی امت کے بہتر فرقے ہوئے جن میں سے ایک ناجی اور اکثر ناری تھے۔ **وَإِنَّ أُمَّتِي سَتَفَرَّقُ بَعْدِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً - فِرْقَةٌ مِنْهَا نَاجِيَةٌ وَاثْنَتَانِ وَسَبْعُونَ فِي الشَّارِ** اور میری امت کے بہتر فرقے ہوں گے ان میں سے صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا اور بہتر ناری ہوں گے۔ اسی روایت کو ترمذی ابن ماجہ - ابو داؤد اور حاکم وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ گو الفاظ جدا جدا ہیں لیکن مطلب ایک ہے (میزان)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کے اکثر فرقوں میں سے ایک ناجی تھا اور وہ یقیناً وہی تھا جو حضرت موسیٰ کے بعد حضرت موسیٰ کے دھی حضرت یوشع کی پیروی میں رہا اور جو ان سے انحراف کر کے اپنی خواہشات کی طرف دوڑ کر الگ ہو گئے وہ ناری ہو گئے اور حضرت عیسیٰ کی امت کے بہتر فرقوں سے ناجی صرف وہی تھا جو حضرت عیسیٰ کے بعد حضرت عیسیٰ کے نامزد دھی حضرت شمعون کا پیروکار رہا پس جنہوں نے ان سے علیحدگی اختیار کر کے نئی جماعتوں کی تشکیل کی وہ گمراہ ہو کر ناری ہو گئے اسی طرح حضرت رسالتؐ کی امت کے بہتر فرقوں سے بھی ناجی فرقہ صرف وہی ہو سکتا ہے جو حضرت رسالتؐ کے بعد ان کے نامزد دھی حضرت علی بن ابی طالب کا پیروکار رہے گا اور قرآن مجید نے تفریق کی تردید کر کے صرف جن اللہ سے تسک پکڑنے کا حکم دیا ہے جس کا مصداق ازلے احادیث صرف حضرت علی بن ابی طالب ہی ہیں اور ان کے بعد ان کی محترمت ظاہر ہے اور نیز حدیث ثقلین کے غیر مبہم الفاظ بھی اسی امر کی تائید کرتے ہیں پس یقیناً امت محمدیہ کے بہتر فرقوں میں ناجی فرقہ صرف وہی ہے جو حضرت علی کا پیروکار ہو اور اس کے علاوہ جس قدر فرقے ہونگے ازلے قرآن و حدیث وہ قطعاً ناجی نہیں ہو سکتے (تم تفسیر انوار الجنین جلد دوم میں ص ۱۹ تا ص ۲۱ اس کی مزید وضاحت کر چکے ہیں)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

وَلَتَكُنْ مِمَّنْ أَمَرْتُ الْخَ لِبَعْضِ رَوَايَاتٍ مِّنْ أُمَّةٍ كِي حَبْكَةً أُمَّةٌ ہے جیسا کہ مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اور تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی کہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تمام امت پر واجب ہے؟ تو آپ نے فرمایا: نہیں! پھر سوال کیا گیا کہ یہ کیسے؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ عہدہ اس شخص کا ہے جو صاحب طاقت ہو جس کے حکم کی اطاعت کی جاتی ہو اور معروف اور منکر کا عالم بھی ہر ایسے شخص پر یہ فریضہ عائد نہیں ہوتا جو کمزور ہو اور اسے خود بھی سمجھ نہ ہو کہ کہاں سے کہاں جانا ہے

وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ

اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف دعوت دے نیکی کا امر کریں

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُونُوا

اور برائی سے روکیں اور وہی ہیں صلاح پانے والے اور نہ ہو جاؤ

كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ط

ان لوگوں کی طرح جنہوں نے پارٹی بازی اور اختلاف کیا بعد اس کے کہ ان کے پاس دسیلیں پہنچ چکیں

وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰۵﴾

اور ایسے لوگوں کے لئے بہت بڑا عذاب ہے

اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ یہ امر خاص ہے عام نہیں جس طرح دوسرے مقام پر ارشاد خداوندی ہے۔ وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ يَهْدُوْنَ الذِّكْرَ الخ وہاں یہ نہیں فرمایا کہ علیٰ اُمَّةٍ مُّوسٰی یعنی حضرت موسیٰ کی قوم میں سے بعض مخصوص اور چند آدمیوں کا یہ عہدہ تھا کہ ساری قوم کا اور اُمَّةٌ کا لفظ جس طرح ایک پر اطلاق ہوتا ہے اسی طرح زیادہ پر اطلاق ہوتا ہے چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کو بھی اُمت کہا گیا ہے اور اس زمانہ میں اگر ایک شخص کے پاس نہ قوت ہے نہ قبیلہ اور نہ اس کی بات کی لوگوں میں وقعت ہے تو ایسے شخص پر یہ فریضہ عائد نہ ہوگا پھر آپ سے اس حدیث کا مطلب دریافت کیا گیا کہ جناب رسالتؐ نے فرمایا اِنَّ اَفْضَلَ الْجِهَادِ كَلِمَةٌ عَدْلٍ عِنْدَ اِمَامٍ حَاجٍ اِسْرَہِہٖ ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا بہترین جہاد ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس صورت میں ہے جب اس کی بات قبول کی جاتی ہو اور وہ خود معروف اور منکر کو بھی پہچانتا ہو۔ ورنہ واجب نہ ہو نیز آپ نے فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مورد مومن ہوتا ہے جو نصیحت قبول کرے یا جاہل جو علم حاصل کرے۔ صاحب توارق تازیانہ اس کا عمل نہیں ہوا اگر تفسیر قمی سے منقول ہے کہ حضرت محمدؐ اقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اس آیت کا مصداق آلِ محمدؐ اور ان کے اطاعت گزار ہیں حضرت امیر المومنینؑ منہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ منکر سے روکو اور خود بھی رُک جاؤ کیونکہ روکنے کا حکم روکنے کے بعد ہوتا ہے اور خدا کی لعنت ہے ان لوگوں پر جو دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور خود نہیں کرتے اور لوگوں کو برائی سے روکتے ہیں اور خود نہیں روکتے، بروایت تہذیب جناب رسالتؐ سے مروی ہے کہ لوگ جب تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہیں گے اور نیکی پر ایک دوسرے سے تعاون کرتے رہیں گے تو ان میں خیر و برکت رہے گی ورنہ برکت ختم ہو جائے گی بعض پر بعض مسلط ہوں گے اور زمین و آسمان میں ان کا کوئی ناصر نہ رہے گا۔

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ

(یاد کرو) جس دن سفید ہوں گے، بعض، منہ اور سیاہ ہوں گے (بعض) منہ۔ پس وہ لوگ کہ سیاہ ہوں گے ان کے منہ (انکو کہا جائیگا)

اَكْفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۱۳۷﴾

کیا تم نے کفر کیا بعد ایمان لانے کے؟ لہذا چکھو عذاب کو۔ بوجہ اس کے کہ تم کفر کرتے تھے

وَأَمَّا الَّذِينَ اَبْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۳۸﴾

اور وہ لوگ کہ سفید ہوں گے ان کے چہرے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہونگے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

تِلْكَ اٰيَاتُ اللّٰهِ تَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ وَاَللّٰهُ يُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۳۹﴾

یہ اللہ کی آیات ہیں جن کی ہم آپ پر تلاوت تاتو حق کے کرتے ہیں اور ہمیں خدا ارادہ کرتا ظلم کا جہان والوں پر

وَبِلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاِلٰی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْر ﴿۱۴۰﴾

اور اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں کے اندر ہے اور اللہ کی طرف تمام امور کی بازگشت ہوگی

نیز امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انبیاء کا طریق اور نیک لوگوں کا راستہ ہے اور یہ وہ اہم فریضہ ہے جس سے تمام فرائض کا قیام ہوتا ہے اسی سے مذہب محفوظ رکھ کر حلال، منظم رو اور زمین آباد ہوتی ہے۔ الخیر نیز آپ نے فرمایا کہ حضرت شعیب علیہ السلام پر وحی ہوئی کہ میں تیری قوم کے ایک لاکھ چوبیس ہزار بدکاروں کو بیع سامعہ ہزار نیکیوں کے معذب کرنے والا ہوں؟ آپ نے عرض کی۔ بدکار تو خیر، لیکن نیکیوں کا کیا قصور ہے؟ تو ارشاد ہوا وہ اس لئے کہ یہ ان سے کہہ سکتے تھے اور ان کے فعل سے چشم پوشی کرتے تھے۔

مجمع السببان میں جناب رسالت اکرم سے مروی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا زمین میں اللہ در رسول کا خلیفہ ہوا کرتا ہے نیز فرمایا کہ لوگوں میں سے نیک ترین شخص وہ ہے جو نیکی کا امر کرے اور بُرائی سے روکے۔

ابو دردار سے مروی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کر دے تو خدا تم پر ظالم بادشاہ کو مسلط کر دے گا جو نہ بڑوں کی عزت کرے گا اور نہ چھوٹوں پر رحم کھائے گا اس وقت نیکیوں کی دعا قبول نہ ہوگی۔ مدد طلب کر دے لیکن مدد نہ کئے جاؤ گے۔ فریاد کرو گے لیکن فریاد رسی نہ ہوگی اور استغفار کرو گے تو بخشش نہ ہوگی اور خلیفہ سے مروی ہے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے مومن سے لوگ گدھے کے مُردے کو زیادہ محبوب رکھیں گے۔

أَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ - بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد مطلق کافر ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مراد بدعت ایجاد کرنے والے اور خواہش پرست ہیں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مرتد لوگ ہیں۔ جو اسلام سے پھر گئے۔ جناب رسالتاؐ سے مروی ہے کہ میں بروز محشر حوض کوثر پر کھڑا ہوں گا کہ بعض لوگوں کو دُور کیا جائے گا۔ پس میں کہوں گا کہ یہ تو میرے صحابی ہیں۔ اس وقت جواب ملے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کونسی بدعات کی ہیں یہ لوگ آپ کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔ چنانچہ کتب صحاح اہل سنت سے بھی یہی مروی ہے جیسا کہ ہم نے مقدمہ تفسیر انوار النجف میں باحوالہ نقل کیا ہے ص ۱۵۳، ۱۵۴ وَاَمَّا الَّذِينَ ابْذِثَتْ - تفسیر صانی میں تفسیر قمی سے مروی ہے ابو ذرؓ کہتا ہے کہ رسالتاؐ نے فرمایا کہ میری امت بروز محشر پانچ علم لے کر میرے پاس پہنچے گی۔ پہلا علم میری امت کے گوسالہ کا ہوگا۔ میں اُن سے ثقلین کے متعلق باز پرس کروں گا تو وہ کہیں گے کہ ثقل اکبر کی ہم نے تحریف کی تھی اور اس کو پشت کے پیچھے ڈال دیا تھا اور ثقل اصغر کو اپنی دشمنی و بغض کا نشانہ بنایا تھا اور اس پر ظلم کیا تھا پس میں کہوں گا۔ جاؤ جہنم رو سیاہ اور پیاسے ہو کر۔ پھر فرعون امت کا علم مجھ پر وارد ہوگا۔ ان سے بھی ہیں ثقلین کی بابت سوال کروں گا وہ کہیں گے کہ ثقل اکبر کو ہم نے بدل ڈالا تھا اور اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کی ممانعت کی اور ثقل اصغر سے لڑائی و دشمنی کی تھی تو میں کہوں گا جاؤ رو سیاہ اور پیاسے ہو کر۔ تیسرے نمبر پر میری امت کے سامری کا جھنڈا مجھ پر وارد ہوگا اور میں وہی سوال دہراؤں گا وہ کہیں گے۔ ثقل اکبر کو چھوڑ دیا تھا اور اس کی نافرمانی کی تھی اور ثقل اصغر کو ذلیل و رسوا کیا تھا ان کو بھی میں کہوں گا۔ جاؤ جہنم رو سیاہ ہو کر اور پیاسے ہو کر۔ پھر فوائدیہ کا جھنڈا تمام خوارج کی ہمراہی میں مجھ پر وارد ہوگا اور ان سے بھی وہی سوال کروں گا تو وہ کہیں گے۔ ثقل اکبر کو ہم ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس سے بیزار ہو گئے تھے۔ اور ثقل اصغر سے لڑے تھے اور ان کو قتل کیا تھا پس ان کو بھی کہوں گا جاؤ جہنم رو سیاہ ہو کر اور پیاسے ہو کر۔ سب سے آخر میں امام المتقین، سید الوصیین، یعنی حضرت علی بن ابی طالبؓ کا جھنڈا فضا میں لہراتا ہوا پہنچے گا اور میں وہی سوال دہراؤں گا۔ تو یہ لوگ جواب دیں گے۔ ہم نے ثقل اکبر کی اطاعت کی تھی اور ثقل اصغر سے تولا و محبت کرتے ہوئے اُن کی نصرت کی تھی۔ یہاں تک کہ ہم نے اپنے خون کا آخری قطرہ اُن کی نصرت میں قربان کر دیا تھا۔ پس میں کہوں گا حوض کوثر سے سیراب ہو کر نورانی و سفید چہروں کے ساتھ جنت خلد میں چلے جاؤ۔ اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ

ہو تم (مؤمنوں) بہتر گروہ جو بھیجا گیا لوگوں (کی ہدایت) کے لئے اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو اور بُری باتوں سے

الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ

منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر ایمان لاتے اہل کتاب تو ان کے لئے اچھا ہوتا

مِنْهُمْ الْيُؤْمِنُونَ وَكَثُرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ لَنْ يَضُرَّكُمْ إِلَّا أَذًى

ان میں سے بعض ایمان دار ہیں اور زیادہ فاسق ہیں (میدوی لوگ) ہرگز تمہیں ضرر نہ پہنچا سکیں گے

وَإِنْ يَقَاتِلُوكُمْ يُؤْلَوْكُمْ الْأَذْيَارُ ثُمَّ لَا يَضُرُّونَ ۝

سوائے زانیہ تکلیف کے اور اگر تم سے لڑیں بھی تو پشت دکھا کر جھاگ جائیں گے پھر ان کی کوئی مدد نہ کی جائے گی

رکوع ۳

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ - تفسیر برہان اور تفسیر صافی میں تمہی سے منقول ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام کے سامنے یہ آیت اس طرح پڑھی گئی تو آپ نے فرمایا بہترین اُمت یہی ہے جس نے حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام اور ان کے دونوں فرزندوں کو بے جرم و گناہ شہید کر ڈالا؛ قاری نے دریافت کیا حضور! پھر یہ آیت کس طرح اُتری ہے؟ تو آپ نے فرمایا خَيْرَ أُمَّةٍ کے لفظ سے ازل ہوئی ہے (یعنی تم بہترین امام و ہادی ہو) چنانچہ بعد میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور ایمان باللہ کی صفات سے ان کی مدح فرمائی ہے تفسیر عیاشی سے حضرت علی علیہ السلام کی قرأت میں بھی خَيْرَ أُمَّةٍ منقول ہے نیز حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ آیت جناب رسالتؐ اور اس کے اوصیاء طاہرین کے حق میں ازل ہوئی اور موجودہ قرأت کے اعتبار سے اگر لفظ اُمت بھی ہو تو اس سے عام اُمت ہرگز مراد نہیں لی جاسکتی بلکہ وہ اُمت مراد ہے جو حضرت ابراہیم نے اپنی دُعا میں عرض کی تھی وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً اور وہ صرف حضرت رسالتؐ اور ان کی عترت طاہرہ میں اور غالباً روایات گذشتہ میں خَيْرَ أُمَّةٍ بطور تفسیر و تادیل کے کہا گیا ہے جیسا کہ پہلی روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا تعلیلی بیان اس کا شاہد ہے یعنی خَيْرَ أُمَّةٍ کا مصداق عام اُمت ہرگز نہیں ہو سکتی جنہوں نے اُمتہ طاہرین کے بے گناہ خون میں اپنے ہاتھ رنگے بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قرینہ سے یہاں خَيْرَ أُمَّةٍ سے مراد خَيْرَ أُمَّةٍ ہے اور اُمتِ دُستلی سے بھی یہی لوگ مراد ہیں۔ اس سے پہلے یہ ارشاد گذر چکا ہے کہ تم میں سے ایک ایسا گروہ ہونا چاہیے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے

ضَرَبَتْ عَلَيْهِمُ الدِّلَّةُ أَيْنَ مَا تَقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ

لازم کر دی گئی ان پر ذلت جہاں کہیں وہ پائے جائیں مگر ساتھ عہدہ اللہ کے اور عہدہ

مِّنَ النَّاسِ وَبَاءُ وَبَغَضٍ مِّنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ^ط

مسلمانوں کے (جیکہ ذمی بن جائیں) اور بازگشت ان کی خدا کا غضب ہوگا اور لازم کر دی گئی ان پر یہ خواری

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقِّ

یہ اسی لئے کہ وہ انکار کرتے تھے **آیاتِ خدا کا** اور مار ڈالتے تھے اللہ کے نبیوں کو ناحق

ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿١٣٣﴾ لَيْسَ أَسْوَأَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ

یہ اس لئے کہ وہ نافرمان اور سرکش تھے سب اہل کتاب برابر نہیں اہل کتاب ہی سے

فریضہ کو انجام دینے والا ہو۔ پس اس جگہ خود ہی اس گروہ کی نشاندہی فرمادی اور بوقت نزولِ آیت باقی اکٹھے طاہرین کا موجود نہ ہونا باعثِ حرج نہیں کیونکہ ان کا رئیس حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام موجود تھا اور قرآن چونکہ تاقیامت زندہ ہے لہذا اس کے مصداق کا تاقیامت باقی رہنا ضروری ہے پس ہر زمانہ میں اسی آیت کا مصداق باقی رہا اور اب حضرت حجت علیہ السلام اس کا مصداق موجود اور زندہ ہے
عَجَّلَ اللَّهُ فَرَجَهُ۔

کَنْ يَصْنَعُ وَكُمْ حَتَّ هِيں کہ رؤساء یہود باؤں باؤں میں اسلام لانے والے اہل کتاب کو کہتے تھے اور ان کے سامنے وہ اسلام و بانی اسلام کے حق میں ناشائستہ الفاظ استعمال کرتے تھے پس مسلمانوں کی دجلوئی کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

وَإِنْ يُقَاتِلُواكُمْ - یہ ایک پیشین گوئی ہے جو آنحضرت کی تہرت کی صداقت کی واضح اور روشن دلیل ہے کیونکہ یہودی مدینہ مثلاً بنی قریظہ بنی نضیر اور بنی قینقاع اور یہودی خیر نے مسلمانوں سے چھڑنے کی کوشش کی اور بری طرح رسوا ہوئے۔

لَقَتُلُونِ أَنْبِيَاءَ - تفسیر صافی اور تفسیر برہن میں کافی دہیاشی سے منقول ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ان لوگوں نے ہاتھ اور تلوار سے انبیاء کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ ان کی باتوں کو پھیلا دیا اور ان کے رازوں کو افشاء کیا تھا جس کی وجہ سے وہ گرفتار ہو کر قتل کر دیئے گئے پس قتل، سرکشی اور نافرمانی ان لوگوں کی طرف منسوب ہوئی جنہوں نے اس کا افشاء راز کیا تھا۔ اور قیامت تک کے لئے جو لوگ اس بد عادت کے مرتکب ہوں گے وہ انہی آیات کے مصداق ہونگے پس اگر ان کی باتوں کے اثرات قتل نبی تک پہنچیں تو وہ قاتل نبی ہوں گے اور اگر ان کے افشاء راز کا انجام قتل امام ہو تو قاتل امام ہوں گے اور اگر مومن کے قتل کا سبب بنیں گے تو وہ مومن کے قاتل ہوں گے (خدا تمام مومنین کو اس قسم کی بد عادات سے محفوظ رکھے)

أُمَّةً قَائِمَةً يَتَتَلُونَ آيَاتِ اللَّهِ أَنْاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ﴿١١٣﴾

ایک گروہ ایسا ہے جو (دین پر) ثابت قدم ہے وہ پڑھتے ہیں آیاتِ خدا کو اوقاتِ شب میں درحالیکہ وہ نماز پڑھتے ہیں

يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور قیامت پر اور امر کرتے ہیں نیکیوں کا اور منع کرتے ہیں

الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّٰلِحِينَ ﴿١١٤﴾ وَمَا

برائیوں سے اور جلدی کرتے ہیں امورِ خیر میں اور وہی لوگ صالحین میں سے ہیں اور جو

يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوا ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿١١٥﴾ إِنَّ

بھی کریں کوئی نیکی پس اس کی جزا سے محروم نہ کئے جائیں گے اور اللہ متقین کو خوب جانتا ہے تحقیق

الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ

جو لوگ کافر ہیں ہرگز نہ بے پرواہ کریں گے ان کو اپنے اموال اور نہ اپنی اولاد اللہ (کے عذاب)

اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١٦﴾

سے کچھ بھی اور وہی اصحابِ نار ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے

نماز تہجد کی فضیلت

اِنَّآ اِلَیْہِ لَآئِلِیْ۔۔۔ یہ ان لوگوں کی مدح ہے جو نماز تہجد میں تلاوتِ قرآن مجید کرتے ہیں۔ دانی میں کافی سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ مومن کے لئے تین چیزیں باعثِ فخر ہیں ① آخر شب میں نماز ② لوگوں کے مال سے بے نیاز ہونا ③ ولایتِ امام حق جو اہلبیت سے ہو۔ کتاب تہذیب سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جن گھروں میں نمازِ شب میں تلاوتِ قرآن پاک ہوتی ہے وہ اہل سما کے لئے اس طرح چمکتے ہیں جس طرح اہل زمین کے لئے ستارے چمکتے ہیں۔ نیز آپ سے منقول ہے کہ مومن کا شرف ہے نمازِ شب پڑھنا اور مومن کی عزت ہے لوگوں کی ناموس سے ہاتھ روکنا نیز آپ نے نمازِ شب کی تین خاصیتیں بیان فرمائی ہیں۔ ① چہرہ کو روشن کرتی ہے ② منہ کی بو کو پاکیزہ کرتی ہے ③ رزق کو بڑھاتی ہے اس کے علاوہ متعدد روایات میں ہے کہ

نماز شب وسعت رزق کی موجب ہے۔ جناب رسالتؐ نے ابو ذر کو فرمایا کہ جس کا خاتمہ نماز شب سے ہو اس کے لئے جنت واجب ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے نماز شب کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کے ثواب کی خاطر پورے خلوص کے ساتھ رات کا دسواں حصہ نماز شب پڑھے تو خدا ملائکہ کو حکم فرماتا ہے کہ اس رات میں اگنے والی تمام انگریزوں ہتوں اور درختوں کی تعداد کے برابر اس کے نامہ اعمال میں اس کی حسنات درج کرو۔ اور اگر رات کا نوں حصہ عبادت کرے تو خدا اس کی دعائیں قبول فرماتا ہے اور ہر روز عشر اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور جو شخص رات کا اٹھواں حصہ عبادت میں بسر کرے تو اس کو ایک شہید کا ثواب عطا ہوگا اور اس کو اپنی اہلیت میں شفاعت کا حق دیا جائے گا اور جو شخص رات کا ساتواں حصہ پڑھے تو جب وہ قبر سے محصور ہوگا اس کا منہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوگا اور پر امن پل صراط سے عبور کرے گا اور جو شخص رات کا چھٹا حصہ عبادت میں بسر کرے وہ اولین کی فہرست میں شمار ہوگا اور اس کے گزشتہ گناہ معاف کئے جائیں گے اور جو رات کا پانچواں حصہ عبادت کرے اُسے حضرت ابراہیم خلیل کے بالمقابل قبۃ نور عطا ہوگا اور جو رات کا چوتھائی حصہ عبادت کرے وہ نجات پانے والی پہلی جماعت میں ہوگا اور تیز روا کی طرح پل کو عبور کر جائے گا اور بہشت میں بلا حساب پہنچے گا اور جو شخص تہائی رات عبادت خدا میں مصروف رہے تو اس کی منزلت قرب پر تمام ملائکہ رشک کریں گے اور اسے اختیار دیا جائے گا کہ جنت کے آٹھ دروازوں میں جس دروازہ سے چاہے گزرے اور جو شخص نصف شب عبادت میں گزارے تو اس کو اس قدر ثواب ملے گا کہ ہزار گنا اس زمین سے زیادہ سونا بھی اس جگہ کو پرنہ کر سکے گا اور اولاد اسمعیل میں سے ستر غلاموں کے آزاد کرنے سے بھی اس کا ثواب زیادہ ہوگا اور جو شخص دو تہائی رات عبادت میں بسر کرے تو ریگ صحرا کے دانوں سے اس کی نیکیاں زیادہ ہوں گی اور اس کی ہر نیکی کو اُحد سے دس گنا زیادہ وزنی ہوگی اور جو شخص تمام رات نماز میں تلاوت قرآن کے ساتھ گزارے اور رکوع سجود اور ذکر میں مصروف رہے تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک کیا جائیگا جس طرح نوزائیدہ بچہ اور تمام خلق خدا کے برابر اس کی نیکیاں لکھی جائیں گی اور اسی قدر ہی اس کو درجات عطا ہوں گے اس کی قبر نورانی ہوگی حسد و کینہ اس کے دل سے دُور کیا جائے گا۔ عذاب قبر سے محفوظ ہوگا جہنم سے آزادی کا پروانہ اس کو دیا جائے گا۔ امن اپنے والوں میں مبعوث ہوگا اور خدا فرشتوں سے خطاب فرمائے گا کہ دیکھو میرے اس بندے نے میری رضا مندی کی خاطر رات آنکھوں سے گزار دی پس اس کی جگہ جنت الفردوس میں تیار کر دو جس میں اس کے لئے ایک ہزار شہر ہوں گے کہ ہر شہر میں اس کے لئے تمام وہ سامان موجود ہو جو سرورِ قلب اور خشکیِ چشم کا باعث ہو جو اب تک کسی فرد بشر کے دل میں بھی نہ گذرا ہو اور میرا قرب اور کرامت اس کے علاوہ ہے۔ (وافی)

مسئلہ نماز تہجد کا وقت نصف شب کے بعد شروع ہو کر طلوعِ صبح تک رہتا ہے البتہ بعض معذوریوں کے ماتحت نصف شب سے قبل بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ جن کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

مسئلہ نماز شب کل ۱۱ رکعت ہوتی ہے۔ پہلی آٹھ رکعتیں بنیت نماز تہجد دو، دو رکعت کر کے پڑھے اور پھر دو رکعت نماز شفع اور پھر ایک رکعت نماز وتر پڑھے۔ نماز تہجد میں ہر دو سری رکعت میں قنوت مستحب ہے اور نماز شفع میں قنوت نہیں ہے اور نماز وتر میں قنوت پڑھے جس میں کم از کم چالیس مومنوں کے لئے دعائے مغفرت اور ستر مرتبہ استغفار پڑھے اور تین سو دفعہ

مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ

جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں اس دنیاوی زندگی میں وہ اس طرح (برباد ہے) جیسے ایک ہوا جس میں سخت خشکی ہو پڑ جائے

حَرَّتْ قَوْمٌ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنْفُسُهُمْ

اس قوم کی کھیتی پر جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا پس وہ ہوا اس کو برباد کر دے اور نہیں ظلم کیا ان پر خدا نے بلکہ وہ

يُظْلِمُونَ ﴿١١٦﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ

خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں اسے ایمان والو! نہ بناؤ اپنے ہمبندی دوست سوائے انہوں کے (کیونکہ) وہ ہمیں کوتاہی کرتے تمہاری

خَبَالًا وَذُومًا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي

محرر رسائی میں وہ چاہتے ہیں کہ تم شفقت میں پڑو ان کا بغض و عناد ان کے مونہوں سے ظاہر ہے اور ان کے دلوں

صُدُّوهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١٧﴾ هَآؤُنَا

میں جو معنی ہے وہ اس سے زیادہ ہے ہم نے تمہارے لئے آیات بیان کر دیں اگر تم عقل رکھتے ہو دیکھئے! ہم ان

العفو پڑے۔ یہ مختصر طریقہ ہے نماز تہجد کا اس کی پوری تفصیل اور جملہ ادعیہ کتب اعمال میں موجود ہے۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ۔ اس میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ ۱۔ البوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے بدر و احد میں حضرت

رسالتاب کے مقابلہ میں جو کچھ خرچ کیا تھا۔ ۲۔ حوام یہود جو کچھ اپنے علماء کو بطور رشوت یا خدمت کے دیتے تھے۔ ۳۔ کفار کے

جملہ صدقات و خیرات۔ یہ تمام اس طرح رائیگاں ہیں جس طرح کسی کھیتی کو تند و سرد ہوا برباد کر دے۔ نہ دنیا میں اس کا کچھ فائدہ ان کو مل سکتا

شکست خوردہ ہوئے اور نہ آخرت میں اس کا کچھ فائدہ ان کو ہوگا بلکہ اتنا زیادہ عذاب کے سزاوار ہوں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا۔ مسلمانوں کا ایک گروہ اپنی سابقہ دوستی قربت پڑوس اور قسم کی بنیاد پر یہودیوں سے میل جول

رکھتا تھا اور بعض اوقات ان سے اپنے راز و نیاز بیان کر دیتا تھا پس خدا نے ان کو اپنی اس غلطی سے متنبہ فرمایا اور ان کو اپنا راز و

بنانے سے روکا۔ نیز یہ آیت صرف انہیں لوگوں کے لئے مختص نہیں بلکہ تاقیامت ایمان والوں کو دعوت دی گئی ہے کہ اپنی دوستی

و محبت کو صرف ایمانی بھائیوں تک محدود رکھیں اور غیر مومن سے سلسلہ محبت چھوڑ دیں کیونکہ وہ ظاہراً محبت کا اظہار کرتے ہیں اور دل

میں ان کی ہلاکت کے خواہشمند ہوا کرتے ہیں۔

أُولَٰئِكَ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا الْقُوكُمُ

سے محبت رکھتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے حالانکہ تم ایسا ہی رکھتے ہو تمام کتابوں پر اور جب وہ تم سے ملے ہیں

قَالُوا أَمَنَا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوتُوا

ترکیتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب تنہا ہوتے ہیں تو کاٹتے ہیں تمہارے اوپر اپنی انگلیاں غصے سے فرما دیجئے مر جاؤ

بَغِظِكُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝۱۰۰ إِنَّ تَسْسُكُمُ حَسَنَةً

اپنے غصے کی وجہ سے تحقیق اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی باتوں کو اگر تمہیں چھو جائے کوئی مصلحتی

تَسُوهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا وَإِنْ تُصِبْهُمْ وَاتَّقُوا الْإِثْرَ

تو انہیں بری لگتی ہے اور اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو وہ اسی سے خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ضرر نہ دے گا

وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ ۖ یہاں لفظ کتاب اگرچہ واحد ہے لیکن مراد جمع ہے یعنی کتاب سے یہاں جنس کتاب مراد

ہے یا یہ کہ کتاب مصدر ہے اور مراد تمام کتب آسمانی ہیں مقصد یہ ہے کہ تم تمام کتب سماویہ پر ایمان رکھتے ہو اور وہ لوگ تمہاری کتاب

(قرآن مجید) کو نہیں مانتے پھر باہمی دوستی کیسی؟

إِنَّ تَسْسُكُمُ ۖ یعنی ان کی تمہارے ساتھ قلبی دشمنی اس سے واضح ہے کہ جب تم کو معمولی سا فائدہ بھی حاصل ہو جائے

تو انہیں برا لگتا ہے اور جب تم کسی بلا و مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ تو وہ خوش ہوتے ہیں پہلے مقام پر مساس اور دوسرے مقام پر اصاب

کا استعمال جس باریکی و دقت کی طرف اشارہ ہے اسے صاحبان ذوق خوب سمجھ سکتے ہیں اور یہ معنوی خوبیاں صرف اسی کلام بلاغت

نظام کا ہی حصہ ہیں یعنی اگر کوئی مصلحتی تمہیں معمولی طرح چھو بھی جائے تو ان کو دلی کوفت ہوتی ہے اور دوسری طرف اگر اچھی خاصی تکلیف

پہنچے تو وہ فرحت محسوس کرتے ہیں اور کسی کی کسی کے ساتھ حد درجے کی دشمنی کی علامت بھی یہی ہوا کرتی ہے

وَإِنْ تَصْبِرُوا وَاتَّقُوا ۖ اہل ایمان کو خداوند عالم نے جگہ بہ جگہ صبر و تقویٰ کی تلقین فرمائی ہے اور یہ دونوں چیزیں معرفت

سے حاصل ہوتی ہیں معرفت جس قدر زیادہ ہوتی ہے برداشت کی بہت اسی قدر زیادہ ہوا کرتی ہے اور تقویٰ کی منازل میں بھی اسی

نسبت سے ترقی ہوتی ہے احکام خداوندی پر صبر و سکون اور اطمینان و رضا کے ساتھ عمل پیرا رہنا اور اس معاملہ میں کسی کی طعن و تشنیع

کی پرواہ نہ کرنا صبر ہے اور اللہ کی نافرمانیوں سے دامن بچا کر رہنا اور خواہشات نفس کی اتباع سے گریز کرنا تقویٰ ہے اور درحقیقت صبر و تقویٰ

ایک دوسرے سے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں جب انسان معرفت و دانش اور عمل و کردار سے اس منزل پر فائز ہو جائے تو اس پر کسی کے کرو و فریب کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ کسی کی طعن و تشنیع یا ایذا رسانی اسے اپنی منزل سے ذرہ بھر بھی پیچھے ہٹا سکتی ہے۔

كَيْدُهُمْ شَيْءٌ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿١٠﴾ وَاِذْ غَدَوْتُ مِنْ

تہیں ان کا فریب کچھ بھی تحقیق اللہ احاطہ کرنے والا ہے اس کا ہر کچھ وہ کرتے ہیں اور جب صبح کو آپ گھر سے باہر

اَهْلِكَ تَبَوَّئِ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١١﴾

نکل کر معینہ فرار سے تھے مؤمنوں کے لئے ٹھکانے (ٹرائی) کے اور خدا سنے اور جاننے والا ہے

اِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتٌ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهَا وَعَلَى اللّٰهِ

جب ارادہ کیا تم میں سے دو گروہوں نے کہ ہزول کریں اور خدا ان کا ناصر تھا اور اللہ پر ہی مؤمنوں

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٢﴾

کو توکل کرنی چاہیے

رکوع ۴

جنگِ احد

وَإِذْ غَدَوْتُ - اس کے نزول میں اختلاف ہے لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہی مروی ہے کہ یہ جنگِ احد کے متعلق ہے جیسا کہ تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے۔ جنگِ احد ۳۱ سالہ ہجرت میں پیش آیا۔ واقعہ اس طرح ہے کہ جب قریش کا جنگِ بدر میں بڑی طرح شکست خوردہ ہو کر واپس مکہ میں پہنچے کیونکہ جنگِ بدر میں ان کے ستر سربراہوں اور آدمی قتل ہوئے تھے اور ستر قید ہوئے تھے۔ ابوسفیان نے قریش سے کہا کہ عورتوں کو اپنے مقتولین پر رونے نہ دیا جائے کیونکہ جہاں ایک طرف ہمارے دشمن (محمدؐ) خوش ہوں گے وہاں دوسری طرف رونے اور آنسو بہانے سے غم غلط ہو جائے گا اور دل میں جذبہ انتقام نہ رہے گا پس نبی کائنات اور دیگر اپنے حلیف قبائل عرب سے کافی فوج اور اسلحہ ہتیا کر کے آمادہ جنگِ احد ہوئے چنانچہ پانچ ہزار کا لشکر سے کر نکلتے جہاں تین ہزار سوار اور دو ہزار پیادہ تھے اور عورتوں کو بھی ساتھ لائے تاکہ اپنے مردوں کو جوش دلائیں ابوسفیان اپنے ساتھ ہند بنت عتبہ کو لایا نیز عمرہ بنت علقمہ حارثہ بھی ان کے ساتھ تھی۔ جب جناب رسالتؐ کو اطلاع پہنچی تو آپؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ مجھے بذریعہ وحی خبر پہنچی ہے کہ قریش ایک لشکرِ عظیم لے کر مدینہ پر چڑھائی کر رہے ہیں پس آپؐ نے صحابہ کو جہاد پر آمادہ کیا۔ عبد اللہ بن ابی سلول اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ہمیں مدینہ سے باہر نہ جانا چاہیے بلکہ یہیں اسی گے کیونکہ یہاں رہتے ہوئے ہمارے کمزور آدمی عورتیں۔ غلام اور کنیز میں بھی لگیوں کے موڑ

میں چھتوں پر اپنا بچاؤ کر کے دشمن سے حسب استطاعت لڑ سکیں گے اور ہمارا تجربہ ہے کہ جب کبھی ہم دشمن سے اس طرح لڑے ہیں تو ہم کامیاب ہوئے ہیں اور جب بھی ہم گھروں کو چھوڑ کر لڑنے کے لئے باہر نکلے ہیں تو ہم شکست خوردہ ہوئے ہیں پس سعد بن معاذ اور قبیلہ اوس کے بعض آدمی اٹھے اور عرض گزار ہوئے حضور! جب ہم مشرک تھے اور بت پرست تھے اسی وقت بھی عرب کا کوئی قبیلہ ہم سے لڑنے کی جرأت نہ رکھتا تھا اب جبکہ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر ہے کسی طرح دشمن ہم پر فتح پائی کی توقع رکھتا ہے۔ ہم بزدلی اور کمزوری کا اظہار کیوں کریں بلکہ ہم ضرور باہر نکل کر کھلے میدان میں جان توڑ کر لڑیں گے ہم میں سے جو قتل ہوگا شہید ہوگا اور جو بچ جائے گا مجاہدین میں اس کا نام اپنی رسی کا پس آپ کو یہ مشورہ پسند آیا اور اپنے صحابہ کی جماعت کے ساتھ مکہ کھڑے ہوئے اور لڑائی کے مواقع پر صحابہ کو تعینات فرمایا چنانچہ یہ آیت اسی واقعہ کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

جناب رسالتؐ صحابہ سے مشورہ لینے کے بعد گھر تشریف لے گئے اور ذرہ پہن کر باہر آئے اور فرمایا کسی نبی کے لئے دست نہیں کہ ذرہ پہن کر لڑائی کئے بغیر اسے اُتار دے پس آپ سات سو مجاہدین کے ہمراہ روانہ ہوئے اور عبداللہ ابن ابی بخت کے نہ آیا اور بعض روایات میں ہے کہ آپ ایک ہزار کی جماعت کے ساتھ نکلے لیکن جب مدینہ اور احد کے درمیان ایک مقام پر پہنچے تو عبداللہ بن ابی واپس پلٹ گیا اور اس کے ساتھ ایک تہائی فوج بھی واپس ہو گئی مسلمانوں کے دواغورہ بنو سلمہ قبیلہ خزرج سے اور بنو حارثہ قبیلہ اوس سے جو انصار میں سے تھے انہوں نے بھی عبداللہ بن ابی کی جماعت سے مل کر۔ واپس ہونے کا ارادہ کیا لیکن توفیق خداوندی ان کے شامل حال ہوئی پس وہ ثابت قدم رہ گئے چنانچہ قرآن مجید کی آیت میں انہی کی طرف اشارہ ہے پس جناب رسالتؐ اپنی فوج کے ساتھ کوہ احد کے دامن میں قیام پذیر ہوئے اور فوجی کیمپ کے لئے ایسی جگہ کو منتخب فرمایا جہاں پیچھے سے پہاڑ اور سامنے کی طرف لڑنے کا میدان تھا پہاڑ میں ایک درہ تھا جہاں سے یہ امکان تھا کہ شاید دشمن اس درہ سے آکر پیچھے سے حملہ کر دیں تو وہاں عبداللہ بن جبیرؓ کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ متعین فرمایا اور حکم دیا کہ اگر دشمن (مندانو استہ) غالب آکر ہم کو مدینہ پہنچا دیں یا ہم غلبہ کی صورت میں دشمن کو مکہ پہنچا دیں۔ ہر دو صورت میں جب تک میرا حکم ثانی نہ پہنچے تم لوگ اس درہ پر ثابت قدم رہنا اور اس کو نہ چھوڑنا۔ اس طرف البرسفیان نے خالد بن ولید کو دو سو سپاہیوں کے ساتھ کمین گاہ پر مقرر کیا کہ جب دونوں فوجیں آپس میں ہلکتی ہو جائیں تو تم اس درہ سے گذر کر پیچھے سے حملہ آور ہو جانا۔

حضرت رسالتؐ نے فوج کا علم حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے حوالہ کیا اور لڑائی شروع ہو گئی۔ انصار نے ایک ہی حملہ میں کفار قریش کے دانت کھٹے کر دیئے پس ان میں بھاگتے پڑ گئے تو اصرار صحابہ نے کفار کے اموال میں لوٹ شروع کر دی خالد بن ولید نے درہ سے آنا چاہا لیکن عبداللہ بن جبیرؓ اور اس کے ہمراہیوں نے اس کو پسپا کر دیا۔ جب عبداللہ بن جبیرؓ کے ساتھیوں نے دیکھا کہ کفار بھاگ گئے ہیں اور صحابہ لوٹ کھسوٹ میں شروع ہیں تو انہوں نے عبداللہ بن جبیرؓ سے لوٹ میں شرکت کے لئے اجازت چاہی تو عبداللہ نے جناب رسالتؐ کا فرمان دہرا کر ان کو اس ارادہ سے باز رہنے کی تلقین کی لیکن انہوں نے نہ مانی اور ایک ایک دو دو ہو کر وہاں سے کھسکا شروع کر دیا یہاں تک کہ عبداللہ بن جبیرؓ کے پاس صرف بارہ آدمی رہ گئے۔

جنگ کی صورت یہ تھی کہ قریش کا علم قبیلہ عبدالدار کے ایک شخص طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں تھا (اس کو کبش الکتیبہ کہتے تھے) اس نے میدان میں قدم رکھتے ہی ان الفاظ سے مبارز طلبی شروع کر دی اے محمد! تمہارا عقیدہ ہے کہ ہم میں سے جو تمہارے ہاتھ سے قتل ہو تو وہ دوزخ جاتا ہے اور تمہارا جو بندہ ہم قتل کریں وہ شہید ہوتا اور جنت میں اس کا مقام ہوتا ہے پس تم میں جس کو جنت کی شوق ہو وہ میرے مقابل میں گئے اور جنت میں جائے پس اس طرف سے حضرت امیر علیہ السلام نکلے اور ان اشعار سے رجز خوانی فرمائی

يَا طَلْحَہَ اِنْ کُنْتَ کَمَا تَقُولُ لَکُمْ خِيُولٌ وَّلَکِنَّا نَقُولُ
فَاثْبَتْ لِنَتَّظِرَ اَيُّنَا الْمَقْبُولُ وَاَيُّنَا اَوْلٰی بِمَا تَقُولُ
فَقَدْ اَنَالَکَ الْاَسَدُ الْقَبُولُ بِصَارِمٍ لَّيْسَ لَہٗ فَلَولُ
يَنْظُرُکَ الْقَاهِدُ وَالْوَسُولُ

اے طلحہ اگر تیری بات سچی ہے کہ تمہارے لئے گھوڑے اور ہمارے لئے توار کے پھل ہیں۔ تمہارے ہر دیکھ ہم میں سے کون مقتول ہوگا اور کون تیرے مقولے کا سزاوار ہوگا۔ اب تیرے سامنے شیر جری ہے جس کی قاطع توار کبھی کند نہیں ہوتی جس کی جنگ کا تماشا خدا اور رسول دیکھنے والے ہیں۔

طلحہ نے سوال کیا۔ آپ کون ہیں؟ فرمایا علی بن ابی طالب ہوں تو کہنے لگا اے قاضی۔ مجھے پتہ تھا کہ تیرے سوا میرے مقابلہ کی اور کوئی جرأت نہ کرے گا۔ پس اس نابکار نے وار کیا۔ آپ نے اس کو جرأت سے روک دیا پھر اس پر ایسا وار کیا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا اس کے فی النہار ہونے کے بعد فوج قریش کا علم طلحہ کے بھائی ابوسعید بن ابی طلحہ نے سنبھالا اور وہ بھی ایک جنبش ید اللہ سے لقمہ اجل ہوا پھر اس کے بھائی عثمان بن ابی طلحہ نے علم لیا وہ بھی ایک مرتبہ حیدری سے واصل بہتم ہوا پس مسافع بن ابی طلحہ کی باری آئی وہ بھی چشم زدن میں داروغہ بہتم کے سپرد ہوا پھر حارث بن ابی طلحہ علم لے کر آگے بڑھا تو حضرت علیؑ نے ایک ہی حملہ میں اس کو اپنے باقی مہماتوں کے عقب میں خازن نار کے حوالہ کر دیا پھر یکے بعد دیگرے ابو عزیٰز بن عثمان اور عبداللہ بن جبیلہ بن زہیر علم لے کر آگے بڑھے اور ڈھیر ہو گئے پھر ایک اور شخص نے علم لیا اور آخر میں نویں مرتبہ ارطاة بن شرجیل نے علم پکڑا اور صولت حیدری کا ذائقہ چکھ کر دوزخ کا راستہ لیا۔ جب بنی عبدالدار کے نوچیدہ نشانچی قتل ہو گئے تو ان کے ایک غلام صواب نامی نے علم اٹھایا اور حضرت امیرؑ کے مقابلہ میں کھڑا ہو گیا۔ حضرت امیرؑ نے ایک حملہ سے اس کا دایاں ہاتھ جدا کر دیا۔ اس نے پھرتی سے علم دوسرے ہاتھ میں لیا پس حضرت امیرؑ نے اس کو دوسرے وار سے جدا کر دیا تو اُس نے دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں سے سینے کے سہارے علم کو بند کئے رکھا لیکن اب کی مرتبہ جو حضرت امیرؑ نے اس کے سر پر توار رسید کی تو موت نے اس کو آغوش میں لے کر نہایت اطمینان سے اسے ممی دربان دوزخ کے حوالہ کر دیا پس کفار قریش میں آگے بڑھنے کی ہمت نہ رہی تو انہوں نے میدان سے مبالغہ کی صورت اختیار کی عمرہ بنت علقمہ حارثیہ نے جب علم کو زمین پر پڑا ہوا پایا اور دیکھا کہ قریش کے قدم اکھڑ گئے ہیں تو اُس نے بڑھ کر فوراً علم کو بلند کیا اور قریشیوں کو لعن طعن کر کے واپس آنے اور جنگ کرنے کی دعوت دی۔ اور جب عبداللہ بن جبیر کو چھوڑ کر اس کے ساتھی لوٹ گئے

میں شامل ہوئے تو خالد بن ولید جو ایک غصہ مند شخص تھا اس نے درہ کو خالی دیکھ کر دوسری سمت حملہ کر دیا۔ چنانچہ عبداللہ بن جبیر اپنے بارہ ہزار مسلمانوں سمیت وہیں شہید ہو گیا اور خالد بن ولید نے درہ سے گذر کر پیچھے سے فوج اسلام پر حملہ کر دیا۔ یہ لوگ تو نہایت اطمینان سے لوٹنے میں مشغول تھے انہیں کیا معلوم تھا کہ ابھی کو کوئی ہماری تاک میں بھی ہے۔ اس طرف میدان سے جاتے ہوئے جب کفار قریش نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو علم بلند تھا۔ انہوں نے سمجھا ابھی ہمارا کوئی نشانچہ دیکھ رہا ہے۔ ان کے اگھے قدم جم گئے اور فوج اسلام ہر دو طرف سے محاصروں میں آگئی اب ان کو لوٹ بھی مہول گئی اور میدان سے بھاگنے کی کوششیں چنانچہ پہاڑی جانوروں کی طرح بھاگ کر پہاڑوں پر چڑھتے تھے حضرت رسالت اکرم نے اپنے سر مبارک سے خود کو ہٹا کر آوازیں دیں کہ میں رسول خدا زندہ ہوں تم کدھر جا رہے ہو؟ لیکن پیچھے مڑ کر بھی کسی میں دیکھنے کی جرأت نہ تھی۔

شکر قریش میں ہند بنت عتبہ (مادر معاویہ) یہ پاٹ ادا کر رہی تھی کہ جب بھی کوئی قریشی بزدلی کا اظہار کرتا تھا تو یہ سرمر اور سلائی اس کے پیش کر کے کہتی۔ یہ تو تم سرمر لگا کر گھروں میں پر وہ نشین بن بیٹھو۔ لڑنا مردوں کے لئے ہوا کرتا ہے (گویا تم نامرد ہو) حضرت حمزہ نے اس جنگ میں وہ جو ہر شجاعت دکھائے کہ کفار میں اس کے مقابلہ کی ہمت نہ رہی جب یہ بڑی شیرازہ دار آگے بڑھتا تھا تو کسی کافر کے اس کے سامنے قدم نہ جم سکتے تھے۔ آخر کار ہند نے ایک حبشی کو انعام کا لالچ دیا تاکہ محمد یا علیؑ یا حمزہؑ میں سے کسی ایک کو قتل کر دے وہ حبشی جبیر بن مطعم کا غلام تھا۔ اس نے جواب دیا کہ محمد کو قتل کرنا میرے بس کا روگ نہیں اور علیؑ کا قتل بھی کار سے دارور کیونکہ وہ بھی پوری طرح چوکنے ہو کر نہایت ہوشیاری سے میدان کارزار میں مصروفِ حرب و ضرب ہیں البتہ حضرت حمزہؑ کے لئے کوشش کروں گا۔ چنانچہ یہ چھپ کر ایک مقام پر تاک میں بیٹھا اور جنگ کرتے ہوئے حضرت حمزہؑ جب اس کے پاس سے گذرے تو اتفاقاً ایک غیر ہموار جگہ سے ان کا قدم پھسلا اور وہ گر پڑے پس اس نابکار نے فوراً نیزہ سنبھالا اور اُن کے پہلو مبارک پر اس زور سے مارا کہ وہ پار ہو گیا اور آپ نے جام شہادت نوش فرما کر جانِ جانِ آفرین کے حوالہ کر دی۔ اس ملعون نے ان کا پیٹ چاک کر کے ان کا جگر نکالا اور ہند کو بطور ہدیہ پیش کیا چنانچہ اس ملعون نے اس کو اپنے حسد کی آگ ٹھنڈا کرنے کی خاطر اپنے منہ میں چبایا بقدرتِ خدا وہ پتھر کی طرح سخت ہو گیا پس اس نے اس کو منہ سے نکال کر پھینک دیا جناب رسالت اکرمؐ نے فرمایا کہ ملائکہ نے اسے حضرت حمزہؑ کے جسم میں اپنے اصلی مقام پر رکھ دیا اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے فرمایا یہ کیونکر ممکن تھا کہ حمزہؑ کا کوئی حصہ نار میں جاتا؟ پس ہند خود آئی اور اس نے حضرت حمزہؑ کے ناک کان وغیرہ کاٹ ڈالے اور لاش کا اس طرح مثلہ کیا کہ وہ دیکھنے کے قابل نہ رہی حضرت رسولؐ لاش پر بہت روئے۔

متفق علیہ روایات کے ماتحت جناب رسالت اکرمؐ کے پاس سوائے ابو دجانہ انصاری اور حضرت امیر علیہ السلام کے اور کوئی نہ رہا اور عینِ بروایتِ قمری۔ نسیم بنت کعب مازنیہ بھی جناب رسالت اکرمؐ کے پاس ثابت قدم رہی یہ ہمیشہ جنگوں میں آنحضرتؐ کے ساتھ زخمیوں کے علاج کے لئے حاضر ہو کر تھی اس دفعہ اس کا بیٹا بھی حاضر تھا جب اس نے بھاگنا چاہا تو ماں نے اسے لعن ملعون کر کے بھاگنے سے روک لیا چنانچہ وہ ثابت قدم رہا اور بالآخر شہید ہو گیا اس نیک نصیب عورت نے اپنے بیٹے کی توار لے

کر حملہ کیا اور ایک کافر کو تہ تیغ کر ڈالا۔ جناب رسالتؐ نے اس کے لئے خیر و برکت کی دعا کی پس اس نے پروانہ وار آنحضرتؐ کے جسم کی حفاظت کی اور اس سلسلہ میں اپنے جسم پر کافی زخم برداشت کئے اس نے آنحضرتؐ کے کہنے پر ایک ڈھال اٹھا کر مردانہ دل جہاد کر کے حضورؐ کی حفاظت کا فریضہ بھی ادا کیا۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ فلاں و فلاں بھاگنے والوں سے تو نسبہ کا درجہ افضل ہے۔

حضرت امیر علیؓ السلام کی یہ حالت تھی کہ جب بھی کوئی گروہ جناب رسالتؐ پر حملہ آور ہوتا تھا تو حضرت علیؓ ان کو اپنی جرات و شجاعت سے پسپا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ تلوار شکستہ ہو گئی پس حضرت رسالتؐ نے ان کو ذوالفقار عنایت فرمائی۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت نے درخت خرمائی کی خشک شاخ توڑ کر دی جو تلوار ابدار بن گئی اور بروایت حضرت صادق علیہ السلام جبریلؑ آسمان و زمین کے درمیان سنہری کرسی پر بیٹھ کر یہ کہہ رہے (لَا سَيْفَ إِلَّا ذُو الْفَقَارِ لَا فَتْحَ إِلَّا عَلَيَّ) اور حضرت رسالتؐ سے یہ کہہ رہے تھے کہ حضور! جہر دی و وفاداری اسی کا نام ہے جو علیؓ سے ظاہر ہے تو آپؐ نے فرمایا اِخْتِمْ بِيْ وَ اَنَا مِنْهُ يَوْمَ نَجْمُ سے ہے اور میں اس سے ہوں پس جبریلؑ نے جواب دیا میں تم دونوں میں سے ہوں اس جنگ میں حضرت علیؓ کے جسم مبارک میں باختلاف روایات ستریا نوتے زخم لگے جو سب کے سب سامنے کی طرف تھے۔

مورخین نے ذکر کیا ہے کہ کفار قریش ستر ماہ شوال بروز بدھ احد میں اترے تھے اور جناب رسالتؐ نے اپنی فوج کے ساتھ بروز جمعہ اور بعد از نماز جمعہ نزد دل اجماع فرمایا تھا اور یہ ڈرائی بروز سنہر واقع ہوئی تھی جبکہ چاند کی پندھوئی تھی (میزان) اور بعض روایات میں چاند کی ساتویں منقول ہے (دعوتہ ساکبہ)

عمر بن قیس جو دل سے اسلام کی صداقت کا قائل تھا ابھی تک اس نے ظاہری طور پر اقرار شہادتین نہیں کیا تھا۔ جب اس نے سنا کہ حضرت رسالتؐ خود بنفس نفیس ڈھال تلوار لے کر مصروف جہاد میں شیر غضبناک کی طرح آگے بڑھا اور کلمہ شہادتین زبان پر جاری کر کے بحر جنگ میں غوطہ زن ہوا اور جام شہادت نوش فرما کر داخل جنت ہوا ابھی تک اس میں رمتی جان باقی تھی کہ ایک انفاری کا پاس سے گذر ہوا۔ اس نے پوچھا کیا تو اکابائی دین پر باقی ہے؟ اس نیک بخت نے جواب دیا نہیں بلکہ میں توحید و رسالت کی شہادت کا اقرار کر چکا ہوں پھر وہ جاں بحق ہو گیا۔ جب حضورؐ اس سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ بے شک وہ مسلمان ہو کر شہید ہوئے اور میری وہ ایک شخص ہے جس نے نماز کی ایک رکعت تک نہیں پڑھی اور مرکز جنت میں پہنچا ہے (برہان - مجمع البیان)

حضرت حنظلہ نے اسی رات عبداللہ بن ابی سلول کی لڑکی سے شادی کی تھی اور شب بامشی کے لئے حضورؐ سے اجازت طلب کی تھی چنانچہ سورہ نور کی آیت اِشْهَادُ الْمُؤْمِنُونَ الخ اسی کے متعلق اتری ہے پس آپؐ نے اس کو اجازت دی چنانچہ رات کو وہ اپنی عروس سے ہمبستر ہو کر صبح سویرے حالت جناب سے جنگ میں حاضر ہو گیا اور بالآخر شہید ہوا جناب رسالتؐ نے فرمایا میں نے دیکھا ہے کہ ملائکہ آسمان و زمین کے درمیان اس کو غسل دے رہے ہیں چنانچہ اس کے بعد سے اس کو غسل ملائکہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس جنگ میں عتبہ بن ابی وقاصؓ نے حضورؐ کے دانت مبارک کو شہید کیا اور چہرہ انور کو بھی زخمی کیا۔ ابن قتیہ نے آپؐ پر حملہ کیا اور پھر یہ آواز بلند کی کہ لات دعویٰ کی قسم میں نے محمدؐ کو قتل کر ڈالا ہے اور ابلیس ملعون نے بھی اعلان کیا کہ محمدؐ مارا گیا۔

چنانچہ جب یہ خبر مدینہ میں پہنچی تو مخدومہ کائنات حضرت فاطمہ زہرا پریشان حال تشریف لائیں اور اپنے باپ کا خون آلود چہرہ دیکھ کر بہت روئیں اور آنحضرت نے ان کو تسلی دی۔ بنا بر مشہور حضرت حمزہؓ کی لاش پر پہنچیں اور جناب رسالتؐ نے ان کو تسلی دی۔

ومعہ ساکنہ میں بجا رالافوار سے مروی ہے کہ اس روز ہاتھ سے حضرت رسالتؐ کو یہ ندا پہنچی۔

نَادِ عَلِيًّا مَطَهَرَ الْعَجَائِبِ تَجِدُكَ عَوْنًا لَكَ فِي التَّوَائِبِ

كُلُّ هَمٍّ وَغَمٍّ سَيَنْجَلِي يَوْلَايَتِكَ يَا عَلِيَّ يَا عَلِيَّ

طوائف منتم ہونے کے بعد حضرت رسالتؐ نے سعد بن ربیع کے متعلق پوچھا اور فرمایا کہ میں نے اس پر بارہ نیزے پڑتے دیکھے چنانچہ ایک شخص اس کی تلاش میں نکلا تو دیکھا کہ مقتولین میں زخمی پڑا ہوا ہے اور اس میں رقی جان باقی ہے اس نے اس کو آواز دی لیکن جواب نہ ملا پھر آواز دی کہ رسول اللہ تجھے یاد کر رہے ہیں پس اس نے سر بلند کیا اور خوشی کے مارے اس کے جسم میں تڑپ پیدا ہوئی پھر پوچھا کیا رسول خدا زندہ ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں زندہ ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے سعد پر بارہ نیزے پڑتے دیکھے ہیں۔ سعد نے جواب دیا الحمد للہ بے شک رسولؐ کی زبان سچی ہے اور مجھے بارہ نیزے لگے ہیں کہ ہر ایک ان میں سے میرے لئے پیغام موت تھا میری قوم انصار کو میرا سلام کہنا اور یہ پیغام پہنچا دینا کہ تمہاری نگہوں کے سامنے اگر رسول خدا کو ایک کانٹا کی بھی تکلیف پہنچی تو تمہارا خدا کے سامنے کوئی عذر بھی مسوع نہ ہوگا پس یہ کہہ کر اس نے سداہ کھینچی اور اس کا رکا ہوا خون ایک مرتبہ ہوش مار کر نکلا اور اس نے جان جان آفرین کے حوالہ کی جب رسالتؐ کو اطلاع پہنچی تو آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی کہ خدا سعد پر رحم کرے جس نے زندگی میں ہماری نصرت کی اور مرتے ہوئے بھی ہمارے متعلق وصیت کر گیا۔ (دمعہ)

www.sirajul-ilm.com

مکتبہ المدینہ

لاہور

۱۴۲۸ھ

۲۰۰۷ء

شہدائے اُحد کی فہرست

اس جنگ میں ستر مسلمان شہید ہوئے جن کے نام ذیل میں درج ہیں بروایت مجمع البیان کفار کی طرف سے ۱۸ آدمی قتل ہوئے (تفسیر آیت لَيَقْطَعَنَّ) (۱۰)

۱۔ حضرت حمزہ بن عبد المطلب	۲۱۔ ابو سفیان بن حارث	۴۱۔ خاریجہ بن زید	۶۱۔ سلیم بن عمرو
۲۔ عبداللہ بن جحش	۲۲۔ خنظلہ بن عامر (غیل ملائم)	۴۲۔ سعد بن ربیع	۶۲۔ عنترہ
۳۔ مصعب بن عمیر	۲۳۔ انیس بن قنادہ	۴۳۔ اوس بن ارقم	۶۳۔ سہیل بن قیس
۴۔ شامش بن عثمان	۲۴۔ ابو حنیفہ بن عمرو	۴۴۔ مالک بن سنان	۶۴۔ ذکوان بن عبد قیس
۵۔ عمرو بن معاذ	۲۵۔ عبداللہ بن جبیر	۴۵۔ سعید بن سوید	۶۵۔ عبید بن معلی
۶۔ حارث بن انس	۲۶۔ ابو سعد خثیمہ بن خثیمہ	۴۶۔ عتبہ بن ربیع	۶۶۔ مالک بن تمیلہ
۷۔ عمارہ بن زیاد	۲۷۔ عبداللہ بن سلمہ	۴۷۔ ثعلبہ بن سعد	۶۷۔ حارث بن عدی
۸۔ سلمہ بن ثابت	۲۸۔ سلیم بن حاطب	۴۸۔ ثقف بن فردہ	۶۸۔ مالک بن ایاس
۹۔ عمرو بن ثابت	۲۹۔ عمرو بن قیس	۴۹۔ عبداللہ بن عمرو	۶۹۔ ایاس بن عدی
۱۰۔ ثابت بن دقش	۳۰۔ قیس بن عمرو	۵۰۔ ضمہ	۷۰۔ عمرو بن ایاس
۱۱۔ رفاعہ بن وقش	۳۱۔ ثابت بن عمرو	۵۱۔ نوفل بن عبداللہ	
۱۲۔ حیل بن جابر (ابو ذلیفہ یانی)	۳۲۔ عامر بن خلد	۵۲۔ عباس بن عبادہ	یہ ستر آدمی ہیں بنا بروایت
۱۳۔ صفی بن قیس	۳۳۔ ابو سیرہ بن حارث	۵۳۔ نعمان بن مالک	ابن ہشام جو سیرت نبی
۱۴۔ حباب بن قیس	۳۴۔ عمرو بن مظرف	۵۴۔ مجذوب بن زیادہ	میں اس نے شمار کئے ہیں۔
۱۵۔ عباد بن سہل	۳۵۔ اوس بن ثابت	۵۵۔ عبادہ بن حساس	(میزان)
۱۶۔ حارث بن اوس	۳۶۔ انس بن نصر	۵۶۔ رفاعہ بن عمرو	ان میں پہلے چار مہاجر ہیں
۱۷۔ ایاس بن اوس	۳۷۔ قیس بن مخلد	۵۷۔ عبداللہ بن عمرو	اور باقی سب کے سب
۱۸۔ عبید بن تیہان	۳۸۔ کیسان	۵۸۔ عمرو بن جوح	انصار میں سے ہیں۔
۱۹۔ حبیب بن یزید	۳۹۔ سلیم بن حارث	۵۹۔ خلاد بن عمرو بن جوح	
۲۰۔ یزید بن حاطب	۴۰۔ نعمان بن عبد عمرو	۶۰۔ ابوالین	

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُشْكُرُونَ ﴿۱۲۳﴾

اور تحقیق تمہاری اللہ نے مدد کی بدر میں جبکہ تم کمزور تھے پس اللہ سے ڈرو تاکہ شکر گزار بنو

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُبَدِّلَكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ أَلْفٍ مِّنْ

جب آپ مومنوں کو فرما رہے تھے کیا تمہیں کافی نہیں کہ مدد کرے تمہاری تمہارا رب ساتھ تین ہزار

الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ ﴿۱۲۴﴾ بَلَىٰ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّنْ

فرشتوں کے جو اتارے گئے ہاں اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور آجائیں تم پر (دشمن)

فَوْرِهِمْ هَذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ أَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ

اسی جلدی سے (یا اسی غصہ سے) تو مدد کرے گا تمہاری تمہارا رب ساتھ پانچ ہزار فرشتوں کے جو اپنے کو علامت

مُسَوِّمِينَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ

لگائے ہوئے ہوں گے اور ایسا نہیں کیا تھا اللہ نے مگر تمہیں خوش کرنے کے لئے اور تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل اس سے

وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿۱۲۶﴾

اور نصرت نہیں ہوتی مگر اللہ کی طرف سے جو غالب حکمت والا ہے

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ ۖ جَنگِ احد میں مسلمانوں پر اپنے احسان کا ذکر کر کے بطور تذکرہ کے جنگِ بدر کے احسان کو دہرایا۔ تاکہ مسلمانوں کے قلوب مضبوط ہوں۔ فرماتا ہے کہ جنگِ احد کے موقع پر بزدلی کا اظہار کرنے والے دو گروہوں کو جس طرح خدا نے ثابت قدمی کی توفیق مرحمت فرمائی پس مومنوں کو اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے اس نے اس سے پہلے جنگِ بدر کے موقع پر بھی تو مسلمانوں کی مدد کی تھی جبکہ یہ تعداد میں بہت کم اور قوتِ حرب میں کفار کی بہ نسبت بہت کمزور تھے۔ جنگِ بدر میں ۷۰۰ مہاجر اور ۱۲۶۰ انصار تھے جن کی کل تعداد ۲۰۳۰ تھی اور اس طرف کفار کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی۔ اس دن بھی علمِ جناب امیر علیہ السلام کے ہاتھ میں اور انصار کے علمبردار جناب سعد بن عبادہ یا بردایت سعد بن معاذ تھے۔

مِنْ فَوْرِهِمْ - فور کا معنی جوش و غضب بھی ہے اور اس کا معنی جلدی بھی ہے پہلے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ چونکہ جنگِ بدر میں کفار کو بری طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ لہذا ان میں جذبہ انتقام تھا اور پوری تیاری کر کے لڑائی پر

آما وہ تھے تو خدا فرماتا ہے کہ جس طرح میں نے تین ہزار فرشتوں سے جنگ بدر میں تمہاری مدد کی تھی۔ اگر تم ثابت قدم رہو اور رسولؐ کی نافرمانی سے بچو تو بے شک وہ جوش و غفٹہ لے کر آجائیں۔ میں پانچ ہزار فرشتے بھیج کر تمہاری مدد کروں گا اور دوسرے معنی کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ جب کفار قریش جنگ احد سے واپس ہوئے تو راستہ میں پشیمان ہوئے کہ کاش! مدینہ پر لوٹ و غارت کی ہوتی چنانچہ انہوں نے واپس پلٹنے کا عزم کر لیا۔ ادھر جناب رسالتؐ کو بذریعہ وحی اطلاع پہنچی تو آپؐ نے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا اور فرمایا کہ اگر تم کو زخم پہنچے ہیں تو وہ لوگ بھی تمہاری طرح زخمی ہیں لہذا گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں اور فرمایا اگر تم ثابت قدم رہو گے تو خدا تمہاری پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ نصرت فرمائے گا پس مسلمان تیار ہو کر نکلے ادھر کسی نے کفار قریش کو مسلمانوں کے خروج کی اطلاع دے دی تو اب کفار گھبرائے کہ ممکن ہے مسلمانوں کے ساتھ دوسرے تازہ دم لوگ بھی شامل ہوں اور ہم پر غلبہ حاصل کر لیں پس مکہ کی طرف انہوں نے تیز رفتاری سے سفر کیا اور مدینہ کی طرف دوبارہ رجوع کی جرات نہ کی (مجمع البیان)

مُسَوِّمَاتٌ - حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جنگ بدر میں ملائکہ کی علامت یہ تھی کہ ان کے علمائے سفید تھے اور انہوں نے ایک کنارہ علمائے کا پیچھے دو ٹوں کندھوں کے درمیان لٹکایا ہوا تھا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ اہل گھوڑوں پر سوار تھے اور ان کے علمائے زرد رنگ کے تھے (مجمع) ایک روایت میں ہے کہ نازل ہونے والے فرشتے حضرت علیؑ کی صورت میں خدا نے بھیجے تھے۔

وہ غزوات جن میں حضرت رسالتؐ بنفس نفیس شریک تھے وہ یہ ہیں ① غزوہ ابلا ② غزوہ بواط ③ غزوہ عثیرہ ④ غزوہ بدر صغریٰ ⑤ غزوہ بدر کبریٰ ⑥

غزوات نبوی کی فہرست

غزوہ بنی سلیم ⑦ غزوہ سولی ⑧ غزوہ ذی امر ⑨ غزوہ اُحد ⑩ غزوہ حراء الاسد ⑪ غزوہ بنی نضیر ⑫ غزوہ ذات الرقاع ⑬ غزوہ بدر اخوی ⑭ غزوہ دومتہ الجندل ⑮ غزوہ خندق ⑯ غزوہ بنی قریظہ ⑰ غزوہ بنی لحیان ⑱ غزوہ بنی قریظہ ⑲ غزوہ بنی مصطلق ⑳ غزوہ حدیبیہ ㉑ غزوہ خیبر ㉒ غزوہ فتح مکہ ㉓ غزوہ حنین ㉔ غزوہ طائف ㉕ غزوہ تبوک۔

ان غزوات میں سے چند غزوات میں آنحضرتؐ خود بنفس نفیس لڑائی میں شریک ہوئے اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ غزوہ بدر کبریٰ جو بروز جمعہ ۱۲ رمضان ۳ھ کو پیش آیا تھا ۲۔ غزوہ اُحد جو شوال ۳ھ کو ہوا ۳۔ غزوہ خندق ۴۔ غزوہ بنی قریظہ شوال ۴ھ میں ہوئے ۵۔ غزوہ بنی مصطلق ۶۔ غزوہ بنی لحیان (شعبان ۵ھ) ۷۔ غزوہ خیبر ۸۔ غزوہ فتح مکہ (رمضان ۸ھ) ۹۔ غزوہ حنین ۱۰۔ غزوہ طائف (شوال ۸ھ) ان کے علاوہ چھوٹی جنگیں جن میں فوجی دستے بھیجے گئے ان کی تعداد ۲۶ بتلائی گئی ہے جو کتب تاریخ میں درج ہیں۔ (از مجمع البیان)

لَيَقْطَعَنَّ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ ﴿١٢٤﴾

تاکہ کاٹ ڈالے ایک حصہ ان لوگوں سے جو کافر ہیں یا ان کو رسوا کرے پس پلٹ جائیں ناکام ہو کر

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١٢٥﴾

نہیں آپ کو اس معاملہ میں کوئی دخل یا ان کی توبہ قبول کرے یا ان کو عذاب دے کیونکہ وہ ظالم ہیں

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَن يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَّشَاءُ

اور اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے وہ بخشے جسے چاہے اور عذاب دے

يَّشَاءُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٦﴾

جسے چاہے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے

لَيَقْطَعَنَّ طَرَفًا۔ ماقبل کے ساتھ اس کے اتصال کے متعلق چند اقوال ہیں۔ ۱۔ اس کے پہلے ملائکہ کے ذریعے نصرت کا ذکر تھا تو یہاں نَصَرَ فعل محذوف سے لام متعلق ہوگا یعنی نَصَرَ كُمْ لَيَقْطَعَنَّ الخ اللہ نے تمہاری نصرت کا یہ انتظام فرمایا تاکہ کفار کا ایک حصہ کاٹ لے جیسا کہ جنگ بدر میں صنادید قریش میں سے ستر آدمی قتل اور ستر آدمی قید کر لئے گئے تھے ۲۔ فعل محذوف ماننے کی ضرورت ہی نہیں بلکہ پچھلی آیت میں ہو فعل نَصَرَ كُمْ آچکا ہے اسی سے اس کا تعلق ہے اور معنی وہی ہوگا جو کیا گیا ہے ۳۔ بعض مبتدا محذوف مانتے ہیں یعنی ذٰلِكَ الشَّيْءُ لَيَقْطَعَنَّ الخ طرف کا معنی کناہ ہوتا ہے یہاں طرف اس لئے استعمال کیا گیا ہے اور وسطاً نہیں کہا گیا کیونکہ لڑائی طرف سے شروع ہو کر ہی وسط تک پہنچتی ہے جس طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَكُونُ نَكَبٌ مِّنَ الْكُفَّارِ لَوْ كُفَرُوا مِن سِوَاكَ لَيَقْطَعَنَّ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتُهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١٢٤﴾ اس کا تعلق بھی چند اقوال ہیں۔ ۱۔ یہ نصرت اللہ کی ہی جانب سے تھی اس میں تمہارا یا کسی اور کا کوئی دخل نہیں تھا ۲۔ اس فقرہ کو جملہ معترضہ قرار دیا جائے اور آیت کا اتصال اس طرح ہو کہ خدا چاہے تو ان کا قتل قید سے ایک حصہ مار دے یا ان کو ذلیل و رسوا کر کے ناکام واپس پٹا دے یا ان کو توبہ کی توفیق دے کر ان کی توبہ مقبول کرے یا ان پر بوجہ ظلم کے عذاب نازل کرے یہ سب کچھ اس کے اختیار میں ہے ان باتوں میں آپ کو دخل نہیں ہے۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ۔ الخ اس میں دو احتمال بیان کئے گئے ہیں۔ ۱۔ یہ نصرت اللہ کی ہی جانب سے تھی اس میں تمہارا یا کسی اور کا کوئی دخل نہیں تھا ۲۔ اس فقرہ کو جملہ معترضہ قرار دیا جائے اور آیت کا اتصال اس طرح ہو کہ خدا چاہے تو ان کا قتل قید سے ایک حصہ مار دے یا ان کو ذلیل و رسوا کر کے ناکام واپس پٹا دے یا ان کو توبہ کی توفیق دے کر ان کی توبہ مقبول کرے یا ان پر بوجہ ظلم کے عذاب نازل کرے یہ سب کچھ اس کے اختیار میں ہے ان باتوں میں آپ کو دخل نہیں ہے۔

اس کے متعلق بھی چند اقوال ہیں۔ ۱۔ جنگ اُحد میں جب آپ کا دانت مبارک شہید ہوا اور منہ سے خون جاری ہوا تو فرمایا وہ قوم کس طرح نلاج کی امید رکھ سکتی ہے جس نے اپنے نبی سے یہ سلوک کیا جبکہ ان کو نبی اپنے

شانِ نزول

رب کی طرف ہی دعوت دیتا ہے پس ارشاد ہوا کہ آپ کا کام ہے تبلیغ رسالت اور دین خدا کی ترقی کیلئے جہاد کرنا۔ ایمان کی فلاح یا عذاب کا قصہ تو وہ میرے اختیار میں ہے آپ کا اس میں دخل نہیں۔ عتبہ بن ابی وقاص نے ہی آپ کا دانت شہید کیا تھا اور منہ مبارک کو زخمی کیا تھا چنانچہ وہ اسی سال میں آپ کی بددعا سے کافر ہو کر مر گیا۔ نیز آپ کے حرم انور پر عبداللہ بن قیسہ ہمدانی نے زخم لگایا تھا آپ کی بددعا سے اس کا انجام یہ ہوا کہ ایک جنگلی حیوان نے اسے قتل کر دیا۔ ۲۔ جب مسلمان جنگ اُمد میں فراری ہوئے تو بعض کہتے ہیں کہ آپ نے ان پر بددعا کا ارادہ کیا تو یہ آیت اتری ۳۔ کہتے ہیں جب آپ نے جنگ اُمد میں مسلمانوں کا بے دردی سے قتل دیکھا اور حضرت حمزہ کی لاش کا مشہد ملاحظہ فرمایا تو حضرت کو بہت رنج ہوا اور دکھ ہوا فرمایا ہماری باری آئے گی تو ہم ان کے ساتھ اس سے بڑھ کر کریں گے پس یہ آیت اتری۔ ۴۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت بیر معونہ پر شہید ہونے والے صحابہ کے بارے میں اُتری کہ جنگ اُمد کے پورے چار ماہ بعد ماہ صفر ۳۳ھ کو حضرت رسالتؐ نے منذر بن عمرو کی سرکردگی میں ستر قاری قرآن بیر معونہ والوں کو تعلیم قرآن کیلئے روانہ فرمائے تو عامر بن طفیل نے موقع پا کر ان سب کو شہید کر ڈالا جناب رسالتؐ کو جب خبر پہنچی تو آپ کو بہت رنج ہوا اور ایک ماہ تک ان کا سوگ منایا۔ تب بطور تسلی کے خدا نے یہ آیت بھیجی کہ آپ اس معاملہ میں اس قدر رنجیدہ خاطر نہ ہوں سب کچھ میرے اختیار میں ہے میں جو چاہوں کروں اگر چاہوں تو ان کو عذاب میں مبتلا کر دوں اور اگر چاہوں تو ان کو توفیق تو بہ دے کر ان کی توبہ قبول کروں آپ سلسلہ تبلیغ کو جاری رکھیں اور پھر فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی ملکیت ہے وہ اس میں ہر قسم کے تصرف کا سزاوار ہے خواہ وہ کسی کو بخش دے یا کسی کو عذاب دے شہداء بیر معونہ کا واقعہ رکوع نمبر ۸ کی تفسیر میں ص ۸۱ پر مکمل آئے گا۔

میان تک عام اقوال آیت مجیدہ کے شان نزول کے متعلق بیان کئے گئے ہیں جو صاحب مجمع البیان نے ذکر کئے ہیں لیکن اختصار میں مفید سے تفسیر برہان میں بروایت جابر بن یزید امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالتؐ حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کے معاملہ میں پریشان تھے۔ نیز تفسیر عباسی سے منقول ہے کہ جابر نے حضرت باقر علیہ السلام سے اس آیت مجیدہ کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جس طرف تو جا رہا ہے وہ بات نہیں بلکہ بات مجھے کہ خدا نے آنحضرت کو ولایت علی کے اظہار کا حکم دیا تو آپ نے لوگوں کی دشمنی کا فکر کیا اور چونکہ حضرت علیؑ باقی لوگوں سے اپنے فضائل مجیدہ میں متاثر تھے۔ مثلاً اسلام میں اولیٰ معرفت خدا اور رسول میں البصر دشمنان دین کو قتل کرنے میں اقدم مخالفین خدا اور رسول پر اشد۔ علوم قرآنیہ و شرعیہ میں اعلم اور بے انتہا مناقب و فضائل میں سب سے اشرف تھے لہذا ان ہی کمالات کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں بغض و حسد اور عداوت تھی۔ پس رسول خدا کو فکر لاحق ہوئی تب یہ آیت اُتری اور ارشاد ہوا کہ آپ کا کام ہے تبلیغ رسالت باقی باتوں کی آپ فکر نہ کریں اور نہ آپ کو اس معاملہ میں دخل دینے کی ضرورت ہے آپ اپنا کام کریں اور بس۔

يَخْفِضُ مَلَكًا يَشَاءُ۔ اس آیت میں خدا نے فرمایا ہے کہ مغفرت اور عذاب اس کی مشیت کے تابع ہیں یعنی جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے تاکہ کوئی شخص اپنے اعمال کے غرور سے اس کے عذاب سے نڈر بھی نہ ہو جائے اور نہ کوئی شخص اس کی رحمت کی امید سے گناہوں میں لاپرواہ ہو کر سرکش ہو اور دوسری طرف کوئی اس کی گرفت و عذاب کے ڈر سے اس

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ

اسے ایمان والو نہ کھاؤ سود دگنے پر دگنا (سود در سود) اور اللہ سے

لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۱۳۱﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ

ڈرو تاکہ نجات پاؤ اور ڈرو آگ سے جو تیار کی گئی کافروں کے لئے اور اطاعت کرو

کی رحمت سے مایوس بھی نہ ہو جائے اور گناہوں کی زیادتی دیکھ کر بخشش سے ناامید بھی نہ ہو بلکہ جہاں ایک طرف اس کی رحمت و مغفرت کی امید ہو وہاں دوسری طرف اس کے عذاب کا ڈر بھی ہو نہ اعمال پر غور رکھائے اور نہ گناہوں کی بخشش سے مایوس ہو اسی بنا پر حضرت صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ لَوْ وَدِدْتُ رِجَاءَ الْمُؤْمِنِينَ وَخَوْفَهُ لَا أَتَّخِذُ لَا۔ اگر مومن کی رجا اور خوف کو وزن کیا جائے تو دونو برابر ہونے چاہئیں (مجمع) حضرت امیر نے ہمام کے سامنے جو متقیین کے اوصاف بیان فرمائے ہیں ان کا بھی یہی مطلب ہے۔

سوال :- جب خدا نے بخشش اور عذاب کو اپنی مشیت کے تابع کیا ہے تو پھر اعمال صالح یا اعمال بد کو تو بخشش و عذاب میں کوئی دخل ہی نہیں لہذا نیک عمل کرنے کا فائدہ اور بد اعمال سے بچنے کا معنی کیا رہا؟ نیز اس کی رحمت جب اس کے غضب سے وسیع ہے تو وہ کیونکر کسی کے عذاب کو چاہے گا؟

جواب :- بے شک سزا و جزا اس کی مشیت کے تابع ہے لیکن اس کی مشیت حکمت کے عین مطابق ہے اور اس کی رحمت اگرچہ اس کے غضب سے وسیع ہے لیکن اس کے عدل و حکمت کا دائرہ اس کی رحمت سے بھی وسیع تر ہے پس اس کی بخشش و عذاب اس کی مشیت کے تابع ہے اور وہ عدل و حکمت کے موافق ہے لہذا بخشش کی مشیت وہاں ہوگی جہاں عدل و حکمت کا تقاضا ہوگا اور عذاب کی مشیت وہاں ہوگی جہاں عدل و حکمت کا مقفی ہوگا اور اس کی رحمت اس کے عدل و حکمت پر غالب نہیں ہو سکتی۔

رکوع نمبر ۱۰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا - گذشتہ آیت میں چونکہ فرمایا ہے کہ خدا جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے وہ مشیت جو عدل و حکمت کے عین موافق ہے اس کے مواقع میں سے اہم ترین کا ذکر فرمایا ہے کہ اس کی مشیت بخشش اس کے لئے ہوگی جو حلال کھائے اور مشیت عذاب اس کے لئے ہوگی جو حرام کھائے اور حلال و حرام کے مسائل میں سے سود کا مسئلہ اہم ترین ہے لہذا اس کا ذکر فرمایا جو لوگوں میں عام اس وقت بھی تھا اور اب بھی ہے حرمیت سود کی مصلحت خود اللہ ہی بہتر جانتا ہے البتہ مفسرین نے جو کچھ بیان ہے وہ یہ کہ اول تو اس سے انسانی معاشرہ میں عدل و انصاف ختم ہوتا ہے اور دوسرے ایک نادار کو قرض دے کر اسے بلا معاوضہ ایک عرصہ تک مہلت دینا حسن خلق کا بہترین مظاہرہ ہے چنانچہ حضرت صادق علیہ السلام سے بھی یہی مروی ہے (مجمع) سود کا گناہ اور اس کے بعض فروعی مسائل اسی تفسیر کی جلد میں ص ۱۶۹ تا ص ۱۷۱ بیان کئے جا چکے ہیں۔

وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ

اللہ و رسول کی تاکہ رحم کئے جاؤ اور جلدی کرو طرف بخشش اپنے پروردگار کے

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۳۳﴾

اور جنت کے جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے کہ تیار کی گئی ہے متقین کے لئے

سود کا حکم اگرچہ اس سے پہلے بھی گذر چکا ہے لیکن یہاں دوبارہ اس کے ذکر کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ ۱۔ پہلے مقام پر صریح نہی نہیں تھی اور یہاں صریح طور پر نہی کی گئی ہے اور اس سے بچنے پر اخروی فلاح و رستگاری کو متعلق کیا گیا ہے۔ ۲۔ وہاں صرف سود کی حرمت کا عمومی بیان تھا اور یہاں سود کی خاص قسم یعنی سود در سود سے تاکید کی طور پر منع کیا گیا ہے۔

أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ۔ جہنم کا کافروں کے لئے ہونا اس کے منافی نہیں کہ غیر کافر لوگ جو فاسق و فاجر ہیں بھی جہنم میں جائیں گے بلکہ یہاں فروجلی کا ذکر کر کے غیر علی فرد کو اس کے تابع کر دیا گیا ہے جس طرح جنت کے متعلق فرمایا أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ حالانکہ یقیناً بعض وہ لوگ جن پر متقی کی لفظ عائد نہیں کی جاسکتی جیسے اطفالِ مومنین اور دیوانے لوگ بھی جنت میں جائیں گے اسی طرح قیامت کے روز مرتد لوگوں کے چہروں کا سیاہ ہونا ذکر فرمایا ہے حالانکہ کافرین بھی ان کے ساتھ اس میں شریک ہوں گے۔ پس معلوم ہوا کہ ایک وصف کا ایک گروہ کے لئے ذکر کرنا اس کے لئے دلیل حصر نہیں بلکہ بعض اوقات فروجلی کو ذکر کیا جاتا ہے اور فرد غیر علی کو اس کے تابع قرار دے کر اس کی صراحت کو ترک کیا جاتا ہے جس طرح کہا جاتا ہے کہ میں نے یہ دسترخوان امیر کے لئے بچایا ہے حالانکہ اس امیر کے دوست احباب ساتھی نوکر چاکر اور جملہ لواحقین بھی اس کے ساتھ شریک ہوا کرتے ہیں۔

إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ۔ بخشش کی طرف جلدی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بخشش کے اسباب کی طرف تیزی سے قدم بڑھاؤ اور وہ ہے اسلام و ایمان اور ادائے فرائض اور ترکِ محرمات یعنی اصولاً و فروعاً خدا و رسول کی اطاعت۔

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ۔ الخ کعب بن اشرف یہودی نے ایک مرتبہ خلیفہ ثانی پر اعتراض کیا کہ تمہارے قرآن میں ایک بہشت کی وسعت آسمانوں اور زمینوں کے برابر بیان کی گئی ہے تو پھر سات بہشت کہاں ہوں گے؟ خلیفہ لا جواب ہوا۔ اتنے میں حضرت امیر تشریف لائے تو یہودی نے پھر سوال دہرایا آپ نے فرمایا جب رات ہوتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے۔ اور دن کے وقت رات کہاں جاتی ہے؟ یہودی نے کہا کہ اللہ کے علم میں آپ نے فرمایا اسی طرح ساتوں بہشت اللہ کے علم میں ہیں حضرت کا جواب اتنا ہی تھا مقصد یہ تھا کہ خدا ہر شے پر قادر ہے جو ساتوں زمینوں اور آسمانوں کی وسعتوں کا خلق و تراکبات ہے۔ وہ اس سے زیادہ پر بھی قادر ہے اور ان ساتوں بہشتوں کا محل وقوع خود اسی کے ہی علم میں ہے (محض ازبرہان)

الَّذِينَ يَنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاطِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ

وہ جو خرچ کرتے ہیں خوشحالی اور بدحالی میں اور ضبط کرتے ہیں غصے کو اور درگزر کرتے ہیں

عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳۷﴾ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً

لوگوں سے اور اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو اور وہ لوگ کہ جب کریں کوئی برائی یا غلط کریں

أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرِ

اپنے نفسوں پر اللہ کو یاد کرتے ہیں پس فوراً ہی بخشش طلب کرتے ہیں اپنے گناہوں کی اور کون بخشتا ہے

الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَفَعَلُوا وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۸﴾

گناہ سوائے اللہ کے اور وہ نہیں اصرار کرتے اوپر کئے ہوئے (گناہ) کے جان بوجھ کر

أُولَٰئِكَ جَزَاءُ وَهُمْ مَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتُ جَدِّىٰ مِن

ایسے لوگوں کی جزا بخشش ہے اپنے پروردگار سے اور ایسے باغات کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿۱۳۹﴾

وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس میں اور خوب جزا ہے عمل کرنے والوں کی

مُتَّقِينَ كَاصَافٍ | اس سخاوت و اس سے پہلے بتلایا گیا ہے کہ مشیت ایزدی یہ ہے کہ متقین کو جنت میں جگہ ہے اب متقین کے بعض اوصاف بیان فرما رہے ہیں چنانچہ ان کی ایک

صفت یہ ہے کہ وہ خوشحالی اور تنگدستی کی دونو حالتوں میں فی سبیل اللہ خرچ کیا کرتے ہیں۔ مجمع البیان میں جناب رسالت ﷺ سے مروی ہے کہ سخاوت جنت میں ایک درخت ہے اور دنیا میں اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں پس جس کسی نے اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ سے تعلق قائم کیا وہ شاخ اسے جنت میں کیچنے لے جائے گی اور بخل جہنم میں ایک درخت ہے جس کی شاخیں دنیا میں منتشر ہیں جس نے اس کی کسی شاخ سے تمسک پکڑا وہ اسے جہنم میں لے جائے گی۔

حضرت امیر المومنین سے منقول ہے کہ جنت سخیوں کا گھر ہے، سخی اللہ کے قریب جنت کے قریب اور لوگوں کے قریب ہوتا ہے اور جہنم سے دور ہوتا ہے اور بخیل اللہ سے دور، جنت سے دور اور لوگوں سے دور ہوتا ہے اور جہنم کے قریب ہوتا ہے راہِ خدا

میں خرچ کرنے کے متعلق اسی تفسیر کی تیسری جلد میں بہت کچھ تاکید گذر چکی ہے اور انسان کی تمدنی زندگی کی اصلاح کی بھی وعید صورت میں ہے اور خداوند کریم بھی سرمایہ داری کو قطعاً محبوب نہیں رکھتا اور ہم نے سخاوت کے فضائل کی بعض حدیثیں جلد ثالث ص ۱۹ پر درج کی ہیں۔ خداوند کریم مومنین کو توفیق دے۔

(۴، ۳، ۲) غصہ کو ضبط کرنا اور درگزر کرنا اور احسان کرنا۔

تفسیر بیان میں ارشاد مفید سے منقول ہے رشتہ داروں میں سے ایک شخص نے حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام کے ساتھ گستاخانہ لہجہ میں کلام کیا اور آپ چپکے سب کچھ سنتے رہے وہ کہہ سکا کہ چلا گیا تو آپ اپنے ہمنشینوں سے مخاطب ہوئے کہ جو کچھ یہ شخص مجھے کہتا اور کو سارا تم نے سُن تو لیا ہے؟ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ہمراہ اس کے پاس چلو اور میرا جواب بھی سنو۔ انہوں نے عرض کی حضور! ہم تو چاہتے ہیں کہ آپ اس کو کچھ کہیں پس آپ نے نعلین سنبھالی اور روانہ ہوئے اور اسی آیت مجیدہ کی تلاوت زبان پر جاری فرمائی۔ وَالْكَافِرِينَ الْغَيْظُ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ راوی کہتے ہیں کہ ہم سمجھ گئے کہ آپ اس کے ساتھ سخت کلامی نہ کریں گے جب وہاں پہنچے تو اس کو آواز دی اور فرمایا کہ اس کو کہو کہ علی بن حسین تجھ سے بات کرنا چاہتا ہے پس وہ شخص سر جھکائے باہر آیا کیونکہ اسے یقین تھا کہ آپ مجھے اپنی باتوں کا بدلہ دینے کے لئے تشریف لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا بھائی جان! ابھی ابھی جو کچھ تو نے مجھے کہا اگر مجھ میں وہ باتیں ہیں جو تو کہتا تھا تو میں اللہ سے بخشش چاہتا ہوں اور اگر تو نے ناحق الزام عائد کئے تھے تو خدا تجھے معاف کر دے۔ یہ سنتے ہی اس شخص نے حضور کی پیشانی پر بوسہ دیا اور عرض کرنے لگا حضور میں نے جو کچھ آپ کے حق میں کہا ہے۔ آپ اس سے پاک ہیں اور میں خود ہی ان کلمات کا سزاوار ہوں نیز اسی کتاب میں اور مجمع البیان و تفسیر میزان میں درج منثور سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام نماز کی تیاری فرما رہے تھے اور کنیز آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہی تھی۔ اتفاق سے اس کے ہاتھوں سے ٹوٹا گرا اور آپ کے سر مبارک پر چوٹ لگی آپ نے اس کی طرف سر بلند کیا فوراً اس کنیز نے زبان پر جاری کیا وَالْكَافِرِينَ الْغَيْظُ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے غصہ کو ضبط کر لیا ہے پھر عورت نے پڑھا وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تیری خطا بھی معاف کر دی پس اس عورت نے تلاوت کیا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ تو آپ نے فرمایا جا میں نے تجھے خوشنودی خدا کیلئے آزاد کیا ہے۔

تفسیر بیان میں کافی سے مروی ہے اللہ کا جو بندہ اپنے غصہ کو ضبط کرے خدا اس کو دنیا و آخرت میں زیادتی عزت عطا فرماتا ہے۔ مجمع البیان میں جناب رسالت اکبر سے منقول ہے کہ جو شخص طاقت ہوتے ہوئے اپنے غصہ کو پی جائے اور اس کو استعمال نہ کرے تو خدا بزرگ محشر اس کو اپنی رضا کی دولت سے مالا مال کرے گا اور فرمایا کہ غصے کو ضبط کرنے والا اللہ کی راہ میں دشمن خدا سے جہاد کرنے والے کے برابر ہے اور آپ نے فرمایا طاقتور وہ نہیں جو لوگوں کو بچھاڑ دے بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں کر لے اور مدارۃ البیان میں ہے آپ نے فرمایا کوئی گھونٹ اللہ کے نزدیک غصہ کے گھونٹ سے محبوب تر نہیں ہے اور جو شخص غصہ کو پی جائے خدا قیامت کے دن اس کے بدلہ میں اس کو حور العین عطا فرمائے گا۔ مجمع البیان میں

حضرت رسالت اکبر سے مروی ہے جو شخص کسی کے جرم کو معاف کرے خدا اس کی عزت کو بڑھاتا ہے۔

عمدة السببان میں بعض تفاسیر اہلسنت سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسن مجتبیٰ علیہ السلام اشرف عرب کی ایک جماعت کے ہمراہ دسترخوان پر کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ان کا غلام طعام گرم کا ایک پیالہ لایا۔ جب امام کے قریب آیا تو اس کا پاؤں پھسل گیا اور وہ پیالہ طعام سمیت حضرت امام حسنؑ کے سر اور منہ پر گر پڑا! حضرت نے جب اس کی طرف نگاہ کی تو اس نے اَلْكَافِرِينَ الْغَيْظَ۔ پڑھا آپ نے فرمایا میں نے غصہ کو ضبط کیا اُس نے وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ کو زبان پر جاری کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے معاف کر دیا پھر اُس نے وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ پڑھا تو آپ نے فرمایا میں نے تجھے آزاد کیا اور تیری کفالت بھی اپنے ذمہ میں لی۔ اسی قسم کی ایک روایت ابھی امام زین العابدین علیہ السلام کے متعلق بھی نقل ہو چکی ہے نیز امام حسین علیہ السلام کے متعلق بھی ایک واقعہ اسی قسم کا بیان کرتے ہیں اور یہ کوئی اوپری بات نہیں بلکہ خاندانہ عصمت کے جس فرد پر نظر کریں گے۔ خلقِ رسالت کا نمونہ نظر آئے گا۔ کیونکہ یہ سب کے سب محمدؐ ہیں۔

(۶۰، ۵) گناہ سے توبہ کرنا اور اصرار نہ کرنا۔

مشتقیوں کے اوصاف میں سے ہے کہ جب گناہ کر بیٹھتے ہیں تو یاد آنے پر فوراً توبہ کرتے ہیں اور اس پر اصرار نہیں کرتے۔ وَهُمْ يَعْلَمُونَ: اس کے معنی میں کئی احتمالات ہیں۔ ۱۔ گناہ سے توبہ کرتے ہیں جبکہ وہ اپنے گناہ کو جانتے ہیں یعنی گناہ ان کو یاد ہے اگر ایک انسان کو کیا ہو گناہ یاد نہیں رہا تو اس سے توبہ کرنے کا معنی ہی کوئی نہیں ۲۔ گناہ کو گناہ جان کر کیا تھا اور اب پشیمان ہو کر توبہ کرتے ہیں اور اس پر اصرار نہیں کرتے ورنہ اگر ایک شخص نے ایک کام کیا تھا اور اس کو اس کے فعلِ حرام ہونے کا علم ہی نہیں بلکہ اس کے خیال میں وہ حلال تھا تو اب اس سے توبہ کرنے کی کیا ضرورت؟ مثلاً ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کر لیا اور وہ عورت درحقیقت اس پر حرام تھی پس علم ہونے پر اس کو اپنے گھر سے نکال دے اس سے قبل جو کچھ ہو چکا ہے وہ اس کے لئے گناہ نہیں تھا پس اس سے توبہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے ۳۔ توبہ کرتے ہیں یہ جانتے ہوئے کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے (مجمع السببان)

مجمع السببان میں جناب رسالت اکبر سے مروی ہے کہ اصرار کرنے کے بعد کوئی گناہ صغیرہ صغیرہ نہیں رہتا اور توبہ کے بعد کوئی گناہ کبیرہ کبیرہ نہیں رہتا۔ نیز آپ سے مروی ہے کہ خوشحال وہ بندہ کہ جس وقت اپنے نامہ اعمال کو کھولے تو نیچے ہر گناہ کے استغفار دیکھے۔

تفسیر برہان میں بروایت کافی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر انسان گناہ کرے اور اس کے بعد استغفار نہ کرے یا اپنے دل میں توبہ کا قصد نہ کرے تو بھی اصرار میں داخل ہے تفسیر میزان میں بروایت درمنثور ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ جناب رسالت اکبر نے فرمایا۔ ابلیس نے قسم کھا کر کہا تھا اے پروردگار! جب تک بنی آدم کے جسموں میں رُوح ہوگی میں ان کو گمراہ کرتا رہوں گا تو خداوند کریم نے فرمایا تھا۔ مجھے اپنی عزت کی قسم جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے میں ان کے گناہ معاف کرتا

رہوں گا۔

تفسیر برہان و میزان و صافی میں حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب یہ آیت یعنی وَالَّذِينَ إِذَا أَفْعَلُوا فَأَلْحَتْهُ نازل ہوئی تو ابلیس لعین نے مکہ کے پہاڑ پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے چیخ لگائی کہ تمام اس کے چیلے چانٹے اس کے گرد جمع ہو گئے اور دریافت کیا کہ تو نے ہمیں کیوں بلایا ہے؟ تو ابلیس نے کہا قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی ہے اس کا علاج کیا ہوگا ایک عفریت بولا میں فلاں فلاں طریقہ سے اس پر عمل کرتے سے روکوں گا۔ ابلیس نے کہا کہ تیرا کام نہیں ہے ایک اور بولا میں فلاں طریقہ اختیار کروں گا۔ ابلیس نے کہا تیرا کام بھی نہیں۔ پھر دوسرا اس خناس نے آواز بلند کی مجھے یہ عہدہ دیا جائے ابلیس نے پوچھا تو کیا کرے گا تو اس نے کہا میں ان کو وعدہ دے کر اور خواہشات کو مجبور کا کر گناہ کراؤں گا۔ جب گناہ کر لیں گے تو ان کو استغفار سے نالہ کر دوں گا۔ ابلیس نے کہا بس تو ہی اس کام کے لئے موزوں تر ہے۔ پس اس نے قیامت تک کے لئے اس کو اس عہدہ پر مامور کر دیا۔

انہی تفاسیر میں آیت مذکورہ کے شان نزول کے متعلق عبدالرحمن بن غنم دوسری سے روایت کی گئی ہے کہ ایک دفعہ معاذ بن جبل روتا ہوا خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا۔ سلام کیا۔ آپ نے

بہلول تائب کا واقعہ

جواب کہا۔ رونے کی وجہ پوچھی عرض کی یا رسول اللہ میں نے دروازہ پر ایک خوبصورت نوجوان کو اپنی جوانی پر زن پسمرودہ کی طرح روتے دیکھا ہے اور وہ آپ سے اذن دخول چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو لائیے۔ پس معاذ اس کو اندر لے آیا اس نے حضرت کو سلام کیا اور آپ نے رد سلام کیا اور گریہ کی وجہ دریافت فرمائی۔ اس نے عرض کی حضور! میں نے ایسے گناہ کئے ہیں کہ اگر ان میں سے بعض کی بھی مجھ سے خدا گرفت کرے تو میرے لئے دوزخ واجب ہو جائے اور میں جانتا ہوں کہ مجھے معاف نہ کیا جائیگا اور ضرور مجھے سزا ملے گی پھر میں کیوں نہ رڈوں۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے شرک کیا ہے؟ اس نے کہا معاذ اللہ! آپ نے فرمایا کوئی قتل کیا ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا پھر تیرے گناہ اگر ساتوں زمینوں، تمام سمندروں، ریگ کے ٹیلوں اور دنیا کے تمام درختوں اور ان میں بسنے والی تمام مخلوق کے برابر بھی ہوں تو خدا معاف کر دے گا اس نے جواب دیا کہ میرے گناہ اس سے بڑے ہیں۔ فرمایا اگر آسمانوں اور ان کے ستاروں اور عرش و کرسی کے برابر ہوں تو بھی بخشے جاسکتے ہیں۔ اس نے کہا اس سے بڑے ہیں میرے گناہ۔ آپ نے غصے سے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا اے جوان کیا تیرے گناہ بڑے ہیں یا تیرا پردہ دگرا! اس نے فوراً خالق کا سجدہ کیا اور اور سر اٹھا کر عرض کی حضور میرا رب ہر عظیم سے عظیم تر ہے پس آپ نے فرمایا کہ گناہ عظیم کو وہ رب عظیم ہی بخش سکتا ہے۔ جوان نے عرض کی حضور! مجھے تو امید نہیں اور پھر چپ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا مجھے بتا کیوں نہیں۔ اس نے عرض کی حضور میں گور کر رہا ہوں اور سات برس یہ پیشہ کیا ہے۔ مردوں کو قبروں سے نکال کر ان کے کفن اتار لیتا ہوں اور بیچ کر گذر اوقات کرتا ہوں۔ انصار میں سے ایک نوجوان لڑکی فوت ہوئی جب اس کو دفن کر کے واپس آگئے تو میں رات کے پردہ میں پہنچا اسے قبر سے باہر نکال کر اس کا کفن اتارا اور واپس روانہ ہوا۔ راستہ میں مجھے شیطان نے پھندے ڈالنے شروع کئے کہ وہ کس طرح خوبصورت لڑکی تھی؟ میانک کہ میں دوبارہ واپس آکر اس سے زنا کا ارتکاب کر بیٹھا اور اسے پھر برہنہ چھوڑ کر واپس چلا۔ پس پیچھے سے مجھے آواز آئی۔ اے جوان مجھے تو نے

مردوں کی فوج میں برہنہ چھوڑا ہے۔ اب میں حالت جنب میں بروز محشر کھڑی ہوں گی یقین جان میرا اور تیرا مقدمہ اللہ کے پیش ہوگا تیری جوانی کو جہنم کی بشارت ہو۔ پس حضورؐ میں سمجھتا ہوں کہ میرے اوپر جہنم واجب اور جنت حرام ہے پس آپؐ نے سُنتے ہی فرمایا ہٹ جاوے فاسق قریب ہے کہ تیرا عذاب ہمیں گھیر لے۔ حضورؐ یہی فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ اس کو نکال دیا گیا۔ پس وہ شخص گھر سے زادے کر ایک پہاڑ کے دامن میں کھردرا لباس پہنے اپنے درنوں ہاتھوں کو گردن سے باندھے عبادت میں مشغول ہوا اور مناجات میں یہی کہتا تھا۔ اے میرے پروردگار! تیرا بندہ بہلول تیرا قیدی بنے اور اس سے وہ لغزش ہوئی ہے جسے تو جانتا ہے اب میں پشیمان ہوں۔ تیرے نبی نے بھی مجھے اپنی بارگاہ سے نکال دیا ہے میں تجھ سے تیری عظمت و جلال کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں کہ میری دعا کو رد نہ فرما اور مجھے اپنی رحمت سے مایوس نہ کر اور چالیس دن رات یہ مناجات کرتا رہا حتیٰ کہ جنگی جانور بھی اس کے لئے گریہ کرتے تھے۔ آخر اس نے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور عرض کی میرے اللہ میری دعا اگر قبول اور میرا گناہ معاف ہے تو اپنے نبی کو بذریعہ وحی خبر بھیج ورنہ آگ بھیج کر مجھے جلا دے اور دنیا کا عذاب مجھے دے دے تاکہ قیامت کی رسوائی سے بچ جاؤں۔ پس خدا نے یہی آیت نازل فرمائی۔ گویا فاحشہ سے مراد ہے زنا اور ظلم نفس سے مراد تھی اس کی گورکھی اور کفن چوری۔ پس ارشاد ہوا۔ اے میرے حبیب! وہ تیری بارگاہ سے راندہ گیا تھا اب وہ کہاں جاتا وَمَنْ يَغْفِرَ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ۔ اور میرے سوا گناہ کون بخش سکتا ہے؟ ایسے لوگ اگر اصرار نہ کریں تو ان کی جزا بخشش ہے اور جنت ہے پس حضورؐ اُسکراتے ہوئے باہر تشریف لائے اور صحابہ کو ہمراہ لے کر وہاں پہاڑ پر پہنچے دیکھا تو وہ دو پتھروں کے درمیان اپنے ہاتھ گردن سے باندھے کھڑا ہے اور روتے روتے اس کی پلکیں بھڑکنی ہیں وہ مناجات میں کہہ رہا تھا میرے مالک! تو نے مجھے اچھا جسم اور اچھی صحت عطا فرمائی۔ اب مجھے آگ میں جلائے گا یا جو ار رحمت میں ملے گا تیرے بہت کچھ احسانات ہیں لیکن کاش میں سمجھ جاؤں آخر جنت میں مجھے بھیجا جائے گا یا جہنم میں۔ میرا گناہ زمین آسمان عرش و کرسی سے بڑا ہے لیکن کاش! مجھے علم ہو جائے کہ تو نے میرا گناہ معاف کیا ہے یا قیامت میں میرے لئے ذلت کا سامان ہے؟ یہ کہتا اور روتا تھا اور جنگی جانور اس کے گرد جمع تھے اور پرندے اس کے سر پر موجود اور سب اس کی حالت سے متاثر ہو کر مشغول گریہ تھے پس حضورؐ نے پاس جا کر اس کے ہاتھ کھولے اور اس کے سر سے خاک کو بھاڑا اور فرمایا اے بہلول تجھے مبارک ہو کہ تو جہنم سے خدا کا آزاد کردہ ہے اور یہ آیت اس کو سنائی اور صحابہ سے فرمایا گناہوں کو اس طرح مٹاؤ جس طرح بہلول نے مٹایا۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۖ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ

تحقیق گذر چکی ہیں تم سے پہلے مثالیں پس سیر کرو زمین میں (تاریخی حقائق کی) پھر دیکھو کیا انجام ہوا

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿١٣٥﴾ هَذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٦﴾

واحکام خدا اور رسول کو (جھٹلانے والوں کا یہ قرآن، بیان ہے لوگوں کے لئے اور ہدایت و نصیحت ہے متقین کے لئے

قَدْ خَلَتْ ۖ۔ جنگ اُحد میں فرار کرنے والوں کو خطاب ہو رہا ہے کہ گذشتہ امتوں کے واقعات سے عبرت حاصل کرو اور نبیوں اور رسولوں کی نصرت سے کوتاہی کرنے والوں کے انجام دیکھو اور سبق حاصل کرو

سُنَنٌ ۖ۔ سنت کی جمع ہے اور اس کا اصطلاحی معنی ہے ایک وضع شدہ طریقہ جس پر لوگ چلیں پھر جس کا وضع کردہ ہوگا۔ اسی کی طرف اس کی نسبت ہوگی۔ جیسے سنت رسول اور سنت ابدی وغیرہ اس مقام پر سنن کے کئی معانی کئے گئے ہیں۔ ۱۔ یادگار عبرت ۲۔ امثال ۳۔ امتیں ۴۔ مضاف محذوف ہے دراصل تھا اہل سنن ۵۔ منہاج دستور۔ اس مقام پر ہر احتمال کے اعتبار سے معنی درست ہے۔

جنگ اُحد کا ذکر فرمانے کے بعد اخلاق کی چند آیات آگئیں۔ جن میں صفات بد سے بچنے اور صفات

ربط و اتصال

سنہ سے آراستہ ہونے کی امت اسلامیہ کو دعوت دی گئی ہے کیونکہ یہی اخلاقی کمزوریاں ہی اُحد کے روز صحابہ کے فرار کی باعث ہوئیں۔ حرص و طمع۔ اور فرمان خدا و رسول سے لاپرواہی نے ان کو ثابت قدمی سے روک دیا تھا ورنہ شکست خوردہ فوج قریش کو واپس پلٹنے کی جرأت نہ ہوتی اور نہ خالد بن ولید پیچھے سے حملہ آور ہو سکتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ صحابہ کو اس جنگ میں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ پس خدا نے اولاً سود اور سود و سود سے بچنے اور تقویٰ کے اختیار کرنے کا حکم دیا۔ ایک طرف نافرمانی کرنے والوں کو جہنم کا خوف دلایا اور دوسری طرف اطاعت کرنے والوں کو بہشت کا وعدہ دیا اور انہیں متقین کے مقدس لقب سے یاد فرمایا اور پھر ان کی علامتیں بیان فرمائیں اور ان کے فضائل کا تذکرہ کیا اور غلطی ہو چکنے کے بعد ان کو توبہ کی طرف متوجہ فرما کر اپنی بخشش کا وعدہ فرمایا تاکہ ان کو بالوٹی نہ ہو جائے۔ پھر گذشتہ امتوں کے واقعات سے عبرت حاصل کرنے کا درس دیا۔

انسان کی تمدنی زندگی کی اصلاح اور اتفاق و اتحاد کی بحالی کے لئے ذخیرہ اندوزی اور حرص و لالچ انتہائی طور پر مضر ہیں اس لئے پہلے پہلے اس کے لئے اصلاحی حکم کا بیان فرمایا اور ہر حالت میں فی سبیل اللہ خرچ کرنے والوں کی مدح فرمائی جس کا مقصد دلوں سے حسد و دنیا کا قلع قمع ہے پس جنگ اُحد کے دن لوٹ میں گھسنے اور مالی غنیمت پر ٹوٹ پڑنے والے حضرات کو اشارۃً سرزنش فرمادی جس کی وجہ سے مسلمانوں کو پہاڑوں کی چوٹیاں دیکھنی پڑیں۔ دوسری طرف اتحاد و یکجہتی اور کامیابی و کامرانی کیلئے نہایت اہم اور سب سے ضروری بات ہے اپنے قائد و پیش رو کی پوری اطاعت اور چونکہ مسلمانوں نے اس جنگ میں خدا اور

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۲۹﴾

نہ کمزور بنو اور نہ غم کھاؤ۔ حالانکہ تم ہی غالب ہو (انجام کار) اگر تم ایمان رکھتے ہو (وعدہ خدا پر)

إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا

(کوئی بات نہیں) اگر تمہیں زخم لگے ہیں تو اس قوم کو بھی زخم لگے ہیں (بدر میں) اس جیسے یہ دن ان کو ہم بدلاتے

بَيْنَ النَّاسِ وَلَيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ وَاللَّهُ

ہیں لوگوں میں (بمطابق مصلحت) اور اس لئے بھی تاکہ پرکھے اللہ ایمان والوں کو اور بنائے تم میں سے بعض کو شہید اور اللہ

لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۱۳۰﴾ وَلَيَمْحَصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيُخَيِّقَ الْكُفْرِينَ ﴿۱۳۱﴾

نہیں چاہتا ظالم کرنے والوں کو اور تاکہ پاکیزہ کرے اللہ ایمانداروں کو (گناہوں کی کثافت سے) اور ہلاک کرے کافروں کو

کے وعدہ نصرت کو پس پشت ڈال کر اپنی کمزوریوں کا مظاہرہ کیا تھا اس لئے ان آیات میں ان کو مخالفت پر جہنم اور اطاعت پر جنت کی بشارت سے تنبیہ کی گئی اور ان کو تقویتِ قلب کے لئے سابقہ لغزش سے توبہ کے بعد مغفرت کا وعدہ فرمایا اور آئندہ کے لئے ایسی غلطی کے ارتکاب سے باز رکھنے کے لئے بطور تسلی یا بطور عبرت و نصیحت کے گذشتہ ائمہ کے واقعات سے سبق حاصل کرنے کی تلقین فرمائی اور کسی کی نصیحت کے لئے اور راہِ راست پر لانے کے لئے اس طرز بیان سے زیادہ مؤثر کوئی اور طریقہ انہام و تغہیم ہو سکتا ہی نہیں اور نہ انسان کی ہدایت کے لئے ظہورِ نقص کے بعد تکمیلِ نفس کے لئے اور ردائِ نفسانیہ سے کنارہ کشی اور فضائلِ نفسیہ کے حصول کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی علاج کارگر ہو سکتا ہے اور یہی قرآنِ کریم کا طرہ امتیاز ہے پس یہ آیات کریمہ جنگِ احد کے واقعہ کے تسلسل میں محلی نہیں کہی جا سکتیں چنانچہ بعد میں پھر اسی جنگ کے متعلق تذکرہ ہو رہا ہے وَلَا تَهِنُوا۔ جنگِ احد سے چلے جانے کے بعد جب کفار نے دستہ ہی میں واپس پلٹ کر مدینہ میں غارت گری کا پروگرام مرتب کیا اور رسول کو بذریعہ وحی اطلاع ملی اور ان کے تعاقب کا حکم صادر ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ جنگِ احد میں گئے تھے اب تعاقب کے لئے بھی انہی کو روانہ ہونا چاہیے تو چونکہ مسلمان بہت کچھ زخمی تھے لہذا پریشان خاطر ہوئے پس ان کی تسلی کے لئے یہ ارشاد فرمایا اور چونکہ ان کو اپنی شکست کی وجہ سے بھی انتہائی پشیمانی تھی تو ساتھ بشارت بھی دے دی کہ بالآخر تم کامیاب ہو گے اور اسلام کا بول بالا ہوگا۔ بشیرِ طیب کہ تمہیں خدا و رسول کے عہد اور وعدہ نصرت پر اعتماد ہو اور ثباتِ قدم کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ کا معنی مرتبہ و شرف کے لحاظ سے بلند ہونا بھی کیا گیا ہے۔ (مجمع البیان)

اِنْ يَكْسِرْكُمُ - حضرت امیر علیہ السلام کو تیرتو اور نیزہ سے جنگ احد میں ساٹھ سے زیادہ زخم لگے تھے حتیٰ کہ بعض روایات میں نوے تک بھی تعداد لکھی ہے۔ انس بن مالک سے مروی ہے کہ حضرت رسالتاً حضرت علیؑ کو لائے پس آپ دست شفا پھیرتے جلتے تھے اور زخم مندمل ہوتے جاتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کوئی زخم تھا ہی نہیں کہتے ہیں بعد اختتام جنگ ابوسفیان پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا اور ایک گھنٹہ وہاں کھڑا رہا۔ جناب رسالتاً نے دعا مانگی۔ اے میرے اللہ! ان لوگوں کو ہم سے بلند ہونے کا حق نہیں۔ پس ارشاد ہوا۔ **وَ اَنْتُمْ اَوْلٰى عَلٰوْنَ**۔ مرتبہ کے اعتبار سے تم ہی بلند ہو یا انجام کار تم ہی غالب و منصور ہو گے۔ پس ابوسفیان نے بلند ہو کر آواز دی کہ یہ دن بدر کے دن کا بدلہ ہے وہاں ہمیں شکست اور یہاں تمہیں تو ادھر سے جواب دیا گیا تو غلط کہتا ہے ہمارے مقتولین جنت میں اور تمہارے جہنم میں ہوں گے اس نے باوازد بلند اور کفر یہ کلمات بھی کہے اور ادھر سے ان کا دندان شکن جواب دیا گیا۔

تِلْكَ الْاَيَّامُ۔ دنوں کا ایرمیر کبھی ایک قوم کو فتح اور کبھی دوسری قوم کو یہ ایک دستور ہے اگر خدا چاہتا تو مسلمانوں کو ہر جنگ میں فتح و نصرت دے سکتا تھا۔

مداولتِ ایام کے مصالح

لیکن ایسا کرنے میں اس کی مصالح کا فرما میں جن کو قرآن بیان فرما رہا ہے۔ پہلی مصلحت تو یہ تھی کہ خدا چاہتا ہے کہ دین اسلام دلیل و برہان اور حق و صداقت کی بدولت ہمہ گیر ہو۔ اگر فوج اسلام کو ہر جنگ میں فتح و کامرانی ہی نصیب ہوتی تو بہت سے لوگ صرف فتح و نصرت اور غلبہ و برتری کی خاطر ہی اسلام کے حلقہ بگوش ہو جاتے گو دل سے اسلام کو نہ بھی چاہتے۔ ویسے تو ہر مقام پر جناب رسالتاً کو فتح و نصرت نصیب ہوتی لیکن یہ ایرمیر ساتھ رہا تاکہ کہیں اسلام میں دخول کا سبب صرف غلبہ ہی نہ ہو جائے۔

وَلِيَعْلَمَ۔ دوسری مصلحت کا ذکر ہے اور اس کا عطف پہلی مصلحت پر ہے جو بوجہ واضح و آشکار ہونے کے ذکر نہیں کی گئی پس معنی یہ ہوا کہ ہم ان دنوں کو بدلاتے رہتے ہیں تاکہ اسلام کی ہمہ گیری و دلیل و حجت کی بناء پر ہونہ نہ زور و زور کی بناء پر اور تاکہ ایمان کا دعویٰ کرنے والوں میں سے کھرے اور کھوٹے کی پرکھ ہو جائے اور مومن اور منافق میں امتیاز ہو جائے۔

وَيَتَّخِذَ۔ یہ تیسری مصلحت ہے کہ خداوند کریم بعض مومنین کو مرتبہ شہادت کرامت فرمانا چاہتا ہے یا یہ کہ وہ چاہتا ہے کہ ثباتِ قدمی سے ان کا مرتبہ بلند ہو تاکہ یہ لوگ اور لوگوں کے اعمال پر شاہد قرار دیے جائیں اور صاحبِ تفسیر میزان نے دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے کیونکہ شہید کا پہلا معنی جدید اصطلاح ہے۔

وَلِيُمَحِّصَ اٰلِهٖ۔ یہ چوتھی مصلحت کا ذکر ہے اس آیت مجیدہ میں معنی کے لحاظ سے دو احتمال ہو سکتے ہیں (۱) تاکہ ایمان والوں کو آزمائے اور کافروں کو نابود کر دے یعنی ایام کا دور جب مومنوں کے خلاف ہوتا ہے تو ان کی آزمائش مطلوب ہوتی ہے اور جب کفار کے خلاف ہوتا ہے تو ان کا صفحہ ہستی سے نیست و نابود کرنا مطلوب ہوا کرتا ہے (۲) تاکہ مومنوں کو گناہوں سے پاک کرے یعنی ایام کا دور مومنوں کے خلاف ان کے گناہوں کا کفار ہوا کرتا ہے اور کفار کے لئے زیادتی عذاب کا موجب بہر کیف یہ مداولتِ ایام اہل ایمان کے لئے گناہوں سے بچاؤ کا طریقہ نہیں یا تو اس لئے کہ یہ تکالیف ان کی سابقہ خطاؤں کے لئے کفار بن جاتی ہیں اور ان کا مصائب

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهِدُوا

کیا تم سمجھتے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے جبکہ نہ پرکھ لے خدا ان کو جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا

مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۴۱﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ

اور نہ پرکھ لے صبر کرنے والوں کو اور تحقیق تم لوگ تو موت کی خواہش کرتے تھے اس سے پہلے

أَنْ تُلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۱۴۲﴾

کہ اس سے ملاقات کر دے اب تو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں

دکلام میں صبر کرنا ان کی زیادتی درجات اور کثرتِ اجر کا موجب بن جاتا ہے اور ممکن ہے مقصد یہ ہو کہ جب مومن ایسے دشوار گزار مقامات پر صبر کا مظاہرہ کریں تو پھر خدا اپنے لطف و کرم سے ان کو آئندہ گناہوں سے بچنے کی خصوصی توفیق مرحمت فرمادیتا ہے۔

دخول جنت کا معیار | اَمْ حَسِبْتُمْ - اس سے قبل مومنوں کے لئے جنت کی پیش کش کی گئی تھی اب فرماتا ہے کہ یہ امت سمجھے کہ کچھ کئے بغیر ہم جنت میں جائیں گے بلکہ جنت میں جانے کے لئے آزمائشات سے نپٹنا اور مصائب و آلام پر صبر کرنا ضروری ہے۔

اقول :- یہ یا اس قسم کی آیات جہاد ظاہری کے زمانہ تک محدود نہیں بلکہ ہر دور میں انسان کے ہر سانس کے ساتھ مقام جہاد وابستہ ہے اور عقل و فتنے سے یہ بات واضح ہے کہ جہاد ظاہری سے جہاد باطنی کہیں زیادہ سخت ہو کرتا ہے بلکہ باطنی جہاد میں فتح یا ہار ہونے کے بعد ہی انسان ظاہری جہاد میں مبعوث ہونے کے قابل ہو کرتا ہے۔ احکام خدا پرستی سے عمل پیرا ہونا اور اطاعتِ خدا و رسول کے ماتحت نفسِ امارہ کی خواہشات کو کچلنا جہادِ عظیم ہے۔ نیز واجبات کی ادائیگی اور محرمات سے بچنا اور اس بارہ میں ہر قسم کی تکالیف کٹھننا اور صبر کرنا انسان کی فتحِ عظیم ہے۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ - کہتے ہیں جنگِ بدر کے بعد بعض لوگوں نے خواہش ظاہر کی تھی کہ کاش! ہم بھی شریک جہاد ہوتے اور ثباتِ قدم سے دشمن کا مقابلہ کرتے یہاں تک کہ درجہ شہادت پر فائز ہوتے لیکن جب جنگِ اُمد پیش آئی تو انہوں نے بزدلی کا وہ شرمناک مظاہرہ کیا جو قیامت تک صفحاتِ تاریخ سے مٹ نہیں سکتا اور یہ آیت اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ

نہیں ہیں (حضرت) محمد مگر رسول بے شک (بذریعہ موت یا قتل) گزر چکے ہیں اس سے پہلے بہت رسول، کیا پس اگر یہ مر بھی

أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنْ

مابھی یا قتل کئے جائیں تو تم پھر جاؤ گے اٹھے پاؤں اور جو بھی پھر جائے اٹھے پاؤں پس ہرگز نہ

يُضِرَّ اللَّهُ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ

منر دے گا اللہ کو کچھ بھی اور عنقریب بدلہ دے گا اللہ شکر گزاروں کو نہیں ہو سکتا کسی نفس کے لئے

رکوع ۶ جنگِ احد میں مسلمانوں کا کردار

کفارِ قریش جب اُحد میں آئے تو ان کے لشکر کی ترتیب اس طرح تھی کہ مہینہ پر خالد بن ولید اور مسیرہ پر عکرمہ بن ابی اہل تھا اور عورتیں دفن بجاتی اور گاتی ہوئی ان کے ہمراہ تھیں چنانچہ ہندہ کے اشعار تَحْنُ بَنَاتُ الطَّارِقِ الھِ اَجْنَحُ صَفَحَاتِ تَايَخ میں موجود ہیں جب حضرت امیر کے ہاتھوں ان کے دس نشانچی مارے گئے اور مسلمانوں نے میدانِ جیت لیا تو زبیر کہتا ہے کہ میں نے اسی ہند کو دیکھا کہ اپنی سہیلیوں سمیت سارے نغمہ کو مہول کر کودتی ہوئی پہاڑیوں پر چڑھ رہی تھی۔ لیکن ادھر مسلمانوں نے فرمانِ نبویؐ کو بھلا کر جب لوٹ کی طرف ہاتھ بڑھائے اور درہ کو خالی چھوڑا تو خالد نے پیچھے سے حملہ کر دیا اور کفار نے جب علم اپنا بلند دیکھا تو وہ بھی واپس آگئے چنانچہ اب مسلمانوں کو بھاگنے کی سوجھی عبداللہ بن قثم نے جناب رسالتؐ کے دانت مبارک اور چہرہ انورؐ کو زخمی کیا۔ معصب بن عمیر آپؐ کی حفاظت کے لئے آگے بڑھا اور ابن قثم کے ہاتھوں شہید ہوا تو ابن قثم نے حضورؐ کی موت کی خبر اڑادی۔ اسی جنگ میں قتادہ بن نعمان کی آنکھ نکل پڑی حتیٰ کہ رخسارہ پر لٹک آئی تو آپؐ نے اُسے اپنے مقام پر اپنے دستِ مبارک سے جوڑ دیا اور وہ ٹھیک ہو گئی ابی بن خلف حبشی جناب رسالتؐ کی طرف بڑھا۔ بعض صحابہ نے اس کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اسے آنے دیجئے اور اس سے پہلے باہمی گفتگو میں آپؐ نے اس کو فرمایا تھا کہ میں ہی تجھے قتل کروں گا پس وہ جو نبی قریب آیا آپؐ نے عارث بن مہمہ سے نیزہ لے کر اس پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ اپنے گھوڑے سے زمین پر گر کر اور ہلاک ہو گیا۔

بالجملہ جب آپؐ کی موت کی خبر مشہور ہوئی اور مروی ہے کہ ابلیس نے یہ خبر مشہور کی تھی تو اب مسلمانوں کے چار

گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ کہنے لگا کہ ہماری طرف سے کوئی آدمی عبداللہ بن ابی کے پاس جلتے تاکہ وہ ابوسفیان سے ہمیں امان نامہ لے کر دلائے۔ دوسرا گروہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر حیران و ششدر سا رہ گیا اور انہوں نے خاموشی اختیار کر لی اور تیسرا گروہ کہنے لگا کوئی بات نہیں۔ اگر حضرت محمد قتل کئے گئے ہیں تو ہمیں اپنے آبائی مذہب پر پٹ جانا چاہیے اور جو تھا گروہ اپنے دین پر ثابت قدم رہا اور انہوں نے کہا اگر بالفرض حضرت محمد قتل بھی ہو گئے تو محمد کا پروردگار تو زندہ موجود ہے ہم کسی قیمت پر نہ کسی سے امان نامہ لیتے ہیں اعدائے اپنے دین کو بھڑکتے ہیں۔

سیرت ابن ہشام سے روایت حضرت انس بن نضر جو انس بن مالک کے چچا تھے تفسیر میزان میں منقول ہے کہ وہ حضرت عمر اور حضرت طلحہ کے پاس سے گزرے جبکہ وہاں جو بنی اور انصار کی جماعت میں ایک جگہ بیٹھے تھے انس نے کہا کہ تم لوگ کیوں بیٹھ گئے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ اب رسول اللہ تو مارے گئے ہیں پس اس نے کہا کہ حضور کی موت کے بعد ہمارا زندہ رہنا پھر تو فضول ہے پس اٹھو اور اسی راستہ پر جان کی بازی لگاؤ جس پر آپ مارے گئے ہیں یہ کہتے ہی واپس آیا اور میدان کارزار میں داخل ہو کر جام شہادت پی لیا۔

خداوند کریم ان لوگوں کی سرزنش فرما رہا ہے کہ تمہارے قدم دین میں مضبوط نہیں ہیں حضرت محمد مصطفیٰ دوسرے گذشتہ رسولوں کی طرح رسول ہیں جس طرح وہ بعض اپنی موت سے اور بعض قتل و شہادت کی موت سے گذر چکے ہیں۔ انہوں نے بھی ایک دن ضرور گذر جائیے تو کیا تمہارا ایمان اس قدر کمزور ہے کہ اگر آپ دنیا سے رحلت فرما جائیں تو تم اپنا دین چھوڑ کر اٹھے پاؤں اپنے پیچھے طریقہ کفر کو اختیار کر لو گے؟ ہاں اللہ پر احسان کا بار مت رکھو تمہارا اسلام سے دست بردار ہو جانا مجھے نقصان دہ نہیں البتہ خود تمہارے اپنے لئے ہی دنیا و عقبی کے خسارہ کا موجب ہو گا اور خدا شکر گزاروں کو ان کے شکر کی جزاء مرحمت فرمائے گا۔ اس آیت عجیبہ سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ میں سے بعض لوگوں کا ایمان حضور کی زندگی تک کے لئے ہی تھا ورنہ اس خدا شہ کے اظہار اور اپنی بے نیازی کے اعلان کا کوئی مطلب ہی باقی نہیں رہتا اور ایسا ہوا بھی ضرور ہے چنانچہ ہم نے کتاب ہذا کی جلد اول یعنی مقدمہ تفسیر ص ۱۵۳ میں حضور کے بعد بعض صحابہ کے مرتد ہونے کی بعض احادیث بخاری وغیرہ سے نقل کی ہیں اور قرآن مجید ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کے حاشیہ پر مترجم نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے۔ تفسیر برہان میں کافی وحیاشی سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالت اکبر کی وفات کے بعد لوگ دین سے مرتد ہو گئے سوائے تین آدمیوں کے راوی نے پوچھا وہ تین کون ہیں تو آپ نے فرمایا مقداد۔ ابوذر سلمان اس کے کچھ عرصہ بعد باقی کچھ لوگ بھی معرفت حاصل کر کے دین میں آ گئے۔ ایک اور روایت میں آپ سے عمار کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں کسی وقت بھی شک نے جگہ نہیں لی وہ صرف یہی تین آدمی تھے۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب لوگ جنگ اُحد میں بھاگے تو جناب رسالت اکبر نے آوازیں دیں کہ میں محمد موجود ہوں نہ مجھے قتل کیا گیا ہے اور نہ میں مرا ہوں تو فلاں و فلاں نے مڑ کر دیکھا اور کہنے لگے اب

ہم سے متفر کر رہا ہے حالانکہ ہمیں شکست ہو چکی ہے صرف حضرت علیؑ اور ابو دجانہ سماک بن خوشہ باقی رہ گئے۔ آپ نے ابو دجانہ سے فرمایا کہ جاؤ میں نے تم سے بھی اپنی بیعت اٹھالی ہے البتہ علیؑ فہو اَخا وَاَنَا هُوَ یعنی وہ اور میں ایک چیز ہیں۔ تو ابو دجانہ نے عرض کی حضور! کیا میری زوجہ یا فرزند مر رہا ہے یا میرا گھر اور مال تباہ ہو رہا ہے؟ میں کیوں جاؤں اور آپ کو چھوڑ کر کہاں جاؤں۔ بخدا میں تو اپنی بیعت کو خیر باد ہرگز نہ کہوں گا۔ پس آپ نے اُس کے حق میں دعائے خیر فرمائی چنانچہ ایک طرف وہ لڑتا تھا اور دوسری طرف حضرت علیؑ جہاد کرتے تھے۔ جب ابو دجانہ زخموں سے چور ہو کر گرا تو حضرت علیؑ اس کو اٹھالائے تو اس نے بارگاہ رسالتؐ میں عرض کی قبلہ! کیا میں نے اپنی بیعت کی وفا کی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں تو نے وفا کی ہے پس تنہا حضرت علیؑ مصروف جہاد ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ کی تلوار تین مقامات سے ٹوٹ گئی تو حضرت رسالتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر تلوار کے ٹوٹنے کا ذکر کیا تو آپ نے اب ذوالفقار عطا فرمائی۔ حضرت رسالتؐ پناہ نے دیکھا کہ حضرت علیؑ کے قدموں سے خون بہہ رہا ہے۔ آپ نے رد کر ان کے حق میں دعا فرمائی۔ پس حضرت علیؑ حاضر خدمت ہوئے تو عرض کی حضور! مجھے جہاد کرتے ہوئے ایک آواز سنائی دیتی ہے اور جب میں کسی پر حملہ کرتا ہوں تو میری تلوار لگنے سے قبل وہ گر جاتا ہے اور وہیں ختم ہو جاتا ہے تو آپ نے فرمایا جبریل میکائیل اور اسرافیل ملائکہ کی صفوں کے ساتھ آئے ہوئے ہیں۔ اسی کے بعد جبریل کے وہ کلمات جو پہلے گزر چکے ہیں نقل کئے اور جب کفار واپس مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو جبریل نے بحکم خدا ان کا تعاقب کیا (اور میری رعب تھا جس کا ذکر ہو چکا ہے) کفار کے کانوں میں جب گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز پہنچتی تو وہ سمجھتے تھے کہ پیچھے سے اسلام کا لشکر آ رہا ہے پس وہ تیز رفتاری اختیار کر لیتے تھے اور اسی خوف و ہراس کے عالم میں وہ داخل مکہ ہوئے۔

اور جنگ ختم ہوئی تو جناب رسالتؐ نے مدینہ کا رخ کیا اور علم حضرت علیؑ کے ہاتھ میں تھا وہ آگے آگے چل رہے تھے جب ایک ٹیلے سے اُترے تو لوگوں نے دیکھ لیا۔ حضرت علیؑ نے آواز دی اے لوگو! یہ محمد مصطفیٰ زندہ موجود ہیں۔ نہ قتل ہوئے اور نہ مرے ہیں۔ انصار کی عورتیں اپنے صحن خانہ اور گھروں کے دروازوں پر دیکھ رہی تھیں۔ پس مرد بھی جمع ہو گئے خوشادیں کرتے اور توبہ کا اظہار کرتے تھے۔ انصار کی عورتوں نے حضورؐ کی موت کی خبر سن کر بال پریشان کر کے رخساروں اور پیشانیوں پر پیٹ لیا تھا اور گریبان پاک کر ڈالے تھے جب حضورؐ پر ان کی نگاہ پڑی تو خاموش ہو گئیں آپ نے انکو گھروں میں واپس جانے اور پردہ سنبھالنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ خدا نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے دین کو تمام دینوں پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ اور یہ آیت اُتری۔ ملففًا۔

معارج النبوة رکن چہارم میں ہے کہ جب آنحضرتؐ کی موت کی خبر مدینہ مشہور کر دی گئی تو جناب خاتون جنت سریشٹی ہوئی اور روتی ہوئی باہر آئیں اور تیمی کے آثار ان کی حالت سے ظاہر تھے اور تمام زبان ہاشمیہ گریہ زاری کرتی ہوئیں اور سریشٹی اور نوحہ کرتی ہوئی باہر آئیں کہ ان کے رونے پیٹنے کی آواز فلک تک پہنچتی تھی جناب بتول معظمہؑ کا بھی جلوس

دلیل مآتم

أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُّوجِلاً ۖ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا

کہ مر جائے بغیر اذن اللہ کے یہ حتمی معتمد شدہ بات ہے اور جو شخص چاہے بدلہ دنیا کا تو ہم

نُؤْتِيهِ مِنْهَا ۖ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِيهِ مِنْهَا ۖ وَسَنَجْزِي الشَّكْرِينَ ﴿۱۶۵﴾

اس کو اسی سے دیتے ہیں اور جو چاہے بدلہ آخرت کا تو ہم اس کو اسی سے دیں گے اور ہم شکر گزاروں کو جزا دیں گے

کے ساتھ سرپٹتے ہوئے اور نوحہ کرتے ہوئے جانا آئندہ کے لئے کھلا ہوا ثبوت ہے کہ دین کے تاجدار کے غم میں اس طرح کے نامی جلوس بدعت نہیں ہوا کرتے بلکہ اولاد پیغمبر کی سنت ہے نیز جناب رسالتؐ کو اگر ناگوار ہوتا تو آپ منع ہی فرما دیتے۔ پس آپ کا منع نہ فرمانا جواز عزاداری کی تائید مزید ہے۔

نکتہ علمیہ صبیغہ فعل اور صبیغہ صفت کے استعمال میں یہ فرق ہے کہ فعل کی دلالت صرف حدوث پر ہوا کرتی ہے۔ جس میں دوام واستمرار کا معنی نہیں پایا جاتا اور صبیغہ صفت کی دلالت دوام واستمرار پر ہوا کرتی ہے مثلاً

جہاں کی صبر کا استعمال ہو تو اس کی دلالت صرف صبر کے ساتھ تلبس پر ہے اور اگر صابر کہا جائے تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس

میں صبر کی صفت پختگی اور استمرار کے رنگ میں پائی جاتی ہے یُؤْمِنُ کا معنی یہ ہے کہ اس کا صفت ایمان کے ساتھ تلبس ہے

اور مومن کا معنی یہ ہے کہ اس میں صفت ایمان کی پختگی کے ساتھ ہے یَتَّقِيْ اور متقی نیز شاکر کے معانی میں بھی یہی فرق

ہے۔ خداوند علیم و حکیم نے جزائے خیر کا وعدہ شاکرین سے کیا ہے یعنی وہ لوگ جن میں یہ صفت دیومیت اور استمرار کی صورت

میں ہو اور گویا ان میں شکر کا ملک پیدا ہو گیا ہو جو تا دم مرگ قابلِ زوال نہ ہو اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب انسان کا ظرف

ایمان دولتِ خلوص سے پُر ہو پس شاکر وہی ہو سکتا ہے جو مخلص ہو اسی لئے ابلیس نے جہاں بندوں کو گمراہ کرنے کا دعویٰ کیا

تو صاف کہہ دیا کہ تیرے مخلص بندے میرے پھندے میں نہ آسکیں گے (سورہ حجر) اور دوسرے مقام پر کہا کہ تیرے اکثر بندوں

کو میں شاکر نہ رہنے دوں گا۔ (سورہ اعراف) یہاں خدا فرماتا ہے کہ سَيَجْزِي اللّٰهُ الشَّكْرِيْنَ۔ اور اسی نکتہ کی بناء پر اَلَّذِيْنَ

يَشْكُرُوْنَ نہیں فرمایا اور اس کے برعکس يَكْفُرُوْا اور كَافِرٌ يَّا يَشْكُرُ اور مُشْكِرٌ میں بھی یہی معنوی فرق موجود ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنۡ يَّسْأَلَ اللّٰهَ اَنْ يَّعْزِمَ عَلٰى نَفْسٍ اَنۡ تَمُوتَ اَوْ اَنۡ تَحْيٰى ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ

انسان پر موت آسکتی ہی نہیں تو پھر قتل کے خوف سے جہاد ترک کرنے کا مطلب ہی کیا ہے؟ کیونکہ ہر دلی آئی ہوئی موت کو ٹال نہیں

سکتی اور جہاد مقرر شدہ میعاد سے قبل موت کو لا نہیں سکتا (مجمع)

وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا ۖ جَوَّضَ لَهَا نَفْسًا ۖ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشَّكْرِيْنَ

وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا ۖ جَوَّضَ لَهَا نَفْسًا ۖ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشَّكْرِيْنَ

وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا ۖ جَوَّضَ لَهَا نَفْسًا ۖ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشَّكْرِيْنَ

وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا ۖ جَوَّضَ لَهَا نَفْسًا ۖ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشَّكْرِيْنَ

وَكَايْنِ مَنْ نَبِيٍّ قَتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي

اور بہت پیغمبر (گذرے ہیں) کہ اڑیں ان کے ہمراہ ہو کر جماعتیں کثیر پس وہ نہ سست ہوئے (بعد ان مصائب کے جو

سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ﴿۱۶۶﴾

ان کو راہِ خدا میں پہنچے اور نہ کمزور ہوئے اور نہ دبے اور اللہ صابرین کو دوست رکھتا ہے

ہوگا چنانچہ جناب رسالتؐ سے مروی ہے کہ مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا بَعَثَ الْآخِرَةَ فَمَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ
یعنی جو شخص عملِ آخرت کے ذریعہ سے دنیا کا طالب ہو گا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا (مجمع)

وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ ۝۱۶۷
جنگِ احد میں حضرت علیؑ کا کردار

حضرت امیر علیہ السلام کو اُجد کے دن ساٹھ زخم لگے حضرت رسالتؐ نے اتم سلیم اور اتم عطیہ کو زخموں کی مرہم پٹی پر متعین فرمایا تو انہوں نے آخر خدمتِ نبویؐ میں عرض کی حضورؐ جب ہم ایک جگہ کا علاج کرتی ہیں تو دوسرا زخم پھٹ جاتا ہے لہذا ہمیں اس سے خطرہ محسوس ہوتا ہے پس آپ بنفس نفیس نمود تشریف لے گئے اور دوسرے مسلمان بھی عیادت کی غرض سے حاضر ہوئے زخم اس قدر کشادہ اور قریب قریب تھے کہ سبیل کر ایک ہی زخم بنا ہوا تھا پس حضورؐ اپنے دستِ شفا کو اوپر پھیرنے لگے اور فرماتے جاتے تھے کہ جس شخص نے اللہ کی راہ میں یہ تکالیف و آلام برداشت کئے اس نے اپنا حق ادا کر دیا پس آپ جس زخم پر ہاتھ پھیرتے تھے وہ زخم بالکل مندمل ہو جاتا تھا اور حضرت علیؑ کی زبان پر جاری تھا الْحَمْدُ لِلّٰهِ اِذْ لَمْ اُؤَدِلِ الدُّبُّ شَكَرَ بِهٖ خُذًا كَمَا كَمْ مِیْنِیْ فَرَارَ مِنْہِیْ كِیَا اور میدانِ کارزار سے کنارہ نہیں کیا پس خداوندِ کریم نے قرآن میں دو جگہ حضرت علیؑ کی شکر گزاری کو سراہا ایک اس سے پہلی آیت چنانچہ فرمایا - وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ اور دوسری یہ آیت کہ فرماتا ہے - الشَّاكِرُونَ اور تفسیر میزان میں ہے کہ صیغہ صفت کے ساتھ پورے قرآن مجید میں شاکر کا اطلاق کسی شخص پر نہیں ہوا جس کی خدا نے مدح کی ہو۔ سوائے ان بزرگوار ہستیوں کے جو جنگِ احد میں ثابت قدم رہے اس لئے کہ یہ دونوں آیتیں باتفاق مفسرین جنگِ احد کے واقعہ سے تعلق رکھتی ہیں اور یہ بھی اربابِ تاریخ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حضرت علیؑ جنگِ احد میں ثابت قدم رہے پس حضرت علیؑ ہی وہ ذات ہے جس میں شکر کی صفت پختگی دوام اور ملک کی حیثیت سے ہے جس کو بالفاظِ دیگر اخلاص کہا جاسکتا ہے جیسے کہ بیان ہو چکا ہے۔

مَعَهُ - ترکیبِ نحوی کے لحاظ سے نبیؐ کی وصف ہے یا قاتل کے فاعل سے حال ہے۔

رَبِّيُّونَ - اس میں چند اقوال ہیں۔ یہ جمع ہے ربیؑ کی اور یہ مثل رَبَّانِیُّ کے ہے اس کا معنی ہے وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ

مقتضی ہوں اور ان کا شغل کسی دوسری طرف نہ ہو یعنی اللہ کی عبادت سے ہی تسک رکھتے ہوں (۲) ربیٰ کی جمع ہے جس کا معنی ہے ایک ہزار اور جمع کی صورت میں اس کا معنی کئی ہزار ہوگا (میزان) (۳) اس کا معنی ہے علما و فقہا (۴) اس کا معنی ہے بہت سی جماعتیں (۵) امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس کا معنی ہے دس ہزار (۶) ربیٰ تابع کو کہتے ہیں اور ربائی والی کو کہتے ہیں۔ (جمع)

قرأت کے اعتبار سے ابن عباس نے قتل پڑھا ہے اور ابن مسعود نے قائل پڑھا ہے تو ابن عباس کی قرأت کے مطابق قتل کا نائب فاعل یا تو ربیون ہوگا اور یا ضمیر ہوگی جو نبی کی طرف راجع ہے۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ نبیوں کے ہمراہ ہو کر لڑنے والوں میں سے قتل ہو جانے والوں کے بعد جو لوگ بچ گئے تھے ان میں بزدلی یا سستی پیدا نہ ہوئی اور وہ پہلے کی طرح مصروف جہاد رہے اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ بہت سے نبی گذرے ہیں کہ بوقت جہاد ان کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں ان کے صحابی موجود تھے لیکن جب وہ نبی قتل ہو گیا تو ان کے بعد بھی ان کے ہمراہی مصائب سے گھبرا کر سست نہ ہوئے اور نہ کمزور ہوئے اور نہ دشمن کے سامنے دب کر رہے بلکہ وہ اپنے ایمان پر ثابت قدم رہتے ہوئے باقاعدہ مصروف جہاد رہے پس نبی یا اس کے ہمراہیوں کی یہ شان ہے کہ وہ کمزوری اور بزدلی کا مظاہرہ نہ کریں۔ یہاں خدا اُحد والوں کو تنبیہ فرما رہا ہے کہ بالغرض اگر نبی قتل ہو بھی جاتا جیسا کہ میدان اُحد میں چھوٹی افواہ پھیلا دی گئی تھی۔ تب بھی مسلمانوں کو بزدل نہیں ہونا چاہئے تھا جیسا کہ انبیاء کے ساتھ رہنے والوں کی شان ہے کہ وہ نبیوں کے قتل ہو جانے کے بعد کمزوری کا احساس نہیں کرتے چنانچہ دور سابق میں بہت سے نبیوں کے ساتھ ایسا ہوا ہے اور ان کے ساتھی ثابت قدم رہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے یہی معنی مروی ہے۔

حضرت علی کا امتیاز تفسیر برہان میں اختصا ص مفید سے ستر منقبت والی حدیث میں سے یہ حصہ منقول ہے کہ من جملہ مناقب علی کے جن میں آپ کو اختصاص حاصل ہے ایک یہ ہے کہ آپ میں دامن و استگانت نہیں تھی۔ چنانچہ جنگ اُحد میں آپ کو اتنی ایسے زخم لگے تھے کہ دوائی ایک زخم میں ڈالی جاتی تھی تو دوسرے زخم سے نکل آتی تھی۔ جب جناب رسالت عیادت کے لئے تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت علیؓ چڑھے کے بستر پر پڑے تھے اور آپ کا جسم خون سے بالکل رنگین تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ کی راہ میں اس قدر تکلیف پہنچے تو سزاوار ہے کہ اللہ بھی اس کے ساتھ وہ کرے جو اس کی ذات کے شایان ہے تو حضرت علیؓ نے چشم گریان سے عرض کی۔ میرا ماں باپ آپ پر فدا ہو۔ میں اس بات پر اللہ کی حمد بجالاتا ہوں کہ میں نے آپ سے پشت نہیں پھیری اور فرار نہیں کیا۔ میرا ماں باپ آپ پر نثار ہو مجھے بتائیے کہ میں درجہ شہادت سے محروم کیوں ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس درجہ پر بھی آپ انشاء اللہ فائز ہوں گے۔ پس فرمایا کہ ابوسفیان کو پھر حمرا لاسد پر ہماری انتظار رہے تو حضرت امیر علیہ السلام نے نہایت اطمینان و سکون سے عرض کی حضور! میرا ماں باپ آپ پر نثار۔ خدا کی قسم اگر میں چلنے کے قابل نہ ہوں گا اور دوسرے لوگ مجھے اٹھا کر لے جائیں

وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَ

اور انہوں نے کوئی بات نہ کہی مگر یہ کہا اے پروردگار ہمارے گناہ بخش دے اور

إِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبَّتْ أقدامَنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۱۴﴾

ہماری کوتاہی اپنے معاملہ میں اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہماری نصرت فرما کافر لوگوں پر

فَاتَّهَمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ط وَاللَّهُ

پس دیا ان کو اللہ نے ثواب دنیا کا اور بہترین ثواب آخرت کا اور اللہ

يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۵﴾

احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

گے تو یہ منظور ہے اور آپ کو تنہا بھیج کر گھر میں رہنا ہرگز پسند نہیں کروں گا۔ پس خداوند کریم نے قرآن مجید کی یہی آیت بھیجی
وَكَايَتُنِي مِنَ الْيَسْبِي وَالْحِجَابِ اور اس سے پہلے وہ آیت بھیجی جو گزر چکی ہے وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَبْهَتَ الْيَاسِيں ہم آپ
نے اپنے زخموں کی تکلیف کی شکایت تک نہ کی۔ یہاں تک کہ وہ دعوتیں جو علاج اور تیمار داری پر مامور تھیں ان سے رہا نہ گیا اور
بول اٹھیں کہ حضور! ہمیں علیؑ کے زخم تشویشناک معلوم ہوتے ہیں اور ہمیں ڈر لگتا ہے کیونکہ ایک زخم میں جب ہم کپاس داخل کرتی
ہیں تو وہ دوسرے زخم سے نکل آتی ہے اور باوجود اس کے حضرت علیؑ درد کی شکایت منہ پر نہیں لاتے۔

وَمَا كَانَ الْيَسْبِي۔ خداوند کریم گذشتہ انبیاء کے ہمراہیوں کی ثبات قدمی اور دعاؤں کی نقل فرما کر اصحاب جناب رسالتؐ
کو سبق دے رہا ہے کہ تمہیں بھی یہی کرنا چاہیے۔

فَاتَّهَمُ اللَّهُ۔ دنیا کے ثواب سے مراد فتح و نصرت اور حصول غنیمت اور آخرت کے ثواب سے مراد جنت و مغفرت ہے۔
اقول :- اس جنگ میں ثابت قدم رہنے والوں اور استحقاق جزا رکھنے والوں کو خدا نے شاکرین، صابرین اور محسنین کے
مقدس خطابات سے نوازا ہے اور چونکہ حضرت علیؑ ہی ثابت قدم رہے تو یہ خطابات قرآنی انہی کے ساتھ اختصاص رکھتے ہیں۔
روایات میں حضرت علیؑ کے زخموں کی تعداد ساٹھ سے لے کر نوے تک ہے اور ان روایات میں جمع ممکن ہے۔ لہذا یہ منانا
نہ سمجھنی چاہیے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ

اے ایمان والو! اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرو گے جو کافر ہیں تو وہ تمہیں پھیر دیں گے اٹھے پاؤں

فَتَقَلِّبُوا خَسِرِينَ ﴿١٤٩﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ﴿١٥٠﴾

پس تمہارا انجام خسار ہوگا بلکہ اللہ تمہارا مولا ہے اور وہی بہتر مددگار ہے

سَلِّقُوا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللّٰهِ مَالَهُمْ

عقرب ڈالیں گے ہم ان لوگوں کے دلوں میں جو کافر ہیں رعب اس لئے کہ انہوں نے شریک کیا اللہ کا

يُنَزِّلُ بِهِ سُلْطَانًا وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ وَبِئْسَ مَثْوًى لِلظَّالِمِينَ ﴿١٥١﴾

اس کو کہ نہیں نازل کی اس نے اس پر کوئی دلیل اور ان کی بازگشت دوزخ ہے اور بُرا ٹھکانہ ظلم کرنے والوں کا

رکوع نمبر

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا - مجمع البیان میں حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب مسلمان ہزیمت خوردہ جنگ اُمد سے واپس آئے تو منافقین نے ان کے کان بھرنے شروع کر دیئے کہ دیکھئے تم اپنی سابق برادری سے جا ملے اور امنی کا دین اختیار کر لیجئے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ نے ہزیمت خوردہ مسلمانوں سے یہ باتیں کہی تھیں تاکہ ان کے ساتھ ظاہر اظہار مہر دی کر کے اُمدہ کے لئے ان کو جہاد کرنے سے باز رکھیں پس خدا نے ان کی شرارت باطنی اور خبیث قلبی کا پردہ چاک فرماتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی تاکہ مسلمان ان کے اس دھوکا میں نہ آسکیں۔

سَلِّقُوا - مجمع البیان میں اس کے شان نزول کے متعلق ہے کہ جب کفار قریش جنگ سے واپس ہوئے۔ تو ابوسفیان نے جاتے ہوئے کہا کہ ہم نے مسلمانوں کو قتل کیا اور ان کو خوب مار بھگایا لہذا ہمیں واپس پلٹ کر مدینہ میں غارت کرنی چاہیئے پس خدا نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا اور انہیں واپس پلٹنے کی جرأت نہ ہو سکی چنانچہ اس کی بھی قدرے تفصیل گزر چکی ہے۔ روایت میں ہے کہ کفار مکہ میں اس طرح داخل ہوئے جس طرح کوئی شکست خوردہ انسان ہوتا ہے انہیں یہ ڈر تھا کہ کہیں جناب رسالت اب اور ان کے صحابی ہمارا تعاقب کر کے ہمیں قتل نہ کر ڈالیں اور حضورؐ نے فرمایا کہ میری ایک ماہ کی مسافت کے برابر رعب سے نصرت کی گئی ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُونَهُمْ بِأَذْنِهِ حَتَّى إِذَا فَشِلْتُمْ وَ

اور تحقیق پورا کیا تمہارے ساتھ اللہ نے وعدہ اپنا جبکہ تم ان کو قتل کر رہے تھے اس کے اذن سے یہاں تک کہ جب تم

تَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ مَا تُحِبُّونَ مِّنْكُمْ

بزدل ہوئے اور جھگڑا کرے معاملہ میں اور بے فرمان ہوئے بعد اس کے کہ اس نے دکھائی تمہیں وہ چیز جسے تم چاہتے تھے تم میں

مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ

بعض چاہتے تھے دنیا کو اور بعض چاہتے تھے آخرت کو پس تم کو پھیر دیا ان سے تاکہ تمہیں آزمائے

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۵۲﴾

اور تحقیق اس نے معاف کر دیا تمہیں اور اللہ صاحبِ فضل ہے ایمان والوں پر

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ - خدا نے وعدہ فرمایا تھا کہ اگر تم صبر کرو گے اور نافرمانی سے بچو گے اور کافر فوراً یا اپنے جوش کے ساتھ
ابھی آجائیں تو خدا تمہاری سلائیہ بھیج کر امداد فرمائے گا۔ یا اس وعدہ سے وہ وعدہ مراد ہے جو جناب رسالتؐ نے فرمایا تھا کہ
عبداللہ بن جبیر کے ساتھ دُورے پر ثابت رہنا اور اگر تم نے درہ کو نہ چھوڑا تو ہم غالب ہو کر رہیں گے۔ (مجمع)
حَتَّى إِذَا فَشِلْتُمْ - اظہارِ بزدلی اور باہمی جھگڑا اور نافرمانی سے مراد وہی ہے کہ جب کفار بھاگے اور مسلمان لوٹ میں پڑ گئے
تو عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے جھگڑا شروع کر دیا بعض ثابت قدمی کی طرف تھے اور بعض لوٹ کو پسند کر رہے تھے۔ پس
آخر کار ان سے نافرمانی سرزد ہوئی اور ان سے درہ چھوٹا جس کی بدولت شکست کا سامنا کرنا پڑا یہاں اِذَا شَرْطِيہ کی جرحِ احمدیہ
ہے کہ جب تم نے بزدلی کی تو تمہیں مصائب میں گرفتار ہونا پڑا۔

ثُمَّ صَرَفَكُمْ - یعنی تمہاری نافرمانی اور بزدلی کے بعد بطور آزمائش کے خدا نے تمہاری فتح و غلبہ کا رخ ان سے پھیر دیا
پس وہ غالب آگئے یا یہ کہ مقامِ حراءِ الاسد سے جب کفار نے واپسی کا قصد کیا تھا تو خدا نے ان کے دلوں میں رُعب ڈال
دیا اور مسلمانوں کو ان کے تعاقب کے حکم سے روک دیا۔ مجمع البیان میں بروایت واحدی سہل بن سعد انصاری سے منقول ہے
کہ جب رسالتؐ اُمد سے پلٹے اور اُن کا دانت مبارک شہید ہو چکا تھا اور سرِ پاک پر بھی زخم تھا تو جناب قبولِ معطلہ آپؐ
سے خون دھوتی تھیں اور حضرت امیر علیہ السلام پانی ڈالتے تھے لیکن خون نہیں رکتا تھا پس نبی بی پاک اٹھیں اور انہوں نے
چٹائی کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور اس کو جلا کر اس کی راکھ کو زخم پر رکھا پس خون رگ گیا۔

إِذْ تَصْعَدُونَ وَلَا تَلُون عَلَى أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ

جب تم بھاگے جاتے تھے اور نہ پرواہ کرتے تھے کسی کی حالانکہ رسول بلا رہا تھا تم کو پیچھے سے

فِي أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَى مَا فَاتَكُمْ

پس دیا (خدا نے) تمہیں ایک غم بدلے غم کے تاکہ تم غمگین نہ ہو اور اس چیز کے جو تم سے فوت ہوئی

وَلَا مَا آصَابَكُمْ وَاللَّهُ مُخَبِّرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۵۳﴾

اور نہ اس پر جو تمہیں پہنچی اور اللہ آگاہ ہے جو تم عمل کرتے ہو

فرار صحابہ بروزِ احد | اِذْ تَصْعَدُونَ (۱) اصعد اور صعود میں یہ فرق ہے کہ اصعد ہموار زمین میں جانے کو کہتے ہیں اور صعود بلندی پر چڑھنے کو کہا جاتا ہے جس طرح حماسی کے شعر میں ہے۔

هُوَ يَمَعَ التَّوَكُّبِ الْيَمَانِيِّ مَصْعِدًا۔ بعضوں نے یہاں تَصْعَدُونَ کی بجائے تَصْعَدُونَ پڑھا ہے تاکہ اس کا مصدر صعود ہو جائے کیونکہ بھاگنے والے اس روز پہاڑوں پر چڑھ رہے تھے اور فرار کا قول ہے کہ اصعد ہر سفر کی ابتداء کو کہا جاتا ہے جیسے کہ انخدار اس کے مقابلہ میں واپسی پر بولا جاتا ہے۔

وَلَا تَلُون۔ کوئی بلوئی لیتا کے باب سے ہے اس کا معنی ہے گردن مروڑ کر پیچھے کی طرف التفات کرنا اور اس معنی میں اس کا استعمال ہمیشہ نفی کے صیغہ سے ہی ہوا کرتا ہے (مجمع)

فِي أُخْرَاكُمْ۔ آخری ادائی کے مقابلہ میں ہوتا ہے گویا لوگ کئی جماعتوں میں ہو گئے تھے اور سب آخری گروہ میں حضورؐ تھے باقی سب لوگ آگے آگے دوڑے جارہے تھے پس آپؐ پیچھے سے سب کو بلا رہے تھے اور ان سے کوئی ٹکر بھی نہیں دیکھتا تھا (میزان) بیضاوی میں ہے کہ حضرت یہ بھی فرماتے تھے کہ جو واپس آئے گا میں اس کے لئے جنت کا عائن ہوں لیکن کوئی نہیں سنا تھا۔

فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ۔ پس اس نے تم کو ایک غم دے دیا بجائے اس غم کے جو تم کو پہنچنے والا تھا وہ مذموم تھا یعنی لوٹ و غنیمت کے ہاتھ سے چلے جانے کا غم اور فتح کا شکست سے بدل جانے کا غم۔ پس اس کے بدلہ میں تم کو خدا نے حسرت و ندامت کا غم دے دیا تاکہ اس غم سے تمہاری خلاصی ہو جائے لہذا دوسرے غم کے ساتھ باء جار عرض کے لئے ہوگی گویا یہ غم اللہ نے اس غم مذموم کے بدلہ میں ان کو دے دیا اور یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ باء جارہ سبیت کے لئے ہو اور معنی یہ ہو کہ خدا نے تمہیں بھاگنے کا غم دے دیا بسبب اس غم کے جو تمہارے باہمی جھگڑے اور نافرمانی سے درہ کو چھوڑنے کے بعد تمہیں لاحق ہوا تھا کہ کفار تم پر ہر طرف سے حملہ آور ہو گئے تھے۔

ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنَةً نُّعَاسًا يَغْشَى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ

پھر نازل فرمایا تم پر غم کے بعد امن (یعنی نیند جو چھا گئی ایک گروہ پر تم میں سے اور ایک گروہ کو

وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ

تو فکر دامن گیر ہو رہا تھا اپنی جانوں کا لگان کرتے تھے اللہ پر ناحق گمان

الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ

جاہلیت کا کہتے تھے کیا ہمارے لئے اس بارہ میں کچھ ہے (فتح و نصرت) فرمائیے معاملہ

كُلَّهُ لِلّٰهِ يُخَفُّونَ فِي أَنفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ

سب اللہ کے بس میں ہے وہ چھپاتے ہیں اپنے دلوں میں جو نہیں ظاہر کرتے آپ پر کہتے ہیں اگر ہوتا ہمارے لئے

لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قَتَلْنَا هَٰؤُلَاءِ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ

اس بارہ میں کچھ (فتح و غلبہ) تو ہم قتل نہ کئے جاتے یہاں فرمائیے اگر تم ہوتے اپنے گھروں میں تب بھی

الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَسْتَلِيَّ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ

مذکور نہ کھتے وہ جن پر لکھا جا چکا ہے قتل ہونا طرحت اپنی خواجگاہوں کے اور تاکہ آزمائے خدا تمہارے سینوں

وَلِيُخَصَّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۱۵۹﴾

کی باتوں کو اور تاکہ خالص کرے تمہارے دلی افادوں کو اور خدا جاننے والا ہے سینوں کی باتوں کو

ثُمَّ أُنْزِلَ - اس کا سبب یہ تھا کہ جب کفار نے واپس آنے اور مدینہ کے لوٹنے کی دھمکی دی اور خدا نے ان کے تعاقب کا حکم دیا تو مومنین لڑنے کے لئے تیار ہو گئے پس خدا نے ان پر امن و سکون کو طاری کیا کہ ان کو نیند آگئی اور منافقین قتل اور لوٹ مار کے ڈر سے بے چین رہے اور ان کی آنکھوں سے نیند اڑ گئی تھی ممدوی ہے کہ صفت بہتہ حالت میں ان پر نیند کا غلبہ ہوا تھا کہ تلواریں ہاتھ سے گر پڑتی تھیں اور پھر اٹھالیتے تھے (صافی)

صاحب تفسیر میزبان نے کہا ہے کہ اس مقام پر مومنوں کے دگر وہ ہو گئے تھے ایک خالص اور سچے عقیدہ والے جنہوں نے

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ

تحقیق وہ لوگ جو بھاگ گئے تم میں سے جس دن فریقین میں لڑائی ہوئی صرف ان کو شیطان ہی نے پھیلایا تھا جو جو ان کے

مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾

بعض کرتوتوں کے اور تحقیق معاف کر دیا اللہ نے ان سے کیونکہ اللہ بخشنے والا صاحبِ علم ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ مَہَاگنے والوں کے متعلق ہے کہ دنیاوی حرص اور غنیمت کے طمع اور رسول کی نافرمانی کی بدولت ہی ان پر

شیطان نے قبضہ پالیا اور آخر کار میدانِ جہاد کو چھوڑ بھاگے۔ فلکِ نباتات میں تاریخِ خمیس ص ۲۲ مطبوعہ مصر سے منقول ہے
قَالَ ابُو بَكْرٍ لَّمَّا صَرَفَ النَّاسُ يَوْمَ اَحَدٍ عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ فَاَوَّلُ مَنْ فَاءَ۔

ترجمہ: حضرت ابو بکر فرماتے ہیں جب احد کے دن لوگ جناب رسالت کی کو چھوڑ بھاگے تو میں سب سے پہلا واپس آنے والا تھا اور ازالۃ الخفاء ص ۱۶۵ سے منقول ہے کہ عن کلب قال خطبنا عمر فکان یقرء علی المنبر
ال عمران ثم قال تفرقنا عن رسول اللہ یوم احد فصعدت الجبل۔

ترجمہ:۔ کلب راوی کہتا ہے کہ حضرت عمر ایک مرتبہ خطبہ میں سورہ اٰلِ عِمْرَان پڑھ رہے تھے تو فرمایا کہ احد کے دن ہم رسول اللہ کو چھوڑ گئے تھے اور میں پہاڑ پر چڑھ گیا تھا۔

اور مدارج النبوة ص ۱۶۵ سے منقول ہے کہ جب مسلمان رسول کو تنہا چھوڑ کر بھاگے تو حضور کو غصہ آیا حتیٰ کہ پیشانی نورانی سے عرق کے قطرات مروارید کے دانوں کی طرح گر رہے تھے آپ نے دیکھا کہ علی پہلوئیں کھڑے ہیں فرمایا علی تو ان لوگوں کے ساتھ نہ بھاگا؟ تو عرض کی لا اَکْفُرُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ میں ایمان لانے کے بعد کفر نہیں کر سکتا۔ گویا اس روایت کی رو سے حضرت علی کے نزدیک فرار کرنے والے کافر ہو گئے تھے۔

اور نیز تفسیر درمنثور سیوطی سے بروایت ابن جریر کلب سے منقول ہے کہ حضرت عمر نے جمعہ کے خطبہ میں یہی آیت
یَوْمَ التَّقٰی الْجَعْلَانِ الخ تلاوت فرمائی تو کہنے لگے احد کے دن جب ہم بھاگے تھے تو میں پہاڑ پر چڑھ گیا تھا اور میں پہاڑی بکرے کی طرح پہاڑ پر کود رہا تھا لفظ یہ ہیں وَقَدْ رَأٰی بَنِي اَنْزَلُوْکَ اَنْیٰ اَرٰوْیْہِ اس وقت لوگ کہہ رہے تھے کہ محمد قتل ہو گیا ہے تو میں نے کہا خبردار میرے سامنے کوئی محمد کے قتل کا نام نہ لے ورنہ میں اسے قتل کر دوں گا اور تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۴۳، ۴۴ مطبوعہ مصر میں ہے کہ جب لوگ احد کے دن بھاگے تو کچھ واپس مدینہ میں پہنچ گئے سب سے پہلے سعد بن عثمان نے مدینہ میں پہنچ کر خبر دی کہ جناب رسالت قتل ہو گئے ہیں اس کے بعد باقی لوگوں نے پہنچنا شروع کر دیا جب وہ اپنی عورتوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہنا شروع کر دیا کیا تم رسول اللہ کو چھوڑ کر بھاگ آئے ہو۔ حتیٰ کہ وہ ان کے منہ پر

خاک ڈالتی تھیں اور کہتی تھیں کہ تم چہرے کر گھر بیٹھ رہو۔ قتال کتنا ہے جہاں تک اخبار سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کچھ لوگ بھاگے جن میں سے بعض مدینہ آگئے اور بعض ادھر ادھر چلے گئے اور اکثر لوگ مہاجر کی طرف چلے گئے اور وہاں جمع ہو گئے اور بھاگنے والوں میں سے حضرت عمر بھی تھے۔ لیکن وہ پہلے بھاگنے والے نہیں اور اتنے دُور بھی نہیں گئے تھے بلکہ وہیں مہاجر پر چڑھ گئے تھے اور حضرت عثمان بھی بعض انصار کے ہمراہ بھاگے لیکن یہ بہت دُور نکل گئے تھے۔ اور تین روز کے بعد واپس ہوئے تھے۔ جناب رسالتاً نے فرمایا تھا۔ آپ تو بہت دُور نکل گئے تھے؟ اختصار کے پیش نظر اصل عبارت عربی کو ترک کر دیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ۔ اس فقرہ میں اعتذار و ندامت کے بعد ان کی معافی کا تذکرہ ہے اور خطاب عام ہے لہذا معافی کا معنی تمام لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے فرار کیا تھا اور اس میں دونوں گروہ شامل ہیں وہ بھی جن پر امن و سکون کی نیند طاری کر دی گئی اور وہ بھی جو اس سکون سے محروم رہ گئے تھے۔ البتہ پہلے گروہ کو جس مدحیہ رنگ میں خطاب فرمایا ہے جس طرح آیت گذشتہ کے لب و لہجہ سے ظاہر ہے اس گروہ کے متعلق اس خصوصیت کا اظہار نہیں کیا گیا۔ صرف یہ ہے کہ خدا نے ان کی اس لغزش کو دامن عفو میں جگہ دے دی ہے پس ان کو اس پر سزا نہ دے گا کیونکہ وہ صاحبِ علم ہے پہلے گروہ کے متعلق اس سے پہلے یہ ارشاد تھا کہ یہ تمہاری شکست تمہاری آزمائش کے لئے تھی اور خدا نے تمہیں پھر معاف کر دیا اور خدا مومنین پر صاحبِ فضل ہے آیت ۱۵۲۔ پھر فرمایا تمہارا یہ غم اللہ کے اسی فضل و کرم کے پیش نظر اس غم مذموم کے بدلے میں تمہیں دیا گیا جو عنقریب تمہیں لاحق ہونے والا تھا۔ آیت ۱۵۳ اور پھر غم کے بعد تمہیں امن و سکون دیا گیا۔ اور نیند غالب کر دی گئی الخ یہ معافی کے الفاظ اور اس کے ساتھ ساتھ مدحیہ جملے اسی پہلے گروہ کے لئے مخصوص ہیں جن کا ایمان دلوں میں پختہ تھا لیکن ان سے لغزش ہو گئی تھی اور بعد میں فوراً سمجھ گئے اور تائب ہو گئے تھے لیکن دوسرا گروہ جو رسول کے متعلق دثینہ عقیدہ رکھنے والا تھا اور رسول کے قتل یا موت کے منکر تھے اور دین کے ہمدرد اس لئے تھے کہ دین غالب ہے پس شکست کا منہ دیکھتے ہی اپنے دلی اور مخفی رازوں کو آشکار کرنے لگ گئے تھے ان کو بھی معافی دے دی گئی لیکن یہ معافی فضل پر مشتمل نہیں۔ اس لئے بعد میں ذو فضل کا استعمال نہیں فرمایا بلکہ یہ معافی اس کے حکم کے پیش نظر ہے جیسا کہ آیت کا اختتام بتا رہا ہے گو یا اس لغزش پر ان کو سزا نہ دی جائے گی جو کہ اس کے حکم کا تقاضا ہے ورنہ یہ لوگ مدح کے قابل نہیں تھے اور اسی قسم والوں پر سابقہ آیت میں ارتداد کا خطرہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ اگر رسول پر موت آجائے یا قتل کئے جائیں تو یہ لوگ دین سے پھر جائیں گے اور کتب صحاح میں مروی ہے کہ بہت سے صحابہ جناب رسالتاً کی وفات کے بعد مرتد بھی ہو گئے تھے جیسا کہ ہم نے مقدمہ تفسیر میں بعض روایات کو مبعہ حوالہ جات نقل کیا ہے اور صرف وہی ثابت قدم رہے جن کے دلوں میں ایمان راسخ تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ

اے ایمان والو! نہ ہو موافق ان کے جو کافر ہوئے اور کہا اپنے بھائیوں کے حق میں

إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا

جبکہ وہ چلے (کاروبار کیلئے) زمین میں یا تھے وہ غازی (پس مرگئے یا مارے گئے) اگر ہوتے

مَمَاتُوا وَمَا قَتَلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ

ہمارے پاس (اور سفر کو نہ ملتے) تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تاکہ کرے اللہ یہ بات باعثِ حسرت ان کے دلوں

وَاللَّهُ يَخْبِي وَيُخَيِّتُ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١٥٦﴾

میں اور اللہ جلتا اور مارتا ہے اور اللہ ساتھ اس کے جو تم عمل کرتے ہو بصیر ہے

رکوع نمبر ۸

لَا تَكُونُوا۔ کہتے ہیں یہ آیت عبداللہ ابن ابی سلول اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اتریں جو منافقین تھے۔ ان کا یہ دستور تھا کہ ان کے بعض ساتھی جب سفر تجارت یا کسی دوسرے دنیاوی کاروبار کی خاطر یا جنگ کی خاطر باہر جاتے اور مرجاتے یا مارے جاتے تھے تو ان کے بارے میں یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ دیکھو ہم گھر میں بیٹھے ہیں لہذا ہمیں کچھ بھی نہیں ہوا اگر وہ بھی ہماری طرح گھر بیٹھے رہتے تو وہ بھی موت اور قتل سے بچ جاتے۔ پس خدا مومنین کو اس مقولہ کی اتباع سے منع فرما رہا ہے کہ جب تم ان کے اس مقولہ کو درخور اعتناء سمجھو گے تو اپنے جی میں خود پچھتاہی گے کیونکہ جب وہ تمہارا عمل اپنی توقع کے خلاف پائیں گے تو انہیں حسرت و ندامت ہوگی۔

لِإِخْوَانِهِمْ۔ کی لام جارہ عن کے معنی میں ہے اور لِيَجْعَلَ کی لام لَا تَكُونُوا کے متعلق ہے اور بعضوں نے اس لام کو عاقبت کے لئے قرار دے کر اس کو قَالُوا کے متعلق کہا ہے تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ کافر لوگ اپنے سفر کرنے اور مارے جانے والے بھائیوں کے حق میں یہ بات کہتے ہیں تاکہ مومنوں کو جہاد سے روک دیں اور چونکہ مومنوں نے ان کی اس بات سے اثر نہ لیا اور جنگ کے لئے نکل پڑے اور فتح و کامرانی بھی ان کو نصیب ہوئی اور مال غنیمت بھی ہاتھ آگیا تو ان کے دلوں میں وہ بات الٰہ باعثِ حسرت بن گئی کیوں کہ انہوں نے تو مومنوں کو روکنے کے لئے یہی تھی لیکن عاقبت و انجام کے لحاظ سے وہ ان کے لئے باعثِ حسرت بن گئی اور آیت کی طرز بتلاتی ہے کہ مومنین کے دلوں میں اس قسم کے دساوس پیدا ہوئے ہیں

وَلَيْنُ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَغْفِرَةً مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةً خَيْرٌ

اور اگر تم قتل ہو جاؤ یا وہ خد میں یا مر جاؤ تو البتہ بخشش اللہ کی اور رحمت بہتر ہے

مِمَّا يَجْعَلُونَ ۝ وَلَيْنُ مُتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَهِ تَحْشَرُونَ ﴿۱۵۸﴾

اس (مال) سے جو وہ جمع کرتے ہیں اور اگر تم مر جاؤ یا قتل کئے جاؤ البتہ اللہ کی طرف ہی تمہارا حشر ہوگا

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ

پس ساتھ مہربانی خدا کے آپ نرم ہیں ان کے لئے ورنہ اگر آپ بدخلق سخت دل ہوتے تو یہ لوگ

لَا انْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ

بھاگ جاتے آپ کے پاس سے پس ان سے درگزر کیجئے اور ان کے لئے استغفار کیجئے اور ان کو شریک

فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿۱۵۹﴾

مشورہ بنائیے پس جب عزم کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کریں تحقیق اللہ بھروسہ کرنے والوں کو درست رکھتا ہے

تھے کیونکہ جنگ اُحد میں بڑے بڑے اکابر شہید ہو گئے تھے پس خدا نے ان کو اس خیال اور بذلتی سے روک دیا کہ ایسا ہرگز خیال نہ کرو۔ اس جنگ میں ستر شہداء میں سے صرف چار مہاجر اور باقی ۶۶ انصار قتل ہوئے تھے جن کی فہرست ص ۴۲ پر پہلے گزر چکی ہے اس سے اندازہ خوب ہوتا ہے کہ اس دن لڑائی میں زیادہ حصہ لینے والے انصار تھے اور مہاجرین نے

ای بھاگنے میں سبقت لی تھی۔ واللہ اعلم

فِي سَبِيلِ اللَّهِ: تفسیر یہ ان میں کتب معتبرہ سے بطرق متعدد امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جابر نے آپ سے اسی آیت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کیا تم سبیل اللہ کو جانتے ہو؟ اس نے عرض کی حضور! جب تک آپ کی زبان دُرفشاں سے نہ سنوں مجھے بذات خود کوئی علم نہیں پس آپ نے فرمایا علیؑ اور اس کی قدرت سبیل اللہ میں اور جو شخص علیؑ کی ولایت میں قتل کیا جائے اس کی موت فی سبیل اللہ واقع ہوتی ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ: کلام سابق میں چونکہ قدرے توجیح و سرزنش تھی فرار کرنے والوں کے لئے۔ لہذا اب کلام کا رخ تبدیل کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ بفضل خدا آپ رحم دل اور نرم خود واقع ہوئے ہیں ورنہ اگر آپ میں سختی اور بدخلقی کا مظاہرہ ہوتا تو یہ لوگ کب کے آپ سے بھاگ گئے ہوتے پس ان سے درگزر کیجئے

حکم مشورہ

اور ان کے لئے استغفار کیجئے اور جو کام کرنا ہو ان سے مشورہ لیجئے۔

آپ اگرچہ وحی سے موید و مسدود تھے لیکن مشورہ لینے کے چند فوائد ہیں (۱) ان کی دلجوئی مطلوب تھی تاکہ وہ سمجھیں کہ ہماری باتوں کو بھی سرے سے ٹھکرایا نہیں جاتا۔ (۲) امت کے لئے سنت قائم کرنا مطلوب تھا کہ وہ اپنے کاموں کو باہمی مشورہ سے سرانجام دیا کریں اور اسی میں اپنی توہین نہ سمجھیں۔ (۳) صحابہ کی عزت مطلوب تھی۔ (۴) امتحان مطلوب تھا تاکہ خیر خواہ بدخواہ کا باتوں میں پتہ چل جائے۔

باوجودیکہ آپ میں بلندی و برتری کے تمام اسباب موجود تھے (۱) قوم میں بلند (۲) حسب میں برتر (۳) سخاوت میں اپنی مثال خود (۴) شجاعت میں بے نظیر (۵) ذہن و ذکاوت میں اکمل

مکارم اخلاق پیغمبر

(۶) تمام فصحاء و عرب سے فصیح تر اور بایں ہمہ آپ میں فردوسی اور انکساری اس درجہ تک تھی کہ (۱) اپنے پیٹے ہوئے کپڑے کو اپنے ہاتھ سے پوند لگاتے تھے (۲) اپنی نعلین کی اصلاح خود بنفس نفیس فرماتے تھے (۳) گدھے کی سواری کیا کرتے تھے (۴) اونٹ کو گھاس خود ڈالتے تھے (۵) غلاموں کی دعوت کو بھی شرف قبولیت بخشتے تھے (۶) زمین پر بیٹھتے تھے (۷) زمین پر بٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے (۸) اور دین خدا کی دعوت میں قطعاً سستی یا کج روی سے پیش نہ آتے اور تمھکان بھی محسوس نہ فرماتے تعریفاً و کفایتاً تمام مومنین کو اس آیت مجیدہ میں درگزر مجرم کے حق میں دعائے مغفرت، باہمی مشورہ اور سخت کلامی اور بدزبانی سے اجتناب کی دعوت بالعموم دی گئی ہے اور آخر میں توکل اور اللہ کی ذات کی طرف معاملات کی تفویض کا حکم بھی دے دیا گیا ہے خداوند کریم مجھے اور تمام مسلمانوں اور بالخصوص دعویٰ ایمان رکھنے والوں کو سیرت پیغمبر پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے

تفسیر برہان میں کتب معتبرہ سے امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک بدوی بنی عامر کے قبیلہ کا آیا اور اس نے جناب رسالت کے متعلق پوچھا۔ آپ موجود نہ تھے لوگوں نے کہا وہ تفریح کے لئے باہر گئے ہیں۔ وہ ڈھونڈتا رہا۔ آپ نے کسی نے کہا منیٰ میں ہیں کسی نے کہا عرفات میں ہیں لیکن اس کو کہیں بھی نہ مل سکے پھر بتلایا گیا کہ وہ مشعر الحرام میں ہوں گے اس نے دریافت کیا کہ حضور کا حلیہ مجھے بتایا جائے تاکہ ہر ایک سے سوال نہ کرتا پھروں تو بتلایا گیا کہ آپ نہ طویل قامت ہیں نہ پست قد۔ اور نورانی چہرہ۔ بال گھنے۔ پیشانی کشادہ اور ان کے دونوں آنکھوں کے درمیان کی جگہ صغیر۔ ناک بلند جبین مبین وسیع۔ داڑھی گھنی۔ دانت کھلے نچلے ہونٹ پر خال۔ گردن پاک چاندی کی طرح چمکدار۔ کندھے چوڑے پیٹ سینے کے برابر۔ انگلیاں لمبی اور ان کے پورے موٹے سرنگوں ہو کر چلتے ہیں۔ جب مڑ کر دیکھیں تو پورے جسم کو موڑتے ہیں۔ ہاتھ آپ کے بہت نرم ہیں۔ جب کھڑے ہوں تو جب تک پاس والا نہ پیچھے ہٹے آپ پیچھے نہیں ہٹتے اور بیٹھیں تو اس وقت تک اپنی جگہ نہیں چھوڑتے جب تک کہ ساتھی پیچھے اپنی جگہ نہ چھوڑیں پس یہ علامتیں اس بدوی نے یاد کر لیں اور تلاش کے لئے روانہ ہوا اور آخر کار اس نے دیکھ کر آپ کو پہچان لیا۔ اس نے اپنی ناقہ کو حضور کی ناقہ سے آگے کر لیا لوگوں نے منع کرنا چاہا کہ یہ سوء ادب ہے تو آپ نے فرمایا تم کچھ نہ کہو یہ شخص باادب ہے فرمایا۔ اعرابی تیرا کیا مطلب ہے اس نے

إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذُكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي

اگر تمہاری مدد کرے اللہ تو کوئی بھی غالب نہیں ہوگا تم پر اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو کون ہے جو تمہاری مدد

يَنْصُرْكُم مِّنْ بَعْدِهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۹﴾

کرے گا اس کے بعد چاہیے کہ اللہ پر ہی مہربوسہ رکھیں ایمان والے

کہا حضور آپ کے فرستادہ ہمارے پاس پہنچے ہیں اور وہ ہمیں نماز، زکوٰۃ حج اور غسل جنابت وغیرہ کے بجالانے کا حکم دیتے ہیں مجھے اپنی قوم نے تسلی کے لئے بھیجا ہے اور میں آپ سے قسم اٹھا کر پوچھوں گا لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ ناراض نہ ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا میں غصہ نہیں کرتا میرے تورات و انجیل میں یہ اوصاف درج ہیں کہ محمد اللہ کا رسول مجتبیٰ و مصطفیٰ ہے نہ مدگو نہ سخت گیر ہے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں بلکہ احسان سے دیتا ہے اور مجھے ہی قرآن میں فرمایا کہ اگر آپ سخت گیر اور بدکلام ہوتے تو لوگ آپ کے ارد گرد سے ہٹ جاتے۔ پس جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لے۔ اُس نے کہا جس خدا نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کیا ہے کیا آپ اسی کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! مجھے اُسی نے بھیجا ہے پھر اس نے کہا جس ذات کے حکم سے آسمان قائم ہیں اس کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا اس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی اور اُس نے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دے کر آپ کو بھیجا ہے؟ آپ نے جواب دیا۔ ہاں مجھے اُسی نے بھیجا ہے غسل جنابت اور باقی حدود کا حکم بھی اُسی کی جانب سے ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! پس اس نے کہا ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے رسولوں، کتابوں، ایومِ آخر، بعثت، میزان، موقف اور حبلہ حلال و حرام پر بھی ایمان لائے ہیں آپ نے اس کے حق میں دُعائے مغفرت کی مسئلہ توکل کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے بلکہ آیت مجیدہ صاف طور پر بتلا رہی ہے کہ جب کوئی اہم کام باہمی مشورہ سے طے ہو جائے تو پھر اللہ پر توکل کر کے اسے کہہ گزرو یعنی مطلوب تک رسائی کے لئے اس کے اسباب ظاہریہ کی چھان بین مل جل کے کرو اور جب اس میں ایک نتیجہ تک پہنچ جاؤ تو پھر تمہارا کُل اعتماد صرف انہی ظاہری اسباب پر نہ ہونا چاہیے بلکہ اللہ پر توکل کر کے آگے بڑھو کیونکہ بہر حال مطلوب تک رسائی اُسی کی ہی توفیق سے ہوا کرتی ہے پس انسان پر کوشش واجب ہے اور کامیابی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ۔ اللہ کی نصرت دو طرح پر ہے ایک ظاہری غلبہ کے لئے اور دوسری اظہارِ حق کے لئے دلیل و برہان کے طور پر۔ نصرت کی دوسری قسم تو ہمیشہ مومنین کے لئے ہوتی ہے اور اس میں خدا کبھی مومنوں کو اپنی نصرت سے محروم نہیں فرماتا لیکن نصرت کی پہلی قسم سے مومنین بعض اوقات محروم کر دیئے جاتے ہیں تاکہ امتحان و آزمائش کے وقت ثبات قدم اور صبر سے ان کے درجات میں ترقی ہو اور نیز تاکہ مومنین توکل کا غلط معنی ذہن نشین نہ کر لیں کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

اور نہیں بنی کا کام خیانت کرنا اور جو بھی خیانت کرے گا لائے گا خیانت کردہ چیز کو بروز قیامت

ثُمَّ تَوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۶۱﴾

پھر پورا دیا جائے گا ہر نفس کو اپنا کیا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا

بیٹھ جائیں اور یہ سمجھ لیں کہ مہر حال ہم غالب ہی ہوں گے بلکہ ان کو اسباب ظاہر سے کسی وقت غفلت نہ کرنی چاہیے اور غلبہ و نصرت کے لئے اپنی پوری قوت کو عمل میں لانا چاہیے اور ہر وقت خدا و رسولؐ کے احکام کو اپنا شعار بنانا چاہیے اور مہر اللہ پر بھروسہ بھی ہو چنانچہ جنگِ اُحد میں ناکامی انہی فرد گزشتوں کا نتیجہ تھی اور مومنین کے صبر و ثبات قدم کا استمان بھی تھا۔

وَمَا كَانَ - آیت مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے یہ کہہ کر دھوکہ چھوڑ دیا تھا کہ شاید مال غنیمت صرف لوٹنے والوں کے لئے ہوگا اور ممکن ہے کہ جناب رسالتؐ غنیمت کے جمع کردہ مال کو تمام مجاہدین پر تقسیم نہ کریں۔ پس یہ آیت نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ مشرکین نے آپؐ سے خواہش کی تھی کہ قرآن مجید میں جہاں ہمارے دین کی مذمت اور ہمارے خداؤں کی تذلیل کا بیان ہو آپؐ اس کو ظاہر نہ کیا کریں تو یہ آیت اُن کی تردید میں اُتری ان کے علاوہ اور اقوال بھی ہیں جن کا ذکر ناغیر ضروری ہے۔

آیت مجیدہ میں نبیؐ کی شان کو خیانت سے اجل ظاہر کیا گیا ہے حالانکہ ہر مومن کی شان اس سے اجل ہونی چاہیے اور ضمنی طور پر تمام مومنین کو اس سے باز رہنے کی دعوت دی گئی ہے چنانچہ دوسرے فقرے میں اس کو عام بھی کر دیا گیا ہے اور حکم کی اہمیت کے پیش نظر نسبت نبیؐ کی طرف دی گئی ہے کہ جب ایک ناشائستہ فعل کا وبال کسی نبیؐ سے مل نہیں سکتا تو کوئی دوسرا اس سے کس طرح بچ سکے گا۔ مجمع البیان میں جناب رسالتؐ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص اونٹ کی خیانت کرے گا وہ بروزِ محشر اونٹ کو اپنی گردن کے اوپر اٹھا کر لائے گا کہ وہ رینگا ہوگا اور جو گھوڑے کی خیانت کرے گا وہ گھوڑے کو گردن پر اٹھا لائے گا کہ وہ ہنہاتا ہوگا۔ شاید اس مثال سے مراد یہ ہو کہ اس کو بروزِ محشر مجمع عام میں رسوائی نصیب ہوگی اور اس پر ایک علامت لگا دی جائے گی جس سے اس کے جرم کی نوعیت تمام اہل محشر پر ظاہر ہوگی اللہ یہ بات صرف خیانت کے جرم کے ساتھ مختص نہیں بلکہ بروزِ محشر ہر گناہ کے لئے ایک علامت مقرر ہوگی جس سے وہ پہچانا جائے گا بشرطیکہ بغیر توبہ کے اس کی موت واقع ہوئی ہو پس تمام اہل محشر اس کی علامت کو دیکھ کر اس کے گناہ سے مطلع ہوئے اور اس کی علتِ عذاب بھی ہر ایک پر ظاہر ہوگی جس طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔ یَوْمَئِذٍ لَا يَسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ

اَفَمِنْ اَتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْ بَاَعَ بِسَخِطِ مِّنَ اللّٰهِ وَمَا وَدَّ جَهَنَّمُ

کیا جو شخص پیچھے چلے رہے خدا کے رضا کے مقابلے میں اس کے لیے جو پٹا ہو، اتنا برا ہو جیسا کہ خدا کے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہو؟

وَيُسَّ الْمَصِيرَ ۝ هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بِصِرِّ مَا يَعْمَلُونَ ۝ (۱۳۳)

اور وہ بُری بازگشت ہے (یہ لوگ مختلف) درجے رکھتے ہیں اللہ کے نزدیک، اور اللہ آگاہ ہے اس چیز سے جو وہ کرتے ہیں،

اَلنَّاسُ وِلَاجَانُ (اس دن کسی جن انسان سے اس کا گناہ پوچھا نہ جائے گا) علامتوں سے ہی معلوم ہو جائے گا اور ظلم نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اپنی نیکیوں سے بدلہ کم نہ ملے گا بلکہ ہر نیکی کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی کو اپنی برائیوں سے سزا زیادہ نہ ملے گی پس بعض نیکیوں کی جزا کو دگنا یا دس گنا کرنا یا بعض برائیوں کی سزا کو معاف کرنا منافی عدل نہ ہوگا بلکہ عین اس کا فضل و کرم ہوگا۔ حدیث نبوی میں ہے کہ جو شخص آدم مرگاتین چیزوں سے پاک رہے وہ جنت میں داخل ہوگا وہ تین یہ ہیں (۱) تکبر (۲) خیانت (۳) قرضہ (تفسیر رازی)

اَفَمِنْ اَتَّبَعَ - تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے عمار سے فرمایا کہ اس سے مراد آدم ہیں اور مومنین کے لئے درجات ہیں۔ یعنی ہماری دلالت کی بدولت ان کے اعمال میں زیادتی اور درجات میں بلندی ہوتی ہے اور كَمَنْ بَاَعَ بِسَخِطِ مِّنَ اللّٰهِ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے علی بن ابی طالب اور باقی ائمہ طاہرین علیہم السلام کے حق کا انکار کیا جس کی وجہ سے وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے۔

اَقُولُ - آیت مجیدہ کے الفاظ میں عموم ہے اور معصوم نے تاویل کے طور پر اس کے بعض افراد کی ایک واضح نشانی بیان فرمادی ہے۔

هُمْ دَرَجَاتٌ - امام جعفر صادق علیہ السلام کی تفسیر کے ماتحت ہُمْ کا مرجع مَنِ اَتَّبَعَ ہے اور عمومی معنی کے اعتبار سے ضمیر کے مرجع میں بھی تعمیم ہوگی اور درجات سے مراد صاحبان درجات ہیں یعنی اس کا مضاف ذو محذوف ہے پس اس کے معنی میں دو قول ہیں (۱) اللہ کے برگزیدہ لوگ اور اللہ کے مغضوب لوگ مختلف درجات رکھتے ہیں یعنی قسم اول کے لئے جنت اور اس کی نعمتیں ہوں گی اور قسم ثانی کے لئے عذاب جہنم اور ذلت ہوگی (۲) مبتدیوں اور دوزخیوں میں سے ہر ایک کے مراتب الگ ہوں گے کیونکہ جنت کے طبقات مجزا جدا ہیں چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اہل جنت اعلیٰ علیین کو اسی طرح دیکھیں گے جس طرح زمین والے آسمانی ستاروں کو دیکھتے ہیں (مجمع)

اسی طرح جہنم کے درجات ہیں جو ایک دوسرے سے پست ہیں جناب رسالتاً سے مروی ہے کہ کم از کم عذاب قیامت کے دوزخ میں شخص کا ہوگا جس کو جہنم کا جوتا پہنایا جائے گا جس کی حرارت سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔ (تفسیر رازی)

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ

تحقیق: امران فرمایا اللہ نے مومنوں پر کہ بھیجا ان میں ایک رسول انہی

أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ

میں سے جو پڑھتا ہے ان پر اس کی آیتیں اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو تعلیم دیتا ہے کتاب و

الْحِكْمَةَ ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۱۴۲﴾

حکمت کی اگرچہ وہ تھے اس سے پہلے کھلی گمراہی میں

تنبیہ: اصطلاح میں اہل جنت کے لئے درجات اور اہل جہنم کے لئے درجات کا استعمال ہوا کرتا ہے امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک درجہ آسمان دوزخ کے درمیان فاصلہ کے برابر ہوگا (برہان)

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ: جناب رسالت اگرچہ عالمین کے رسول تھے لیکن صرف مومنین کے لئے ان کی بعثت کو اس لئے مخصوص فرمایا کہ ان سے استفادہ صرف مومن ہی کرتے ہیں اور چونکہ بعض لوگوں نے آپ کی نسبت خیانت کی طرف دہی تھی جیہ کہ بیان ہو چکا ہے تو اس آیت مجیدہ میں مزید وضاحت کے طور پر فرماتا ہے کہ یہ رسول تمہارے اپنے میں سے ہے اور اپنی پوری زندگی میں اعلان رسالت سے پہلے ہی اپنی قوم پر صداقت، دیانت و امانت کے لحاظ سے ان کا ڈنکان بج چکا ہے تو پھر ایسے شخص سے خیانت، کیسے صادر ہو سکتی ہے بلکہ یہ تو اللہ کا احسان عظیم و فضل جسیم ہے کہ اُس نے ایسا رسول بھیجا جو تمہاری دینی و دنیاوی فلاح و بہبود کا ضامن ہے۔

مِّنْ أَنفُسِهِمْ: اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ وہ تمہاری قوم میں سے ہے جو تمہارے لئے مزید شرف کا موجب ہے یا یہ کہ اس سے مراد تمہاری جنس سے ہے یعنی جن ملک کی جنس سے نہیں تاکہ ان کی تعلیم و تربیت کو تم آسانی سے سمجھ سکو اور قبول کر سکو۔

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ: تفسیر رازی میں ہے کہ نفس انسانی کے لئے دو قوتیں ہیں۔ (۱) نظریہ (۲) عملیہ اور خداوند کریم نے اپنے حبیب پر قرآن نازل فرمایا تاکہ انسان ان دو قوتوں میں کمال حاصل کر سکے پس تلاوت آیات سے مراد ہے قوت عملیہ کی تکمیل کے لئے اعمال کی تبلیغ اور تزکیہ سے مراد ہے قوت نظریہ کی تکمیل کے لئے معارف، حقائق کی تعلیم اسی طرح کتاب کی تعلیم سے مراد ہے احکام ظاہریہ شرعیہ کا درس اور حکمت سے مراد ہے احکام شرعیہ کے محاسن و اسرار کی تعلیم اور اس میں تنک نہیں کہ حضور انسان کے اعمال و عقائد ہر دو کی اصلاح کے لئے تشریف لائے تھے پس عقائد و تعلیم فرمائے جو ہر عقل سلیم کے لئے قابل قبول ہیں اور اعمال کا وہ درس دیا جو انسانی زندگی کے ہر پہلو میں انسانیت کے وقار کی بلندی کے باعث ہیں۔

أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَهَا قُلْتُمْ أَنَّى هَذَا قُلْ

کیا جب تمہیں پہنچے مصیبت کہ تم پہنچا چکے ہو اس سے دگنی تو کہتے ہو یہ کہاں سے آگئی

هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَا

فرمادیجئے یہ تمہاری اپنی طرف سے آئی ہے تحقیق اللہ اوپر ہر شے کے قدرت رکھنے والا ہے اور ہو

أَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّتَىٰ الْجَمْعِ فِي بَاذِنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۶۶﴾

تمہیں جس دن طے دو گروہ پس وہ اللہ کے علم میں ہے اور تاکہ پرکھے ایمان والوں کو

کردار نفسی اور معاملات خانگی کے علاوہ اقتصادیات معاشیات اور تمدنی اصلاحات کے لئے وہ ناقابلِ تنسیخ و ترمیم قوانین و ضوابط

نافذ فرمائے جو ادیان عالم میں دین اسلام کی سر بلندی و برتری کا امتیازی نشان ہیں

أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُمْ جَنْجَبَدْرٌ فِي كَفَّارِكُمْ سَتَرُوا دَمِي قَتْلُكُمْ كُنْتُمْ تَقْتُلُونَ قُلْتُمْ أَنَّى هَذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ يَوْمَ التَّتَىٰ الْجَمْعِ فِي بَاذِنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۶۶﴾

اور جنگ احد میں مسلمانوں کے ستر آدمی قتل ہو گئے تو مسلمانوں کو بہت دکھ ہوا جس کی خدا حکایت فرما رہا ہے اور ان کو تسلی

دے رہا ہے مسلمان کہتے تھے کہ ہم پر مصیبت کیوں آگئی حالانکہ ہم حق پر تھے ہمیں اللہ کا رسول بھی موجود ہے

تو خدا فرماتا ہے کہ یہ مصیبت تمہاری اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے ہے اور اس کی کئی ایک وجہ بیان کی گئی ہیں۔

۱) مدینہ سے نکلنے سے پہلے رسولؐ نے فرمایا تھا کہ یہاں شہر میں رہ کر ٹہریں تو انہوں نے آپؐ کی مخالفت کرتے ہوئے باہر

جا کر لڑائی کی جس کا نتیجہ وہ ہوا جو ہوا۔

۲) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ بدر کے دن جو کافر قید ہوئے تھے ان کے قتل کا حکم تھا لیکن انہوں نے فدیہ

لینا منظور کیا تھا تو حکم ہوا تھا کہ اگر فدیہ لو گے تو آئندہ سال تمہارے نبی اسی قدر آدمی قتل کئے جائیں گے تو انہوں نے کہا

تھا اب فدیہ لے کر فائدہ اٹھالیں اگر آئندہ سال ہم قتل ہوئے بھی تو درجہ شہادت ہوگا لہذا ہمیں یہ بات منظور ہے

۳) جنگ احد میں عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے درہ جھوڑ دیا تھا جس کا نتیجہ مسلمانوں کا قتل ہوا پس یہی کوتاہیاں ہیں جن

کا اشارہ آیت مجیدہ کر رہی ہے کہ تمہیں جس قدر مصیبت پہنچی ہے وہ سب تمہاری اپنی طرف سے ہے۔

وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّتَىٰ الْجَمْعِ فِي بَاذِنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۶۶﴾

اللہ کو علم ہے اور درحقیقت اللہ کے نزدیک اسی میں ہی بہتری ہے ۲، وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ۔ یعنی یہ تکلیف بطور آزمائش کے

تھی تاکہ کھرے کھوٹے پرکھے جاسکیں اور مومنوں کے ایمان کا پتہ چل جائے مقصد یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے دے گانے میں فرق

وَلْيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْ اِقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اَوْادِفْعُوا

اور تاکہ پرکھے ان کو جو منافق ہیں اور ان کو کہا گیا کہ آؤ ڈرو راہ خدا میں یا دفع کرو (دشمنوں کو)

قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ هُمُ لِلْكَفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ

تو کہنے لگے اگر ہم جانتے تو ضرور تمہارے پیچھے چلتے وہ اس دن کفر کے زیادہ قریب ہیں

لِلْاِيْمَانِ يَقُولُونَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ اَعْلَمُ بِمَا

ایمان سے وہ اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتی اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ

يَكْتُمُونَ ۝۱۷۴ الَّذِينَ قَالُوا الْاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قَتَلُوا

پوشید کرتے ہیں ۱۷۴۔ جنہوں نے اپنے بھائیوں کے متعلق کہا اور خود بیٹھے رہے کہ اگر وہ ہماری بات ملتے تو قتل نہ ہوتے

قُلْ فَاذْرُوعَن اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۷۵

فرما دیجئے کہ بٹا دو اپنے نفسوں سے موت کو اگر تم سچے ہوتو

معلوم ہو جائے ورنہ اللہ کو تو پہلے سچی معلوم ہے۔

وَلْيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْ اِقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اَوْادِفْعُوا

یعنی وہ لوگ جو ظاہری اسلام کا لباس اوڑھ کر اندرونی طور پر کافروں سے ملے ہوئے ہیں ایسے

منافقوں کا بھی عام پتہ چل جائے۔

قِيلَ لَهُمْ ب کہتے ہیں جب جنگ احد کے لئے فوج اسلام تیار ہوئی تو عبد اللہ ابن ابی اور اس کے ساتھی جن کی تعداد

تقریباً تین سو تھی وہ الگ ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہم خواہ مخواہ کیوں اپنے آپ کو قتل کریں پس عبد اللہ بن عمر و انصاری نے ان کو دعوت

جہاد دی اور کہا کہ اگر تم ٹرنا پسند نہیں کرتے تو کم از کم ہمارے ساتھ رہ کر اپنی ناموس کی تحفظ کر دو۔ تو جواب میں کہنے لگے کہ

ہمیں ٹرنا نہیں آتا ورنہ ہم ضرور شریک جہاد ہوتے۔ اور ان کا یہ قول بھی صرف بہانہ تھا جس کو خدا بیان فرما رہا ہے کہ وہ منہ سے

ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتی پس وہ اس فعل سے اپنا پردہ چاک کر بیٹھے کیونکہ مومنوں کو بھی اب کفر کے

قریب نظر آنے لگے چنانچہ اس سے پہلے ان کے دل حال کی مومنوں کو خبر نہ تھی۔

الَّذِينَ قَالُوا اب عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے احد کے مقتولین کے متعلق یہ کہا تھا کہ اگر وہ ہماری مانتے

تو قتل نہ ہوتے خدا ان کے اس قول کی بھی مذمت فرما رہا ہے اور مقصد یہ ہے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے جس سے وہ بگ

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ

اور نہ خیال کرو جو لوگ قتل کئے گئے راہ خدا میں ؟ مردہ نہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے

رَبِّهِمْ يُرْزُقُونَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ

پس رزق دیئے جلتے ہیں خوش ہیں ساتھ دیئے ہوئے اللہ کے فضل کے اور بشارت حاصل کرتے

بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

ہیں ان لوگوں کے متعلق جو نہیں ملحق ہوئے ان سے ان کے پیچھے کہ نہ خوف ہے ان پر اور نہ

هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَفَضْلٍ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ

وہ غمگین ہیں بشارت حاصل کرتے ہیں ساتھ نعمت کے جو اللہ کی جانب سے ہے اور فضل کے اور تحقیق

لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۷۱﴾

اللہ نہیں ضائع کرتا اجر نیک کام کرنے والوں کا

یا پیچھے نہیں ہو سکتی پس موت کے ڈر سے جہاد کو چھوڑنا مسر غلطی ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ ۖ اس آیت مجیدہ کے شان نزول کے متعلق مفسرین کے چند اقوال ہیں (۱) شہداء
بدر کے متعلق نازل ہوئی جو کل چودہ آدمی تھے جن میں سے چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے (۲) شہداء

شہداء بئر معونہ

احد کے بارے میں اتری جن کی کل تعداد ستر تھی جن میں صرف چار مہاجر تھے (۱) حضرت حمزہؓ (۲) مصعب بن عمیرؓ (۳) عثمان

بن شماسؓ (۴) عبداللہ بن جحشؓ اور باقی ۱۶ انصار تھے جن کی پوری فہرست رکوع نمبر ۴ کی تفسیر میں منظر پر بیان ہو چکی ہے (۵) اکثر

مفسرین کا قول یہ ہے کہ شہداء احد و بدر سب کو یہ آیت شامل ہے چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی یہی مروی ہے

بعض کہتے ہیں کہ یہ شہداء بئر معونہ کے حق میں اتری جن کا واقعہ تفسیر مجمع البیان میں اس طرح منقول ہے کہ ابو براء عامر بن مالک

جو بنی عامر کا سردار تھا مدینہ میں جناب رسالتؐ کی خدمت میں کوئی چیز بطور ہدیہ کے لایا۔ آپؐ نے اس کو قبول نہ کیا اور فرمایا کہ میں

کسی مشرک کا ہدیہ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ ہاں اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا ہدیہ قبول ہو تو مسلمان ہو جا پھر آپؐ نے چند آیات قرآنیہ

کی تلاوت بھی فرمائی یہ سن کر ابو براءؓ نہ تو اسلام لایا اور نہ اسلام سے نفرت کا اظہار کیا اور عرض کی حضورؐ آپؐ جو کچھ فرما رہے ہیں

بجائے اگر اپنی جانب سے کچھ آدمی اہل نجد کی طرف تبلیغ اسلام کے لئے روانہ فرمائیں تو امید ہے کہ وہ قبول کر لیں گے آپؐ نے فرمایا

مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ ان کو مار نہ ڈالیں۔ اُس نے عرض کی کہ وہ ایسا نہ کریں گے کیونکہ میں ان کا ہمسایہ ہوں (یعنی وہ میری رعایت کرتے ہوئے ان کی ایذا رسانی نہ کریں گے) پس آپ نے بنی ساعدہ کے ایک شخص منذر بن عُمیر نامی کو ستر چیدہ چیدہ مسلمانوں کے ہمراہ روانہ فرمایا جن میں حارث بن صمد، حرام بن طحان، عروہ بن اسماء، نافع بن بدیل اور عامر بن فہیرہ شامل تھے اور اور یہ واقعہ جنگ احد کے چار ماہ بعد ماہ صفر سنہ ۶ ہجری کا ہے یہ لوگ چل کر بیئر معونہ پر پہنچے تو آپس میں مشورہ کیا کہ پیغام رسالت کون پہنچائے گا؟ چنانچہ حرام بن طحان نے کہا کہ یہ کام میرے ذمہ ہے اور میں کروں گا پس اس نے حضرت رسالت کا مکتوب عامر بن طفیل کو دیا لیکن اس نے آپ کے خط کو نظر انداز کر دیا۔ پھر حرام بن طحان نے کلمہ شہادتین زبان پر جاری کرتے ہوئے بیئر معونہ والوں کو دعوت اسلام دی اتنے میں ایک شخص نے اس پر نیزہ کا وار کیا جو اس کے پیلو کو چیرتا ہوا دوسری طرف نکل گیا اور اس نے اپنی کامیابی کا اظہار کرتے ہوئے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے جاں بازی کے حوالہ کر دی۔ پس عامر بن طفیل نے بنی عامر کو باقی مسلمانوں پر حملہ کی دعوت دی لیکن انہوں نے ابوبراء کے عہد کا لحاظ رکھتے ہوئے انکار کر دیا پس عامر بن طفیل نے بنی سلیم کے دوسرے قبائل کو پکارا تو انہوں نے فوراً مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا اور انہوں نے بھی تلواریں علم کر لیں اور لڑتے ہوئے سب کے سب شہید ہو گئے صرف کعب بن زید بچ گیا تھا جو بعد میں جنگ خندق میں شہید ہوا۔ عمرو بن امیہ ضمری اور ایک دوسرا انصاری شخص جن کا قیام اپنے ساتھیوں سے علیحدہ تھا انہوں نے پرندوں کی آمد سے حادثہ کی نوعیت کو معلوم کیا اور جب پہنچے تو وہ اپنے خون میں لت پت تھے انصاری نے کہا کہ منذر بن عمرو کو قتل ہوتے ہوئے دیکھ کر میں تو واپس نہ جاؤں گا چنانچہ وہ اکیلا لڑ کر وہیں شہید ہو گیا اور عمرو بن امیہ ضمری گرفتار ہو گیا جب اس نے اپنا قبیلہ مضربنایا تو عامر بن طفیل نے اس کی پیشانی کے بالوں کو زچ کر (غلام بنا کر) اپنے باپ کی طرف سے آزاد کر دیا اور اس نے مدینہ پہنچ کر سارا واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا کہ یہ مصیبت ابوبراء کی طرف سے آئی ہے اور مجھے پہلے سے ہی اس کا ڈر تھا چنانچہ ابوبراء کی عہد شکنی پر احسان بن ثابت اور کعب بن مالک نے اشعار کہے۔ یہ بات ابوبراء پر بھی شاق گذری اور حسان اور کعب کے اشعار ابوبراء کے لڑکے ربیعہ نے سُننے تو اس نے عامر بن طفیل کو قتل کر دیا پس خداوند کریم نے شہداء بیئر معونہ کے حق میں یہ آیت بھیجی بہر کیف آیت مجیدہ کا شانِ نزول خواہ کسی ایک واقعہ سے تعلق رکھتا ہو لیکن آیت کے الفاظ عام ہیں اور قیامت تک کے لئے زندہ ہیں اور اس کے افراد قیامت تک ہوں گے البتہ مدارج و مراتب کا فرق ضرور ہوگا۔

يَسْتَبْشِرُونَ - یعنی شہداء تو خود جنت میں ہوتے ہیں لیکن جب ان کو پیچھے زندہ رہنے والے مومن بھائیوں کے متعلق خبر پہنچتی ہے کہ وہ ایمان و عمل صالح کی دولت سے مالا مال مصروف جہاد ہیں اور خوف و حزن سے آزاد ہیں تو وہ اور زیادہ خوشی محسوس کرتے ہیں خوف طبیعت کی اس پریشانی کا نام ہے جو آنے والے مصائب کے تصور سے لاحق ہو اور حزن طبیعت کی اس پریشانی کا نام ہے جو کسی محبوب چیز کی مفارقت کی وجہ سے لاحق ہو پس ایمان والوں کو آنے والے عذاب کا خوف اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ اپنے گناہوں کا پاک ہو کر جاتے ہیں اور موت کی وجہ سے دنیا کی مفارقت کا حزن نہیں ہوتا کیونکہ نعماتِ جنت دنیاوی نعمات سے بدرجہا اتم اور اعلیٰ دارِ اعلیٰ ہیں

ثواب شہداء تفسیر مجمع البیان میں امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک روز حضرت امیر المومنین علیہ السلام اپنے خطبہ

میں لوگوں کو جہاد کی ترغیب دے رہے تھے کہ ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر جہاد کا ثواب دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا۔ غزوہ ذاتِ سلاسل سے واپسی پر میں جب جنابِ رسالتؐ کے پیچھے ناظرِ غضبِ پر سوار تھا اور میں نے آپ سے یہی سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا جب جہاد تیار کرتا ہے تو خدا جہنم سے اس کی آزادی فرض کر دیتا ہے اور ملائکہ پر مباحات فرماتا ہے جب وہ اپنے عیال سے وداع کرتے ہیں تو گھر اور اس کی دیواریں اس کے لئے گریہ کرتی ہیں اور وہ اپنے گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس کی حفاظت کے لئے خدا چالیس فرشتوں کو موکل کرتا ہے۔ اس کی ہر سکی دگنی شمار ہوتی ہے اس کی ہر دن کی عبادت ایسے ایک ہزار عابد کی عبادت کے برابر ہوتی ہے جنہوں نے ہزار ہزار سال عبادت میں گزارے ہوں جن کا ایک دن پوری دنیا کی زندگی کے برابر ہو جب وہ دشمنوں کے مقابل ہوتے ہیں تو ان کے ثواب کو کوئی جان ہی نہیں سکتا اور معروف جہاد ہوں تو ملائکہ ان کیلئے دستِ بدعا رہتے ہیں اور ایک منادی ندا کرتا ہے کہ جنت تلواروں کے سایہ میں ہے پس نیزہ و تلوار کا زخم ان کو مونگھٹ کے ٹھنڈے پانی سے بھی محبوب تر ہوتا ہے اور جب پشتِ زین سے زمین پر آئیں تو ان کا سر جو رحین کے دامن میں ہوتا ہے جو ان کو جنت کے انعامات کی بشارت سنا رہی زمین ان کو مرجھا کہتی ہے اور نعماتِ خداوندی کا مژدہ سناتی ہے اور آوازِ قدرت آتی ہے کہ اس کے پس ماندوں کا میں کفیل ہوں جو ان کو راضی کرے گا اس نے مجھے راضی کیا جو ان کو ناراض کرے گا اس نے مجھے ناراض کیا ان کے ارواح سیرِ جنت کرتے ہیں اور میوہ ہائے جنت کھاتے ہیں۔ ہر شہید کو فردوسِ بری میں سے ستر محل عطا ہوتے ہیں جن کی وسعت مین و شام کے درمیانی فاصلہ کے برابر ہوتی ہے اور ان کا نورِ مشرق و مغرب پر حاوی ہوتا ہے ہر محل کے ستر دروازے کہ ہر ایک میں ستر تختے سنہری ہوتے ہیں اور ہر دروازے پر ساٹھ ساٹھ پردے ہوتے ہیں۔ نیز ہر محل میں ستر خیمے اور ہر خیمہ میں ستر تخت سونے کے جن کے پائے موتی و زبرجد کے ہوتے ہیں اور ہر تخت پر چالیس فرشتے کہ ہر ایک کی موٹائی چالیس ہاتھ ہوتی ہے اور ہر فرشت پر ایک جو رحین جلوہ گر ہوتی ہے جس کے ستر ہزار خادم اور ستر ہزار کنیز ہوتی ہیں۔ جن کے چہرے نورانی اور زیورِ طلائی ہوتے ہیں۔ اور سر پر موتیوں کے تاج ہوتے ہیں ہر ایک کے ہاتھ میں ابرق و جام ہوتا ہے۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر ان کے راستہ میں بروزِ محشر نبی آئیں گے تو ان کی شان و عظمت دیکھ کر وہ بھی پیادہ ہو جائیں گے پس جب اپنے مسکن پر پہنچیں گے تو ان میں سے ہر ایک اپنے رشتہ داروں اور ہمساویوں میں سے ستر ستر ہزار کی شفاعت کر سکیں گے۔ پس وہ دستِ خوانِ کرامت پر میرے اور ابراہیمؑ کے ساتھی ہوں گے۔ اسی طرح شہداء کے ثواب کے متعلق بہت کچھ احادیث وارد ہیں اور اس قسم کی احادیث کی تہ تک پہنچنا ہمارے ناقصِ عقول کے لئے مشکل ہے ہاں خلاصہ کے طور پر اتنا کہنا کافی ہے کہ جن لوگوں نے دینِ حق کی نصرت میں اپنی جان تک قربان کر دی وہ اللہ کے نزدیک ایسے انعامات و اکرامات کی سزاوار ہیں جن کا تصور تک نہیں ہو سکتا جب عام شہیدوں کی یہ شان ہے تو جو تمام شہیدوں کا سردار ہوگا اس کے مرتبہ کی عظمت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے بیشک ان کے لئے جو انانِ جنت کی سرداری زیل ہے۔ الحسن و الحسنین مستیدِ اشبابِ اہلِ جنت۔

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۝

جن لوگوں نے قبول کیا اللہ اور اس کے رسول (کی دعوت) کہ بعد اس کے کہ لگے ہوئے تھے ان کو زخم

لِلَّذِينَ احْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا اَجْرَ عَظِيمٍ ۝ (۴۲) الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ

ان میں سے جنہوں نے نیکی کی اور تقویٰ اختیار کیا ان کے لئے اجر عظیم ہے وہ جن کو کب لوگوں نے تحقیق

اِنَّ كَذَّبْتُمْ فَسَوْءَ مَا كُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَرَادَهُمْ اِيْمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا

لوگ جمع ہو چکے ہیں تمہارے لئے پس ڈرو ان سے تو ان کا ایمان زیادہ ہوا اور کہنے لگے ہمیں کافی ہے

اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ۝ (۴۳) فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ رَبِّهِمْ اِلَىٰ دِيَارِهِمْ وَفَضَّلَ اللَّهُ

اللہ اور وہ خوب جائے اعتماد ہے پس پٹے ساتھ نعمت کے اللہ سے اور فضل کے کہ

يَسْخَرُهُمْ سُوءَ مَا لَمْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَفَضَّلَ اللَّهُ ۝ (۴۴) يَسْخَرُهُمْ سُوءَ مَا لَمْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَفَضَّلَ اللَّهُ ۝ (۴۵)

نہ چھوڑا ان کو تکلیف نہ اور تابع ہوئے رضائے خدا کے اور اللہ بڑے فضل والا ہے

رُكُوع نمبر ۹

حبيب البرسفیان اور اس کے ساتھی واپسی پر مقام رواجہ تک پہنچے تو انہوں نے ایک دوسرے کو ملاست کی کہ ہم نے مسلمانوں کا قتل عام کر کے نہ ان کو لوثا نہ حضرت محمد کو قتل کیا۔ پس وہی سے واپسی کا ارادہ کیا۔ جب یہ خبر حضور کو پہنچی تو آپ نے صحابہ کو جمع فرمایا اور حکم دیا کہ کفار کا تعاقب کیا جائے اور جو لوگ مشرک جنگ اُعد تھے انہیں کو دوبارہ تیار ہونا چاہیے پس آپ بتر صحابہ کے ساتھ روانہ ہوئے جو کہ اکثر زخمی تھے۔ جب حراء الاسد پر پہنچے تو ادھر سے معبد خزاعی کا گزر ہوا اور قبیلہ خزاعہ پورے کا پورے آپ کا ہمدرد تھا اور مکہ میں بھی ان کا آپ سے میل جول رہتا تھا اگرچہ یہ شخص مشرک تھا لیکن اس نے حضور سے سابقہ ہمدردی کی روایت کو دہرایا۔ وہاں سے گزر کر البرسفیان کے پاس پہنچا اس نے احوال پرسی کی تو اس نے بیان کیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ایک لشکر گراں کے ساتھ تیرے تعاقب میں ہے اور وہ ابھی پہنچنے والے ہیں پس کفار قریش پر رعب طاری ہو گیا اور وہیں سے مکہ کا رخ کیا ادھر جناب رسالت اکبر نے حراء الاسد پر پہنچ کر صحابہ سے فرمایا کہ کون ہے؟ جواب کفار کی خبر لائے؛ سب خاموش رہے لیکن حضرت علی علیہ السلام نے باوجود کافی زخموں کے بٹیک کھی۔ آپ نے فرمایا دیکھنا اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہوں تو سمجھنا کہ ان کا رخ مدینہ کی طرف ہے

إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا إِنَّا

بجز اس کے نہیں کہ یہ شیطان ڈراتا ہے (مومنوں کو) اپنے دوستوں سے پس ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر

كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ وَلَا يَحْزُنُكَ الَّذِينَ يَسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ إِنَّهُمْ

تم مومن ہو اور تمہیں غم نہ کھانا چاہیے ان کا جو تیزی کرتے ہیں کفر میں تحقیق وہ ہرگز

لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حِطًّا فِي الْآخِرَةِ

ضرر نہیں دے سکتے اللہ کو کچھ بھی چاہتا ہے اللہ کہ نہ کرے ان کا حصہ آخرت میں

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ

اور ان کے لئے عذاب بڑا ہے تحقیق جن لوگوں نے خرید کیا کفر کو ایمان کے بدلے میں ہرگز

لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

ضرر نہیں دے سکتے اللہ کو کچھ بھی اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے

اور اگر اونٹوں پر سوار ہوں تو وہ مکہ کی طرف جا رہے ہوں گے حضرت عائشہؓ اور واپس اگر بتایا کہ وہ اونٹوں پر سوار ہو کر جا رہے تھے پس آپ نے صحابہ کو واپسی کا حکم دیا اور خدا کی نعمت کا شکر ادا فرمایا۔

إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ - آیت مجیدہ کا ایک معنی وہ ہے جو نیچے آیت کے مذکور ہے اور دوسرا معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ شیطان اپنے دوستوں کو جو منافق ہیں جہاد سے ڈراتا ہے اور ان کے دلوں میں دوسرے ڈالتا ہے جس کی وجہ سے وہ رسولؐ کی اتباع چھوڑ کر گھروں میں بیٹھ جاتے ہیں پس مومنوں کو خطاب ہو رہا ہے کہ تم ہرگز کفار سے خوف نہ کیا کرو۔ تحت اللفظی ترجمہ کے ماتحت يُخَوِّفُ کا مفعول اول مومنین مخذوف ہے اور اس معنی کے لحاظ سے اس کا مفعول ثانی اعداء مخذوف ماننا ہوگا۔

وَلَا يَحْزُنُكَ - بعض کہتے ہیں کہ ایک قوم مرتد ہو گئی جس کا جناب رسالتؐ کو غم تھا اور بعض کہتے ہیں کہ عامۃ الکفار کے کفر سے آپ مول خاطر ہوتے تھے پس بطور تسلی کے یہ ارشاد فرمایا۔

لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ - اس کو دوبارہ تکرار سے بیان فرمایا ہے کیونکہ پہلی آیت میں صرف جناب رسالتؐ کی تسلی مقصود تھی کہ مسرعت فی الکفر کرنے والوں پر غم نہ کیجئے کیونکہ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے بلکہ وہ اپنی عاقبت بگاڑ رہے ہیں اور دوسری آیت میں زیادہ تعمیم فرمادی کہ جو لوگ بھی کفر کو اختیار کرتے ہیں وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے خواہ وہ کفر میں مسرعت کرتے والے ہوں یا ایسے

وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُثَبِّلُ لَهُمْ خَيْرٌ لَّا تُفْسِرُهُمْ أَنَّمَا

اور یہ خیالی نہ کریں وہ لوگ جو کافر ہیں کہ ہمارا مہلت دینا ان کی بہتری کے لئے ہے تحقیق

نُثَبِّلُ لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۸۸﴾ مَا كَانَ اللَّهُ

ہمارا ان کو مہلت دینا اس کا انجام یہ ہے کہ وہ گناہوں میں زیادتی کرتے ہیں اور ان کیلئے ذاتِ امین عذاب ہے یہ نہیں کہ اللہ چھوڑ دے

لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ

مومنوں کو اس حالت پر جس پر تم ہو میانک کہ وہ تمیز دے پلید کو

الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي

پاک سے اور یہ بھی نہیں کہ اللہ تمہیں مطلع کرے غیب پر البتہ اللہ چن لیتا ہے اپنے

مَنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَإِن تَوَضَّعُوا

رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم ایمان لاؤ گے

وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۱۸۹﴾

اور تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہارے لئے بڑا اجر ہے

نہ ہوں اور یہ آیت پہلی آیت کے معنی کی تعلیل ہے یعنی جب مطلق کافر بالعموم اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تو یہ مسامتہ کرنے والے اس کا کیونکر کچھ بگاڑیں گے۔ تفسیر مجمع البیان میں مضرت اور اساعت کے درمیان یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ اساعت ہمیشہ قبیح ہوا کرتی ہے اور مضرت کبھی قبیح اور کبھی حسن ہوتی ہے جب استحقاق یا امتحان یا نفع عظیم کے لئے ہوا کرتی ہے۔

لِيَزْدَادُوا إِثْمًا :- اسنت کے امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں لام کو لام غرض قرار دیا ہے یعنی خدا کا کفار کو مہلت دینا اور ان کی عمروں کو لمبا کرنا اس لئے ہوتا ہے کہ وہ گناہوں میں ترقی کریں تاکہ عذاب کے حقدار اور زیادہ بنیں گویا ان کے گناہ خدا کے ارادہ سے ہوا کرتے ہیں لیکن مذہب امامیہ کے اصول کے ماتحت فعل قبیح کیلئے کسی کو مہلت دینا بھی بڑا ہے اور خدا جملہ برائیوں سے پاک ہے بلکہ مہلت دیتا ہے کہ ان کی توبہ اور اعمال صالحہ کے مواقع زیادہ سے زیادہ دستیاب ہوں لیکن وہ لوگ خود اپنے اختیار سے راہ حق کو چھوڑتے چلے جاتے ہیں جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ ان پر گناہوں کا بوجھ زیادہ ہوتا جاتا ہے اور وہ مستحق عذاب ہیں کے ہو

جاتے ہیں پس اس صورت میں یہ لام غرضی کے لئے نہیں بلکہ لام عاقبت ہے۔

عَلٰی مَا اَنْتُمْ عَلَیْہِ :- یا تو یہ خطاب کفار و منافقین کے لئے ہے کہ خدا مومنوں کو مبہم حالت میں نہیں چھوڑے گا بلکہ اسے گروہ کفار و منافقین وہ تو ایسے مواقع امتحان و آزمائش کے لئے لائے گا جس سے کھرا کھرا اور کھوٹا کھوٹا ہو جائے گا اور مومن و منافق ایک دوسرے سے صاف طور پر ممتاز ہو جائیں گے یا یہ کہ خطاب مومنین کو ہے اور غیبی خطاب کی طرف التفات کیا گیا ہے جس طرح کلام فصحاء میں بلکہ خود قرآن مجید میں اسی طرح ہوا کرتا ہے پس مقصد یہ ہے کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کو خدا ان کے زبانی دعوے پر نہیں چھوڑے گا بلکہ حسب موقع ان میں سے طیب و خبیث کو الگ کر دیتا ہے جس طرح جنگ جہنم میں ہوا۔

مسئلہ علم غیب

وَمَا كَانَ اللَّهُ :- یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مومن و منافق کی تمیز کے لئے خدا مومنوں کو لوگوں کے دلی حالات کا علم کیوں نہیں دے دیتا تاکہ وہ اس علم کے ذریعہ سے کھوٹے کی خود پہچان کر لیتے اور جنگ و جدال کی جان لیوا مصیبتوں سے ان کی گلو خلاصی ہو جاتی۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ امتحان و آزمائش سے جس طرح مومن و منافق کی تمیز ہوتی ہے اسی طرح صبر و ثبات سے مومنوں کے درجات میں اضافہ ہوتا ہے اور ثنائاً مصلحت خداوندی یہ ہے کہ انجام کا علم اس نے لوگوں سے پوشیدہ کر رکھا ہے اور نظام عالم کی بہتری اسی میں ہے چنانچہ اس آیت مجیدہ میں ارشاد ہے کہ خدا ایسا نہیں کرتا کہ تمہیں علم غیب عطا کر دے۔ وہ صرف اسی کی اپنی ذات کے شایان شان ہے البتہ وہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے اس کو غیب کی باتوں سے مطلع فرماتا ہے اور اس کے بعد یہ ضروری نہیں کہ وہ رسول اپنی امت کو علوم غیبیہ کی اطلاع دیتے رہیں بلکہ امت پر فرض ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی ہر بات پر ایمان لائیں اور ان کے ہر فرمان کو دلی میں جگہ دے کر اطاعت شکاری کی کوشش کریں پس امت کو خدا رسول کے کسی فیصلہ پر بھی کینے کی اجازت نہیں کیونکہ ہر حکم کی مصلحت بتانا ان کے عہدہ میں نہیں ہے۔

مطلب کی مزید وضاحت کے لئے یوں سمجھئے کہ طبقات موجودات میں سے حیوان کو نبات و جہاد پر فوقیت ہے کیونکہ اس میں ایک جس موجود ہے جس سے وہ مہمی دامن ہیں اور انسان کو عام حیوان سے برتری حاصل ہے کہ اس میں ایک ایسا جوہر موجود ہے جس سے وہ خالی ہے پس روح نباتی سے وہ شعور غائب ہے جس کو روح حیوان اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اگر روح نبات کے مقابل میں شعور حیوانی کو پھیلا یا جائے تو ایسا معلوم ہوگا کہ نبات کے مقابلہ میں حیوان کے پاس علم غیب کا ایک بے پناہ ذخیرہ موجود ہے جسے روح نباتی اپنے تصور میں بھی نہیں لا سکتا۔ اسی طرح روح حیوانی سے ایک شعور غائب ہے جس کو روح انسانی اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اور اگر روح حیوانی کے سامنے شعور انسانی کو بسط دیا جائے اور علوم و فنون میں اس کی دسترس و مہارت اور عقلی دنیا میں اس کی عظیم الشان فتوحات اور تسخیر موجودات کے لئے اس کے مناسب موزوں اور بر محل اقدامات اور بظاہر ناشدنی امور پر اس کا ہمہ گیر تسلط وغیرہ کو سامنے لایا جائے تو ظاہر ہے کہ روح حیوانی کے مقابلہ میں انسان کی طور پر علم غیب کا مالک نظر

آتا ہے اور اس کی ان غیبی فتوحات کا روح حیوانی تصور تک نہیں کر سکتا۔

اب آگے بڑھیے انبیاء میں روح القدس اور شعور قدسی کا جو جوہر موجود ہے اس سے یقیناً عام انسان کوتاہ دست ہے۔ منازل ارتقاء کی ترتیب سے روح نبات اور روح حیوان اور روح انسان میں ان کے مختص شعور کے لحاظ سے فرق کی جو پوزیشن ہے اسی لحاظ سے شعور انسانی اور شعور قدسی نبوتی میں فرق کا اندازہ لگائیے پس ماننا پڑے گا کہ ان کا شعور اپنے مقام پر اگر پھیلے تو انسان کے مقابلہ میں ان کی علمی وسعتوں کا کیا مقام ہوگا؟ انسان یہی سمجھے گا کہ ان کے پاس علوم غیبیہ کے ذخائر موجود ہیں جو میرے تصور سے بالاتر ہیں۔

انبیاء میں بھی اپنے مقام پر فرق موجود ہے۔ کوئی نبی ایک قوم کے لئے کوئی قبیلہ کے لئے بعض صرف کنبہ والوں کے لئے بعض مقحوطے عرصہ کے لئے اور بعض زیادہ مدت کے لئے ہر کیف ہر ایک کی پوزیشن الگ الگ ہے بعض صرف نبی ہیں اور رسول بھی ان میں سے تھوڑے اولوالعزم ہیں اور زیادہ غیر اولوالعزم۔ پس جس نبی کا دائرہ نبوت جس حد تک ہے وہ نبی اس حد تک اپنی تمام امت کے افراد کے مقابلہ میں شعور کلی کا حامل ہوتا ہے اور امت کے افراد کا شعور مجموعی اس نبی کے شعور قدسی کے مقابلہ میں پیچ ہوتا ہے اور حضرت مسالما علیہ السلام چونکہ عالمی رسول ہیں لہذا ان کا روح قدسی نبوتی اپنے قدسی شعور کے لحاظ سے عالمین پر حاوی ہونا چاہیے اور تمام موجودات خواہ انسان ہوں یا جن و ملک اول خلقت سے لے کر آخر خلقت تک ان کے انفرادی و اجتماعی شعور کے مقابلہ میں ان کا شعور قدسی اور ان کے علوم و معارف محیط حیثیت کے حامل ہونگے اور ان کے پیلاؤ کی حدود امکانی کمالات کے آخری نقطہ تک ہوں گی جن کا تصور تک عام انسانی عقول نہیں کر سکتے پس ان کی علمی وسعتوں کا احاطہ سوائے ذات واجب الوجود کے اور کسی کے بس کا روگ نہیں لہذا عام انسانی شعور کے مقابلہ میں چونکہ ان کا قدسی نبوتی شعور ہمہ گیر ہے جس کی بناء پر عام انسان اسے علوم غیبیہ کا عالم کہہ سکتا ہے جس طرح عام حیوان کے مقابلہ میں انسان عالم الغیب اور روح نباتاتی کے مقابلہ میں عام حیوان اور ان کا غیبیہ کے حامل ہیں۔

ماتحت کے لئے جو مسائل لایخیل ہوا کرتے ہیں وہ مافوق کے لئے اپنے ذاتی جوہر کے لحاظ سے درجہ اہمیت سے ساقط ہوتے ہیں کیونکہ وہ اس کے وجود کے لوازم ہوتے ہیں۔ مثلاً نبات کے لئے شعور حیوانی کے ادراکات اگرچہ ایک عقدہ لایخیل ہیں لیکن وہ روح حیوانی کے لئے جو زندگی کی حیثیت ہے جس کی اہمیت ان کے درجہ اعتبار سے ساقط ہے چہ جائیکہ ان کا مافوق ان کی اہمیت سے انکار کرنے اور اسی طرح روح حیوانی کے لئے وہ غیر ممکن افکار و مسائل جن پر انسان حاوی ہے وہ حیوانی شعور سے بالاتر ہیں لیکن وہ عقول انسانیہ کی ذاتی استعداد کے نتائج ہیں جو نہ ان کے لئے چنداں اہم اور نہ معرض تعجب ہیں البتہ جن نئی ایجادات پر انسان محو حیرت ہو کر انگشت بدندان نظر آتا ہے وہ صرف اس لئے کہ عقول انسانیہ نے اس طرف اس سے پہلے اقدام نہیں کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کل کی ایجاد آج باعث تعجب نہیں کیونکہ ذہن اس سے مانوس ہو چکا ہے اور اسے اپنے احاطہ قدرت میں داخل سمجھ چکا ہے حالانکہ کل وہ بھی تعجب کا باعث تھی پرسوں کے مقابلہ میں۔ و علیٰ ہذا نقیاس۔ ہر آئندہ کی ایجاد گذشتہ کمالات

کو عادی کرتی ہوئی چلی جا رہی ہے اور انسان اسے شعور انسانی کا عام کرشمہ سمجھتا جا رہا ہے اب جہاں یہ انسانی کمال آخری حد کو پہنچے گا وہاں سے نبوتی کمال کی حدود شروع ہوں گی۔ پس جس مسئلہ کو انسان لایخل کہے گا اور عام عقول سے اس کی فتح ناممکن ہوگی وہ روح نبوتی کے شعور قدسی کے لئے اپنی خداداد استعداد کے ماتحت اس کا عام فعل ہوگا جسے انسان غیب سے تعبیر کرے گا لیکن ذات اقدس الہیہ جو ہر شے پر محیط ہے اس کے سامنے روح نبوتی اور اس کے شعور قدسی کی تمام وسعتیں اسی طرح ہیں جس طرح نبی کے لئے عام انسانی کمال اور انسانی کے لئے عام حیوانی کمال۔ بلکہ مخلوق اور خالق کے درمیان کوئی نسبت قائم ہو ہی نہیں سکتی۔

اب آسانی سے سمجھ میں آسکے گا کہ خدا کسی کو غیب پر مطلع نہیں فرماتا مگر جس کو منتخب کرے اپنے رسولوں میں سے۔ یعنی ان کو ان غیبی چیزوں پر اطلاع دیتا ہے جو عام انسانوں کے افہام سے بالاتر ہوں اور وہ غیوب ہیں جو روح نبوتی کے حدود کے اندر ہیں اور شعور انسانی کی حدود سے باہر اور جس مقام پر فرمایا کہ سوائے میرے اور کوئی غیب نہیں جانتا بلکہ علم غیب ہر طرف میرا ہی خاصہ ہے اس سے مراد وہ غیب ہیں جو شعور نبوتی کی حدود سے بالاتر اور ذات اقدس الہیہ کی شایان شان ہیں اور وہ ہر شے پر محیط ہے اور اس کی وسعتیں غیر محدود ہیں۔ اس کا احاطہ نہ انسان کر سکتا ہے نہ جن و ملک اور نہ نبی و مرسل بلکہ کسی سے اس کے تصور کا بھی امکان نہیں پس انسان اپنی نارسا عقل کے فیصلہ سے کہہ بیٹھتا ہے کہ نبی کلمی غیب کا علم رکھتا ہے ورنہ علوم الہیہ کے مقابلہ میں ان کے علوم ایک جزوی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ ان کے علوم کو اس ذات واجب الوجود کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں دی جاسکتی۔ دورِ حاضر میں حضرت رسالتا کی کلمی و جزوی کا مسئلہ عام ہے جس کو حقیقت ناشناس لوگوں نے اچھا لکھا ہے اور اپنے تئیں عالم کہلانے والوں نے اسی میں اپنا علمی کمال سمجھا ہے تاکہ عوام سے داد و تحسین حاصل کر کے اپنے اقتدار ناپائیدار کو فروغ دیں حالانکہ ایسے لوگ علوم حقیقیہ اور معارف ربانیہ سے کوسوں دور ہوتے ہیں اور بڑی دریدہ دہنی سے عام جاہل طبقہ کو جن کا جہل جہل بسیط ہوتا ہے عوام کا لانا نام سے تعبیر کرتے ہیں اور اپنے جہل مرکب کو کلاہ و دستار یا جبہ و قبا کے نیچے مخفی کر کے عالم بلکہ علامہ کہلاتے پھرتے ہیں حالانکہ کالانعام کی لفظ جس طرح ان کو زیب دیتی ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔

میں نے اس مسئلہ کو اپنی حد تک آراں کر کے پیش کرنے کی کوشش کی ہے جس کا احصل یہ ہے کہ نبی کے علوم ہماری نارسا عقل کے مقابلہ میں کلمی حیثیت رکھتے ہیں عام انسانی عقل نہ ان کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ ان کی حدود کا تصور کر سکتے ہیں لیکن خداوند کریم کے محیط علم کے مقابلہ میں ان کی حیثیت بالکل جزوی ہے اب خدا ہی جانتا ہے کہ اس نے ان کو کس قدر دیا اور کچھ کر دیا اور اس کا فیصلہ ہماری عقل سے بالاتر ہے ہمارا کام ہے ان پر ایمان لانا تسلیم کرنا اور اطاعت کرنا۔

وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا أَنْتَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ

اور نہ خیال کریں وہ جو بخل کرتے ہیں انتہا برے کے برابر ان کو اللہ نے اپنے فضل سے کہ وہ (اس کا انجام) اچھا ہے

بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلِلَّهِ

ان کے لئے جگہ وہ برے ان کے لئے عنقریب عذاب پہنچایا جائے گا ان کو اس کا بدلہ دیا جائے گا اور اللہ

مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۰۰﴾

کے لئے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی اور اللہ اس کے جو تم کرتے ہو آگاہ ہے

وَلَا يَحْسِبَنَّ ۱۔ تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنی زکوٰۃ مال سے معمولاً ساجستہ بھی ادا نہ کرے گا تو اس

کو بروز محشر دوزخ کا اردھا بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا جو حساب و کتاب کے خاتمے تک اس کے گوشت کو نوچتا رہے گا۔ دوزخ روایت میں ہے کہ وہ اس کے دماغ کو کھاتا رہے گا اور یہ آیت زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کے حق میں ہے۔

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جو شخص زکوٰۃ مال ادا نہیں کرتا بروز محشر تمام حیوانات کو مشور کر کے اس پر مسلط کیا جائے گا کہ حساب خلائی کے ختم ہونے تک بعض اس کو اپنے سینگوں سے باریں گے بعض دانتوں سے کاٹیں گے اور بعض اپنے پاؤں کے نیچے اس کو روندیں گے اور جو شخص زکوٰۃ غلہ ادا نہ کرے تو وہ زمین جس پر وہ غلہ پیدا ہوا تھا ساتوں طبقات سمیت اس کے گلے میں ڈالی جائے گی۔ آیت مجیدہ کی تفسیر میں معصومین علیہم السلام نے صرف مانع الزکوٰۃ کے متعلق فرمایا ہے ورنہ تمام حقوق مالیہ واجبہ کا ادا نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے اور حق نفس بھی اسی قبیل سے ہے ممکن ہے معصوم نے بخل کے ایک فرد کو بطور تمثیل کے بیان کیا ہو۔

وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ ۱۔ اس میں بخل کرنے والوں کو مزید تنبیہ فرمائی ہے کہ جس کا تم بخل کرتے ہو وہ درحقیقت ہے تو اللہ کی ملکیت اور تمہاری رہائش اس زمین پر یا تمہاری ان چیزوں کی ملکیت بالکل عارضی ہے جب مال سب اس کا ہے تو تمہارا بخل کرنا کیا معنی رکھتا ہے یہ ایسا ہے جیسے ایک غنی اپنی رعایا کے کسی بندے کو اپنے کھانے اور دوسروں پر تقسیم کرنے کیلئے کچھ دے دے اور کہے کہ تیرے کھانے اور تیری جائز تقسیم پر خوش ہوں گا اور تیرے بخل پر تجھے سزا دوں گا اور مہر صورت جب تو میرے پاس پہنچے گا تو اتنی کوئی تجھ سے سنبھال لوں گا اور افرانی پر سزا بھی دوں گا تو کس قدر بے عقل ہو گا وہ انسان جو اس قسم کی ہدایات کے بعد بھی اس مال میں بخل کرے اور حقوق واجبہ ادا نہ کرنے والوں کی بعینہ یہ کیفیت ہے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ

تحقیق: نبی اللہ نے بات ان کی جنہوں نے کہا کہ تحقیق اللہ فقیر اور ہم غنی ہیں

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۖ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿۱۸۱﴾

ہم محفوظ کریں گے اس کو جو انہوں نے کہا اور ان کا قتل کر انہیں کو ناحق اور ہم کہیں گے جیسو عذاب جلنے کا

ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيكُمْ ۖ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ﴿۱۸۲﴾

یہ جو اس کے جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھوں نے اور تحقیق اللہ نہیں ظلم کرنے والا بندوں پر

رکوع نمبر ۱

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ بِرِشَانِ نَزُولٍ کہتے ہیں جب مَن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهُ قَرْضًا حَسَنًا پ دیکھا اتری توئی بن خطب یہودی نے طعن کرتے ہوئے کہا کہ پھر تو اللہ فقیر ہے کہ ہم سے قرض مانگتا ہے اور ہم دولت مند اور غنی ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت نے بنی قینقاع کی طرف ایک شخص کو دعوت اسلام دوائے زکوٰۃ اور اقامت نماز کی تبلیغ کے لئے بھیجا تو ان کے معلم فخاص بن عازور نے کہا کہ اگر یہ بات درست ہے تو پھر ہم غنی اور اللہ فقیر ٹھہرا چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی۔ (مجمع البیان مفضا)

سَنَكْتُبُ :- یعنی ملائکہ کو ام ان کا یہ کلمہ ان کے مخالف اعمال میں لکھ لیں گے اور وہ محفوظ رہے گا اور یہ بد اعمالی سے بچنے کا انتہائی کارگر طریقہ ہے کیونکہ جب ایک شخص کو معلوم ہو کہ میری ہر بات میرے نامہ اعمال میں محفوظ ہے جس کو قیامت کے روز تمام خلائق کی موجودگی میں پڑھا جائے گا اور مجھے شرمندگی ہوگی تو وہ حتی الوسع گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے گا۔ قَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ :- مسلمانوں کے زمانہ کے یہودیوں نے اگرچہ انبیاء کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ ان کے اسلاف نے یہ کام کیا تھا لیکن یہ لوگ چونکہ ان کے اس کرتوت سے راضی تھے لہذا انبیاء سلف کا قتل ان کی طرف منسوب کیا گیا چنانچہ وارد ہے کہ اگر قتل مشرق میں ہو اور مغرب میں کوئی رہے والا اس کے فعل پر راضی ہو جائے تو وہ بھی قاتل کی طرح مجرم قرار دیا جائے گا۔ بناء بریں امام حسین علیہ السلام کو جن لوگوں نے قتل کیا اقامت ان لوگوں کے اس فعل بد پر راضی ہونے والے امام حسین علیہ السلام کے قتل میں شریک ہوں گے اور حضرت حجت علیہ السلام جب ظاہر ہوں گے تو ان سب سے انتقام لیں گے۔

قَدَّمْتُمْ أَيْدِيكُمْ :- ہر مجرم کی نوعیت جہاد گانہ ہوا کرتی ہے اور تمام اعضاء اپنی نوعیت کے مجرم کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن چونکہ کسی شے کے بھیجے کیئے ہاتھ ایک اہم حیثیت رکھتا ہے لہذا ہاتھوں کی طرف تقدیم مجرم کو منسوب کیا گیا اور مراد اس

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عٰهَدَ اِلَيْنَا اَلَا نُوْمِنُ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يٰتِيَنَا

جنہوں نے کہا تحقیق اللہ نے عہد لیا ہے ہم سے کہ نہ ایمان لائیں کسی رسول پر یہاں تک کہ نہ آئے

بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِى بِالْبَيِّنٰتِ

ہمارے پاس قرآنی ہوں، کو کھا جائے آگ۔ فرادیکھئے تحقیق آئے تہا رے اس رسول مجھ سے پہلے واضح نشانیاں، ہر

وَبِالَّذِى قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

اور اتمو اسے نشانہ کے ہو تم نے کہا، پوچھا، تم نے ان کو قتل کیا اگر تم سچے ہو؟

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاۤءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ

میرا اگر آپ کو جھٹلیں (تو تم نہ کرو) تحقیق جھٹلائے گئے بہت رسول آپ سے پہلے جو لائے تھے واضح نشانیاں

وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۳۳﴾

اور کتب روشن

سے تمام اعضاء کے مجسم ہیں۔

کسی قوم کے فعل پر راضی ہونی والا انہی میں سے شمار ہوگا

الَّذِينَ قَالُوا۔ کہتے ہیں کہ یہودیوں کی قرآنیوں کی قبولیت کی علامت یہ تھی کہ قرآنی کر کے اسے رکھ دیتے تھے پس آسان سے آگ اترتی اور جس کی قرآنی مقبول ہوتی تھی وہ اس کو جلا دیتی تھی اور جس کی قرآنی مقبول نہ ہوتی تھی اس کو آگ چھوڑ دیتی تھی پس ان لوگوں نے حضرت رسل اللہ سے بھی وہی نشانہ طلب کیا لیکن ارشاد قدرت ہوا کہ ان کے مزاج اپنے اسلاف کے مزاجوں کے بالکل موافق ہیں اور یہ لوگ ان کے افعال پر بالکل راضی ہیں جب ان کے پاس ہر قسم کے معجزات آئے اور یہی مطلوبہ نشانہ بھی ان کے سامنے موجود تھی لیکن ان سب کے باوجود انہوں نے بلا دلیل انبیاء کو قتل کر دیا تو ان لوگوں سے کیا توقع ہو سکتی ہے بلکہ یہ صرف یہاں سے بناتے ہیں۔

تفسیر برہان میں کافی دعویٰ شہی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے قدریہ اور خوارج پر لعنت بھیجی اور اس کے بعد مدینہ پر دو دفعہ لعنت کی راوی نے مرحبہ پر دوبارہ لعنت بھیجنے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ یہ تھے وہ لوگ ہیں جو ہمارے قاتلین کو مومن کہتے ہیں۔ پس اقامت ان کے لباس ہمارے خون سے آلودہ رہیں گے جس طرح کہ رسل اللہ

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفُّونَ أَجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَمَن

ہر نفس سچنے والا ہے موت کا اور تحقیق تمہیں پورا اجر دیا جائے گا بروز قیامت پس

زُحِرَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَمْتَاعٌ

جو بھلا گیا نار سے اور داخل کیا گیا جنت میں پس وہ کامیاب ہوا اور نہیں زندگانی دنیا مگر سامان

الْغُرُوبِ ۝ لَتُبْلَوْنَ فِيْ أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

دھوکے کا البتہ تم ضرور آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں اور اپنے نفسوں میں اور ضرور سناؤ گے ان سے جنہیں کتاب دی گئی

مِّنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ

تم سچنے اور ان سے جو مشرک ہیں اذیت بہت اور اگر صبر و تقویٰ اختیار کرو گے

کے زمانہ کے یہودیوں کو انبیاء ماسلف کے قتل کا مجرم قرار دیا گیا ہے حالانکہ قتل کرنے والوں اور ان کے درمیان پانچ سو سال کی مدت کا فاصلہ تھا یہ چونکہ ان کے فعل پر راضی تھے۔ لہذا خدا نے ان کو بھی انبیاء کا قاتل فرمایا۔

فَمَن زُحِرَ - تفسیر برہان میں بروایت تفسیر قمی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ قیامت کے دن جناب رسالتؐ کو گلابی ٹمک پہنایا جائے گا اور آپ عرش کی دائیں جانب قیام فرمائیں گے۔ پھر حضرت ابراہیمؑ کو سفید ٹمک پہنایا جائے گا اور وہ عرش کے بائیں جانب کھڑے کئے جائیں گے پھر حضرت علیؑ کو گلابی ٹمک پہنایا جائے گا اور حضرت اسماعیلؑ کو سفید ٹمک پہنایا جائے گا پھر حضرت حسن مجتبیٰؑ کو گلابی ٹمک پہنایا جائے گا اور ان کے بعد ایک دوسرے کے دائیں جانب قیام فرماہوں گے اور ان کے سامنے اُن کے شیعوں کو کھڑا کیا جائے گا پھر جناب فاطمہؑ اور اس کی ذریت اور شیعہ عورتیں آئیں گی پس یہ سب داخل جنت ہوں گے بلا حساب۔ بطنان عرش سے جناب رب العزت کی طرف سے ندا آئے گی اے محمدؐ تیرا بہترین باپ ہے ابراہیمؑ اور بہترین بھائی ہے علیؑ بن ابی طالب اور بہترین سبط ہیں حسن و حسینؑ اور بہترین جنین ہے محسن اور بہترین آئمہ ہیں تیری ذریت اور ان کا نام لیا جائے گا۔ اور بہترین شیعہ ہیں تیرے شیعہ آگاہ رہو۔ یہی کامیاب ہونے والے اور اس آیت کا یہی مطلب ہے (ملخصاً)

مَتَاعُ الْغُرُوبِ - مجمع البیان میں ہے کہ جنت میں ایک چھڑی رکھنے کی جگہ دینا اور اس کی تمام نعمات سے بہتر ہے۔

أَذًى كَثِيرًا - یہودی لوگ جناب رسالتؐ کی اور مومنین کی سچ کر تے تھے اور زبانی اذیتیں دیتے تھے پس خداوند کریم ان کو

ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝۸۶ وَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ

تو یہ جو اہم امور کا کام ہے اور جب لیا اللہ نے عہد ان سے جنہیں کتاب دی گئی کہ اس کو ضرور بیان کر دے

لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبُئْسَ

لوگوں کیلئے اور نہ چھپاؤ گے ایسا ڈالا دیا انہوں نے اس (عہد) کو اپنی پشت کے پیچھے اور خرید لی ۲۱ کے بدلے قیمت مختصر دی پس بُری

مَا يَشْتَرُونَ ۝۸۷ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرُحُونَ بِمَا آتَوْا وَمِجْنُونٌ أَنْ يُحْمَدُوا

سے وہ چیز جو خرید لیتے ہیں نہ خیال کرو ان کو جو خوش ہوتے ہیں ساتھ اس کے بڑا کیا انہوں نے اور چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے

بِمَا أُرِفُوا أَفَلَا تَحْسَبَنَّاهُمْ بِفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۸۸

ایسا بات پر بڑا انہوں نے نہیں کی ایسا نہ خیال کرو کہ وہ جہالت یافتہ ہیں عذاب سے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے

وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۸۹

اور اللہ کے لئے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے

تلقین صبر و تقویٰ فرما رہا ہے۔

وَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ ۝۸۶ کتب سابقہ میں چونکہ جناب محمد مصطفیٰ کی رسالت اور دین اسلام کی حقانیت کا اعلان تھا لیکن اہل کتاب

کے علماء رشوتیں اور ہدیے لے کر چھپانے کے درپے ہوتے تھے پس یہ آیت ان کی مذمت میں اُتری۔ بلکہ ہر وہ عالم جو جان بوجھ

کر مسلمانی حق پر پردہ ڈالے وہ اس آیت کا مصداق ہو سکتا ہے چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے

کہ اللہ نے جاہلوں سے سیکھنے کا عہد بعد میں لیا اور اہل علم پر سکھانے اور تعلیم دینے کا عہد پہلے لے لیا۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ ۝۸۷ کہتے ہیں کہ علماء یہود و جب اپنے عوام کی تعظیم کرتے اور ان کو عالم کہتے تھے تو وہ خوش ہوتے تھے

یابہ کہ منافقین جب جہاد میں حاضر ہونے سے گریز کرتے تھے اور پھر مسلمانوں کے سامنے اپنی عذر خواہی کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ

ہمیں سچا مسلمان سمجھا جائے اور ہماری تعریف کی جائے یا یہ کہ خیر کے یہودی حاضر بارگاہ رسالت ہوئے اور کہا کہ ہم آپ کو پہچانتے اور آپ پر

ایمان رکھتے ہیں تو مسلمانوں نے ان کی تعریف کی پس آیت مجیدہ میں خداوند کریم ان کی مذمت فرما رہا ہے اور ظاہر آیت اگرچہ بعض افراد

کو شامل ہے لیکن اس کی اولیٰ قیامت تک جاری ہے اور جو لوگ ایسی صفات کے حامل ہیں وہ ہر زمانہ میں اس آیت کے مصداق ہوتے

جاری رہے ہیں اور عوام کی بہ نسبت علماء پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور ان کی باز پرس بہ نسبت عوام کے سخت تر ہوگی۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

تحقیق پیدا کرنے میں آسمانوں اور زمین کے اور اختلاف شب و روز میں (البتہ توحید کی دلیل ہے)

لَايَةٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ (۱۹۰) الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا

صاحبان عقل کے لئے جو یاد کرتے ہیں اللہ کو قیام و قعود میں

وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا

اور پیٹوں کے بل اور سوچتے ہیں آسمانوں اور زمینوں کی خلقت

مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (۱۹۱)

کے بارے میں (بھڑکتے ہیں) اے رب تو نے یہ نہیں پیدا کیا بے سود۔ تو پاک و منزہ ہے پس ہمیں بچا عذاب دوزخ سے

وَمَنْ يَذْكُرْ فَتَحْتَفَظُ اللَّهُ كَرَمًا

توحید

رکوع نمبر ۱۱

۱۔ اِنْ فِي اخْتِلَافٍ :- اے تفسیر بیان میں ہے مَنْ كَانَ فِي هَذِهِ اَعْلَىٰ فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْلَىٰ کی تفسیر میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جس شخص کو آسمان و زمین کی خلقت شب و روز کا اختلاف اور گردش فلک اور شمس و قمر کی رفتار وغیرہ یہ نہ بتا سکیں کہ ان کے پیچھے ایک بڑی قوت کار فرما ہے تو وہ آخرت میں اندھا اور راہ گم کردہ محسوس ہوگا۔

۲۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے تھے اپنے دلوں کو فکر سے بیدار کرو۔ رات کو سجدہ میں بسر کرو اور اللہ سے ڈرو۔

۳۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ تمام عبادتوں سے بہتر عبادت اللہ اور اس کی قدرت میں تفکر کرنا۔

۴۔ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ عباد نماز روزہ کی زیادتی کا نام نہیں ہے بلکہ عبادت توحید میں فکر کا نام ہے۔

۵۔ جناب رسالت مآب سے منقول ہے کہ اللہ کے نزدیک اس شخص کی قدر و منزلت زیادہ ہے جو کھائے کم اور فکر زیادہ کرے اور مغرض ترین انسان وہ ہے جو زیادہ کھا کر سونے میں گزار دے اور فرمایا کہ خلق خدا میں تفکر کیا کرو اور خود ذات خدا میں فکر نہ کرو کیونکہ تمہارے بس سے باہر ہے۔ الحدیث

۶۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ بہتر انسان کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا جس کا بولنا ذکر خاموشی فکر اور نظر برائے عبرت ہو۔

۷۔ حضرت رسالت مآب نے ارشاد فرمایا کہ اپنی آنکھوں کو عبادت سے حصہ دیا کرو اور وہ یہ کہ قرآن میں نظر کرو اور پھر اس میں فکر کرو

اور عجائبات دیکھ کر ان سے عبرت حاصل کرور

۸۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ دو فخر رکعتیں جو فکر سے پڑھی جائیں وہ بددلی کی رات بھر کی نماز سے بہتر ہیں۔ حضرت اہل بیتؑ تنہائی پسند تھے چنانچہ ایک دفعہ ان سے کہا گیا کہ آپ تنہا بیٹھا کرتے ہیں اگر لوگوں کے ساتھ بیٹھیں تو وہ آپ کی دل لگی کا باعث ہوگا تو آپ فرماتے تھے کہ تنہائی میں بیٹھنا فکر کے لئے زیادہ مفید ہے اور فکر کی زیادتی جنت کا راستہ ہے (ان احادیث میں فکر سے مراد توحید کے بارے میں فکر ہے)

۹۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام ایک خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں حمد اس اللہ کے لئے جس نے اپنی خلق کو اپنے وجود کی اور اپنی حادث مخلوق کو اپنی ازیت کی دلیل قرار دیا اور مخلوق کی ایک دوسری سے مشابہت کو اس کی بے نیکی کی شبیہ و مثال کوئی نہیں۔ مشاعر اس کو چھو نہیں سکتے اور پردے اس کو ڈھانپ نہیں سکتے کیونکہ یہ واضح بات ہے کہ صانع اور مضمروع دو الگ چیزیں ہیں حادث محدود ہے مجرب ہے اور رب و مربوب میں فرق ہے وہ یکا و تنہا ہے بغیر تاویلی عدد کے وہ خالق ہے بغیر حرکت و کوفت کے سمیع ہے بغیر اکہ کے بغیر کچھ کے اور شام ہے بغیر ص کے۔ ہر شے سے مجرب ہے لیکن نہ ساتھ دوری مسافت کے ظاہر ہے لیکن نہ یہ کہ دیکھنے میں آسکتا ہے اور باطن ہے نہ اس لئے کہ اریکی کی صفت اس میں پائی جائے چیزوں سے الگ ہے کہ اس کا قبر و غلبہ ہر شے پر مادی ہے اور دوسری چیزیں اس سے مجرب ہیں کہ وہ اس کے سامنے خاضع و خاشع ہیں جس نے اس کی وصف کی (صفت کو ذات سے الگ کرنا) تو گویا اس نے بندگی کی اور جس نے مد بندگی کی گویا اس نے اس کو محدود کرنا اور جس نے اس کو محدود کرنا اس نے اس کی ازیت کی نفی کی جو یہ کہے کہ وہ کیا ہے؟ تو گویا وہ اس کو موصوف جانتا ہے یعنی صفت کو ذات سے الگ تصور کرتا ہے جو یہ کہے کہ وہ کہاں ہے؟ تو وہ گویا اسے مکان کا پابند سمجھتا ہے اور وہ اس وقت سے عالم ہے جب ملام کا وجود نہ تھا۔ وہ اس وقت سے رب ہے جب مربوب کوئی نہ تھا اور وہ اس وقت سے قادر ہے جب کسی مقدور کا صفحہ ہستی پر نام و نشان نہ تھا۔

۱۰۔ مجمع البیان میں تفسیر ثعلبی سے مروی ہے کہ جناب رسالتؐ رات کو اٹھ کر مسواک کر کے یہ آیات پڑھا کرتے تھے اور نیز آپ سے مروی ہے کہ دلیل ہے اس شخص کیسے جس نے ان آیتوں کو صرف منہ میں چبایا اور فکر نہ کیا۔

دلیل بر وجود خدا

انسان جب آسمان و زمین کے وجود اور ان میں نت نئے حادث ہونے والے عجائب و غرائب کا مطالعہ کرے تو یقین پیدا ہوتا ہے کہ جو چیز حوادث کا محل و مقام ہے وہ خود بھی حادث ہے تو ماننا پڑے گا کہ آسمان و زمین کا وجود ازلی نہیں بلکہ ایک وقت میں یہ نہ تھے پھر ہو گئے لہذا ضروری ہے کہ ان کو کسی نے پیدا کیا ہو۔ پس ان کا حدوث و وجود ان کے خالق کے وجود کی دلیل ہے جو قادر ہے اور ان کے وجود میں عجیب و غریب مصالح اور ان کا نظم و نسق خالق کے علم و حکمت کی ناقابل تردید برہان ہے اور نیز ان کا حدوث خالق کے قدم کا پتہ دیتا ہے کیونکہ اگر وہ بھی حادث ہو تو اس کے لئے ایک اور موجب کی ضرورت ہوگی اور یہ سلسلہ غیر تنہا ہی چلے گا۔ پس انتہا ایک ایسے موجب پر ہوگی جو قدیم ہے اسی طرح شب و روز کا اختلاف بھی وجود خدا کی دلیل ہے کیونکہ ایک مقدار معین پر دن و رات کا تعاقب جس سے کبھی یہ

آگے پیچھے نہیں ہو سکتے پھر بلحاظ موسم ایک کا بڑھنا اور دوسرے کا گھٹنا اس طرح کہ بڑھنے والے کی زیادتی گھٹنے والے کی کمی سے برابر ہی ہوتی ہے اور یہ سلسلہ کبھی کم و بیش نہیں ہوتا پس یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ان کا صانع قادر حکیم دانا و بینا ہے۔

منہایت مناسب ہے کہ اس مقام پر دورِ حاضر کے ایک فکر کے نتائج فکر گوشت کر دوں چنانچہ ایک پروفیسر اس عنوان پر کہ دیکھا زمین پر زندگی کی نمود محض اتفاق ہے؟ لکھتا ہے۔

عصرِ جدید سائنس کا دور ہے اگرچہ آفتاب سائنس ابھی طلوع ہوا ہے تاہم نئی دریافت یہ تصدیق کرتی ہے کہ یہ دنیا کا تخلیقی کارنامہ ایک حکیم مطلق یعنی خالق و پروردگار کا ہی مرتبہ منت ہے۔ ڈارون کے بعد کی اس ایک صدی میں انسان نے عظیم الشان ایجادات کی ہیں اور ہم ایک ایسے سرچشمہ علم سے بہرہ یاب ہوئے ہیں جہاں سائنس اپنے بحر کے اقرار کے ساتھ خدا پر ایمان کو مستحکم کرتی ہے اور ہم خدا کی حقیقت سے قریب سے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں مشاہدہ قدرت اور جدید سائنسی علوم (ریاضی، طبیعیات، جغرافیہ، فلسفہ اور علم حیوانات وغیرہ) سے ان چند دلائل نے میرے خدا پر ایمان کو تازہ کر دیا ہے شاید آپ بھی ان سے اتفاق کریں۔

۱۔ حساب کے لافانی قانون کی رو سے ہم ثابت کرتے ہیں کہ ہماری یہ کائنات ایک عظیم انجینئر کے ہاتھوں سے ہی پائیہ تکمیل کو پہنچ سکتی تھی فرض کیجئے آپ دس سکے لے کر ان پر ترتیب وار ایک سے دس تک ہند سے لکھ دیتے ہیں اور انہیں ملانے کے بعد جیب میں ڈال لیتے ہیں اب آپ انہیں اس ترتیب سے نکالنے کی کوشش کریں کہ پہلے نمبر ایک آئے پھر نمبر دو پھر علی الترتیب نمبر دس نکالے اور ہر سکہ کو نکالنے کے بعد اسے جیب میں ڈال کر ملاتے رہیں حساب کی رو سے ہم جانتے ہیں کہ ان دس سکوں میں سے نمبر ایک کو پہلی دفعہ نکالنے کی کوشش کریں تو اس کا امکان بڑا ہے۔ اگر نمبر ایک اور دو کو ترتیب وار نکالنے کی کوشش کریں تو اس کا امکان بڑا ہے۔ اسی طرح ایک دو تین کو ترتیب وار نکالنے کے لئے ہزار میں سے ایک دفعہ کا امکان ہے لیکن ایک سے دس تک تمام سکوں کو ترتیب سے نکالنے کے لئے امکان کس حد تک ہے؟ شاید ایک ارب دفعہ میں صرف ایک ہی توجہ سے ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ ہماری زمین پر زندگی برقرار رکھنے کے لئے کڑی شرائط کا ہونا ضروری ہے البتہ ان میں توازن و تناسب ناگزیر ہے زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چکر لگاتی ہے اگر یہ سو میل کی رفتار پر آجائے تو ہمارے دن رات موجودہ وقت سے دس گنا بڑھ جائیں گے اور سورج کی تمازت دنیا کے سبزے کی پتی پتی کو جلا کر راکھ کر دے گی اگر کوئی سخت جان کوپنل بچ بھی گئی تو یخ بستہ طویل رات سے ختم کر دے گی

سورج ہماری زندگی کے لئے ایک لازمہ کی حیثیت رکھتا ہے اس کی اوپر کی سطح کا درجہ حرارت بارہ ہزار فارن ہیت ہے ہماری زمین اس سے اتنی دور ہے کہ یہ ازلی ابدی آگ کی مچھٹی ہمیں مناسب گرمی دیتی ہے اگر یہ اس سے آدھی حرارت دے تو ہم برفاب ہو جائیں اور اگر یہ اس سے آدھی حرارت تیز کر دے تو کباب ہو جائیں۔

ہماری زمین ۲۳ درجہ عمود سے جھکی ہوئی ہے اسی سے ہمارے موسم بنتے ہیں اگر لیں نہ ہوتا تو سمندروں سے اٹھنے والے

عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْبِعَادَ ۝۱۹۷ فَاسْتَجَابَ

وعدہ فرمایا بذریعہ اپنے رسولوں کے اور یہی ذلیل نہ کرنا بروز قیامت تحقیق تو نہیں خلاف وعدہ کرتا۔ پس ان کی دعا

لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنَّىٰ لَا أَضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ

قبول کی ان کے رب نے کہ تحقیق میں نہیں ضائع کرتا تم میں سے کسی عامل کا عمل۔ خواہ مرد ہو یا عورت

بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۖ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ

تم ایک جیسے ہو۔ پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور نکالے گئے اپنے گھروں سے اور

أَوْ ذُوَانِي سَبِيلٍ وَقْتَلُوا أَوْ قُتِلُوا لَا كُفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ

ادیت دیئے گئے میرے راستے میں اور لڑے اور مارے گئے البتہ مزدور میں دُور کردن کا ان سے ان کے گناہ

ردانہ ہوئے جب البوسفیان کو معلوم ہوا تو اس نے اپنے ایک حبشی غلام کو عقب میں روانہ کیا تاکہ حضرت علیؑ کو مستورات کے ہمراہ لے جانے سے روکے چنانچہ جب یہ حبشی غلام پہنچا تو آپؐ نے اس کو ہٹ جانے کو کہا لیکن یہ باز نہ آیا پس آپؐ نے ایک حبشی ید اللہی سے اُسے واصل جہنم کیا اس کے بعد البوسفیان خود آیا اور اُس نے اپنے غلام کو مقتول پایا پھر حضرت علیؑ کو مستورات کے لے جانے سے منع کیا حضرت علیؑ اور ان کے درمیان ایک جھڑپ ہوئی۔ آخر کار البوسفیان ناکام واپس چلا گیا اور حضرت علیؑ اور ان کے ہمراہین چونکہ جنگ و جدال کی وجہ سے خستہ ہو چکے تھے لہذا ایک مقام پر قیام فرمایا اور تمام رات اللہ کی عبادت میں مصروف رہے۔ کوئی کھڑے ہو کر کوئی بیٹھ کر اور کوئی پہلو کے بل لیٹ کر حمد و شکر خداوند بجالاتے رہے اور آخر کار بخیر و عاقبت داخل مدینہ ہوئے اور ان کے پیچھے سے پہلے جبرئیلؑ یہ آیات لے کر نازل ہوا اور حضورؐ نے پڑھ کر سنائیں حضرت علیؑ کے ہمراہ عورتوں میں سے جناب فاطمہؑ ابراہیمؑ فاطمہ بنت اسدؑ اور فاطمہ بنت زبیرؑ تھیں اور بعد میں ام سلمہؑ بھی پہنچ گئیں۔ فَاسْتَجَابَ۔۔۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت ام المومنین ام سلمہؑ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی تھی کہ ہجرت کے موقع پر صرف مردوں کا ذکر کیا جاتا ہے حالانکہ ہم عورتوں نے بھی ہجرت کی لیکن ان کا کہیں ذکر نہیں ہوتا تو خداوند کریم نے اس آیت مجیدہ میں مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی ذکر فرمایا۔

بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ۔ یعنی نفرت دین اور موالات میں تم سب کا ایک حکم ہے کیونکہ تم سب صفت ایمان میں یکساں ہو اور علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ اس آیت مجیدہ میں تشوین و تحریص موجود ہے کہ مومن گذشتہ آیات والی دعاؤں کو پڑھتے ہیں کیونکہ جن لوگوں نے یہ دعائیں پڑھی تھیں ان کی مدح و ثنا بھی فرمائی اور ان کی دعا کو مستجاب بھی فرمایا۔

وَلَا دُخْلَنَّهُمْ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِمَّنْ عِنْدَ اللَّهِ

اور ان کو داخل کروں گا ایسے بہشتوں میں کہ بہتی ہوں گی ان میں نہریں یہ بدلا اللہ کی طرف سے ہے

وَاللَّهُ عِنْدَ كَ حُسْنِ الثَّوَابِ ۝ (۱۹۵) لَا يَغْرَنُكَ ثَقَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي

اور اللہ کے نزدیک بہترین بدلا ہے نہ دھوکا دے تم کو کہ اندر رفت ان کی ہو کافر ہیں

الْبِلَادِ ۝ (۱۹۶) مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ (۱۹۷)

شہروں میں یہ نفع مختصر ہے پھر ان کی بازگشت جہنم ہے اور بُرا ٹھکانا ہے

حُسْنِ الثَّوَابِ :- یعنی اللہ کے پاس اعمال کی وہ جزا موجود ہے جس کی وصف و ثنا کوئی زبان کر ہی نہیں سکتی وہ ایسی ہوگی جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی بشر کے دل پر اس کا خطر ہوا ہوگا۔ کیونکہ اخروی نعمات ہر قسم کے عیب و نقص سے پاک صاف ہوں گی۔ تفسیر برہان میں ہے کہ آیت مجیدہ کے مصداق حضرت امیر علیہ السلام حضرت سلمان حضرت ابوذر اور حضرت عمارؓ ہیں مقصد یہ ہے کہ بوقت نزول یہ لوگ تھے درنہ تاقیامت ایسی صفات والے مومنین اس آیت کے صحیح مصلحت ہوتے چلے جائیں گے۔

لَا يَغْرَنُكَ :- تفسیر صافی میں مروی ہے کہ بعض مسلمان جب کافروں کو آسودہ زندگی اور خوشحالی میں دیکھتے تھے تو کہتے تھے یہ دشمنان خدا کیسے آسودہ حال ہیں اور ہم مبعوک سے مر رہے ہیں۔ ان کی تسلی کے لئے یہ آیت اُتری اور ظاہری خطاب اگرچہ حضرت رسالتؐ کی طرف ہے لیکن اس سے مراد امت کے افراد ہیں۔

مَتَاعٌ قَلِيلٌ :- دنیا کی زندگی کو متاعِ قلیل اس لئے فرمایا کہ خواہ زندگی کتنی ہی پر از عیش اور طویل ہو آخر اس نے ختم ہو جانا ہے اور آخرت کی زندگی اور اس کی نعمات ابدیہ کے مقابلہ میں اس کا کوئی مقام ہی نہیں۔ کافر خواہ کتنی ہی نعمت میں ہو۔ آخرت کے عذاب کا جب دروازہ کھلے گا تو اس کو تمام نعمتیں مَبُول جائیں گی اور مومن خواہ کتنی ہی تکلیف میں مبتلا ہو جب مرنے کے وقت جنت کا دروازہ اس کے سامنے باز ہوگا تو اس کی تمام تکلیفیں رفع ہو جائیں گی۔ اسی لئے تو کہا گیا ہے۔ کہ الدُّنْيَا سِجْنٌ لِلْمُؤْمِنِينَ وَجَنَّةٌ لِلْكَافِرِينَ۔ یعنی دنیا مومن کے لئے قید اور کافر کے لئے جنت ہے۔ مومن اگر دنیا میں آسودہ حال بھی ہو۔ جنت کی نعمات کے مقابلہ میں اسے قید خانہ سمجھے گا اور کافر دنیا میں اگر بد حال بھی ہو لیکن جہنم کے مقابلہ میں اسے جنت سمجھے گا اور تفسیر مجمع البیان میں ابن مسعود سے مروی ہے کہ کافر مومن ہر دو کے لئے موت بہتر ہے مومن کے لئے تو اس واسطے کہ وہ جنت میں جا پہنچے گا۔ اور کافر کے لئے اس واسطے کہ آئندہ کی زندگی میں جو اس نے نافرمانی کرنی تھی اس سے بچ جائے گا اور اسی قدر عذاب سے وہ نجات پائے گا۔

لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

لیکن وہ لوگ جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے ان کے لئے باغات ہیں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں

خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْآبَرَارِ ۝۱۹۸

ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں جہان ہی ہے اللہ کی جانب سے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے بہتر ہے ان کو کیلئے اور تحقیق بعض

أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَن يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمُ وَمَا أُنْزِلَ

اہل کتاب ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور جو کچھ نازل ہوا تمہاری طرف اور جو کچھ نازل ہوا

إِلَيْهِمْ خُشِعِينَ ۚ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۝۱۹۹

ان کی طرف خضوع کرتے ہوئے اللہ کے لئے نہیں لیتے آیات خداوندی کے بدلے قیمت تھوڑی ان لوگوں کے

لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝۲۰۰

لئے ان کا اجر ہے نزدیک ان کے رب کے تحقیق اللہ جلدی حساب لینے والا ہے اے ایمان والو!

الَّذِينَ آمَنُوا صَبِرُوا وَاصْبِرُوا وَارْطَبُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝۲۰۱

صبر کرو اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرو اور ثابت قدم رہو اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ

وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنَ امْتَنَ بِعَهْدِ اللَّهِ إِذْ أَخَذَ مِنْكُمُ الْعَهْدَ فَأَخَذَ مِنْكُمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ فَسَلَوْنَ كَيْدَهُمْ فِيكُمْ فَتَضَاعَفْ

وَالْعَهْدُ الَّذِي فِيهِ يَخَصِمُونَ ۝۲۰۲

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝۲۰۳

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝۲۰۴

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝۲۰۵

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝۲۰۶

ایک دوسری روایت میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ مصائب میں صبر کرو۔ اور زمانِ تقیہ میں ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرو اور جن کی اقتداء کرتے ہو ان کے لئے ثابت قدم رہو۔

مردی ہے کہ ایک مرتبہ ابن عباس نے اس آیت مجیدہ کی تفسیر طلب کرنے کے لئے ایک شخص کو امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کیا۔ جب سائل نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ آیت میرے باپ اور ہمارے حق میں نازل ہوئی ہے اور وہ رابطہ جس کا آیت مجیدہ میں حکم ہے اس کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ ہاں ہماری نسل سے مرابطہ کرنے والے ہوں گے واپس جا کر ابن عباس کو کہنا کہ تیری نسل سے ایک ذریت نکلے گی جو آتش جہنم کے لئے پیدا ہوگی۔ وہ اللہ کے دین سے لوگوں کی جماعتوں کو خارج کریں گے اور آلِ محمد کے بچوں کے خون سے زمین کو رنگیں کریں گے اور ایمان والوں سے لڑیں گے۔

رابطہ ۱: رابطہ کا اصل مفہوم تو ہے کہ اسلامی سرحدوں پر حفاظت کے لئے مجاہدین کر ڈٹے رہنا اور ان سرحدوں پر ثابت رہنے والوں کو رابطہ کہا جاتا ہے لیکن تفسیر معصومین میں اس جگہ رابطہ کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اپنے امام وقت کی نصرت کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھو اور ان کی تمام احکام میں اطاعت کرو اور خدا کی نافرمانی سے بچو۔ چنانچہ چند احادیث بیان کی جا چکی ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے فرامین ہیں جو خانوادہ عصمت سے اس بارہ میں وارد ہوئے ہیں۔

اور امام علی زین العابدین علیہ السلام نے تاویل کے طور پر ایک فرد بیان فرمادیا جو اس آیت کا اپنے زمانہ میں مصداق حقیقی تھا۔ ورنہ یہ آیت بلکہ قرآن مجید کی تمام آیتیں قیامت تک کے لئے ہیں اور قیامت تک ان کے مصداق آتے رہیں گے جیسا کہ ہم نے مقدمہ تفسیر میں اس کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔

جمع البیان میں مرابطہ سے مراد بعض احوال کی رو سے نمازوں کی یکے بعد دیگرے انتظار اور ان کی پابندی لی گئی ہے چنانچہ جناب رسالت اکرم سے روایت نقل کی ہے کہ آپ سے افضل اعمال کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا وضو کا کامل کرنا۔ نماز جماعت کی طرف قدم بڑھانا اور نمازوں کی یکے بعد دیگرے انتظار کرنا اور یہی مرابطہ ہے۔

آج بھدراند بروز اتوار ساڑھے تین بجے بعد دوپہر ۱۷ جمادی الثانیہ ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۶ نومبر ۱۴۳۸ھ سورہ آل عمران کی تفسیر سے فارغ ہوا اور خداوند کریم سے دست بردار ہوئے کہ بحق محمد و آل محمد و آلہ الطاہرین مجھے پورے قرآن کی تفسیر پر موفیق فرما اور اس سلسلہ میں حاصل شدہ جمیع جانی و مالی رکاوٹوں کو دور کرے اور وہ دعاؤں کو قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اس کے بعد سورہ نساء کی تفسیر شروع ہوگی۔

وَاللّٰهُ الْمَوْفِقُ وَالْمُعِينُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطَّاهِرِينَ

تفسیر

سُورَةُ نَسَاءِ

یہ سورہ مدنی ہے اور اس میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے علاوہ
 ایک سو چھترہ آیات اور چوبیس رکوع ہیں۔ تفسیر برہان میں عیاشی سے مروی ہے
 کہ حضرت امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص سورہ نساء کی ہر جمعہ کو
 تلاوت کرے وہ فشارِ قبر سے نجات پائے گا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

(مشرع کرتا ہوں) اللہ کے نام سے جو رحمن و رحیم ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ

اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے تمہیں پیدا کیا ایک نفس سے اور پیدا کیا اس (کی جنس) سے

مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي

اس کی عورت کو اور پیدا کئے ان دونوں سے مرد بہت اور عورتیں اور ڈرو اللہ سے جس کا ایک دوسرے

تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ①

کو واسطہ دیتے ہو اور رحم سے (قطع رحمی نہ کرو) تحقیق اللہ تم پر نگہبان ہے

رکوع نمبر ۱۲ حکم تقویٰ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ :- خداوند کریم نے آیت مجیدہ میں عامۃ الخلق کو تقویٰ کا حکم دیا اور اپنے عمومی احسان کو بطور عت کے پیش فرمایا۔ پہلے پہل نعمت خلق کو ذکر فرمایا اور اس میں شک نہیں کہ نعمت وجود باقی تمام نعمتوں کا سرچشمہ ہے پس جس خالق نے انسان کو کتم عدم سے خلعت وجود مرحمت فرمایا وہ سزاوار ہے کہ اس کی کما حقہ اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانیوں سے گریز کیا جائے کیونکہ انسان بلا شک عبد ہے اور وہ مولیٰ ہے اور عبد کے لئے کسی صورت میں اپنے مولیٰ کی مخالفت جائز نہیں اور عقل کا اہل فیصلہ ہے کہ شکر منعم واجب و لازم ہوا کرتا ہے پھر تمام انسانوں کو ایک نفس سے خلق فرمایا اس کی کمال قدرت کی دلیل ہے اور حکمت الہیہ یہ ہے کہ گردنوں نفوس انسانی صغیر وجود میں آئے لیکن صرف چہرہ کی طرف اگر غور کیا جائے تو ایک بالشت کی لمبائی پورائی سے اس کا رقبہ زیادہ نہیں اور اسی مختصر سے ٹکڑے میں اس قادر مطلق نے اس قدر لاتعداد و لا تحصی نقوش و نشانات تفویض فرمائے ہیں کہ ہر چہرہ دوسرے چہرہ سے ممتاز ہے ہر کی شکل و نقش دوسرے سے الگ ہیں کوئی بڑے سے بڑا کاریگر اتنے مختصر سے ٹکڑے میں اسی قدر مختلف نقوش اور جدا جدا اشکال قطعاً پیدا نہیں کر سکتا۔ یہ صرف اسی قادر مطلق اور حکیم بے مثل کی صانعیت کا طرہ امتیاز ہے جو علی الاطلاق شکر و حمد کا سزاوار ہے صرف چیز نہیں بلکہ انسان کے تمام اعضاء کی خصوصیات ایک دوسرے سے جدا گانہ ہوتی ہیں اسی طرح ہر انسان کا مزاج مختلف اور تو اے باطنیہ میں اختلاف حتیٰ کہ صغیر ہستی پر قدم رکھنے والوں میں سے کوئی انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ ہر حیثیت

سے ایک جیسا نہیں پایا جاتا اور یہ اس کی قدرت کاملہ اور حکمت شاملہ کی بڑی دلیل ہے جو انسان کو تقویٰ کی طرف ہر وقت دعوت دے رہی ہے
حضرت خوا کی پیدائش **وَحَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا**۔ اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے عام لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ حضرت خوا حضرت آدم کی بائیں جانب کی پسلی سے پیدا ہوئی تھی۔ لیکن اس کے متعلق تفسیر کبیر رازی

میں ابو مسلم اصفہانی نے اس کی تحقیق یہ بیان کی ہے کہ مِنْهَا سے مراد ہے مِنْ جَنْبِهَا اور اس کے استشہاد میں متعدد آیات قرآنیہ موجود ہیں چنانچہ فرماتا ہے **جَعَلَ لَكُم مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا**۔ (یعنی اس نے بائیں تمہارے نفسوں سے تمہاری بیویاں) اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہر شخص کی بیوی اس کے نفس سے پیدا ہوئی ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ تمہاری بیویاں تمہاری جنس سے خدا نے پیدا کیں نیز ارشاد فرماتا ہے کہ **بَعَثَ فِيْهِمْ رُسُلًا مِّنْهُمْ** (انہیں میں سے ان میں رسول بھیجا) اس مقام پر یقیناً مِنْهُمْ سے مراد مِنْ جَنْبِهِمْ یا مِنْ قَوْمِهِمْ ہے یعنی خدا نے ان کی جنس یا ان کی قوم میں سے ان میں اپنا رسول مبعوث فرمایا۔

اس مقام پر شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا۔ اگر حضرت خوا کی تخلیق جدا ہوئی ہے تو اس طرح ہوتا کہ تمہیں نفسوں سے پیدا کیا گیا تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ لفظ مِنْ اس مقام پر ابتدائے غایت کے لئے ہے اور چونکہ خلقت میں حضرت آدم اول تھے اس لئے کہا گیا کہ تمہاری ابتدا ایک نفس سے ہوئی نیز جب خدا کی قدرت کاملہ کی یہ شان ہے کہ حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کر سکتا ہے تو کیا حضرت خوا کی پیدائش کے وقت اس میں وہ قدرت نہ تھی کہ اس کو بھی علیحدہ مٹی سے پیدا کر لیتا۔ حضرت خوا کو حضرت آدم کی پسلی سے پیدا کرنے کی کوئی ضرورت لاحق تھی؟ اور خواہ مخواہ باپ بیٹی بنا کر ان میں سلسلہ نکاح قائم کرنے میں کوئی مصلحت کار فرماتی؟ تفسیر برہان میں ہے ایک طویل روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جبکہ زرارہ نے سوال کیا کہ لوگوں کا خیال ہے۔ خدا نے حضرت خوا کو حضرت آدم کی بائیں پسلی سے خلق فرمایا تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ! کیا خدا میں قدرت نہ تھی کہ حضرت خوا کو حضرت آدم کی پسلی کے علاوہ الگ مادہ سے خلق فرماتا ہو لوگ یہ کہتے ہیں: وہ دشمنان اسلام کو یہ کہنے کا موقعہ دیتے ہیں کہ آدم کا نکاح اپنی جڑ سے تھا پس خدا ہی ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا نے جب آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور فرشتوں سے اس کا سجدہ کرایا پس اس پر غیظ کو غالب کیا اور پھر حضرت خوا کو علیحدہ خلق فرمایا جب حضرت آدم پیدا ہوئے اور خوا کو پاس بیٹھے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ تو کون ہے۔ تو خوا نے جواب دیا میں مخلوق خدا ہوں اور مجھے بھی اس نے پیدا کیا ہے۔ پس خدا نے ان دونوں میں رشتہ نکاح قائم کیا۔ مختصراً

تفسیر صافی میں بروایت عیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ خدا نے خوا کو کس چیز سے خلق فرمایا؟ آپ نے فرمایا اس بارے میں لوگ کیا کہتے ہیں؟ راوی کہتا ہے میں نے کہا کہ لوگ تو کہتے ہیں کہ حضرت آدم کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئی۔ آپ نے فرمایا وہ جھوٹ کہتے ہیں کیا خدا عاجز تھا کہ بغیر پسلی کے اس کو کسی چیز سے پیدا کرتا؟ پھر فرمایا مجھے اپنے ابا و اجداد طہارین علیہم السلام سے خبر پہنچی ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ خدا نے حضرت آدم کو مٹی سے خلق فرمایا اور اس سے جو مٹی بچی اس سے حضرت خوا کو پیدا کیا اور بروایت علی بھی آپ سے اسی طرح منقول ہے کہ حضرت آدم کی بقیہ مٹی سے خوا کو پیدا کیا گیا۔ نیز ایک روایت میں ہے

کہ بائیں پسلی سے جو مٹی بچی تھی حضرت تھاکو اس سے پیدا کیا گیا۔ فقیر سے منقول ہے کہ جس روایت میں کہا گیا ہے کہ حضرت تھاکو حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئی وہ روایت صحیح ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بائیں پسلی سے بچی ہوئی مٹی سے حضرت تھاکو کی تخلیق ہوئی۔ بہر کیف جن روایات میں یہ ملتا ہے کہ حضرت تھاکو حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا کیا گیا۔ ان کا مطلب یہی ہے جو بیان کیا جا چکا ہے پس اس لحاظ سے حَلَقٌ مِنْهَا کا معنی یہی ہوگا کہ اس کی بقیہ مٹی سے تھاکو پیدا کیا گیا مِنْهَا یعنی مِنْ بَقِيَّةِ تُوَابِهَا اور ابو اصفہانی کے قول کے مطابق ہوگا مِنْ جَنْبِهَا اور ان دونوں کا ملال ایک ہے۔

سلسلہ اولاد حضرت آدمؑ

وَبَنَتْ مِنْهَا رَجُلًا بِدَاسِ اس مقام پر ایک اور اشتباہ ہے اور وہ یہ کہ حضرت آدمؑ کی اولاد کا بھائیوں اور بہنوں میں نکاح ہوا اور ان سے تمام نبی آدمؑ بالترتیب پیدا ہوئے خاندان عصمت سے بھی اس بارے میں سوالات ہوتے رہے چنانچہ انہوں نے فیصلہ کن جوابات ارشاد فرمائے۔ تفسیر برہان اور تفسیر صافی وغیرہ میں معصومین علیہم السلام سے کافی روایات منقول ہیں حضرت صادق علیہ السلام سوال کیا گیا کہ حضرت آدمؑ کی نسل کس طرح بڑھی اور کہا گیا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو وحی کی تھی کہ اپنے بیٹے اور بیٹیوں کے درمیان رشتہ نکاح قائم کرے اور یہ تمام انسان بھائی بہنوں کے نکاح کی پیداوار ہیں۔ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! کیا لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا کی تمام برگزیدہ مخلوق نبی رسولؑ ولی اور مومن حرام کی پیداوار ہیں؟ کیا خدا کو قدرت نہ تھی کہ وہ ان کو حلال سے پیدا کرتا؟ حالانکہ تمام مخلوق سے اس نے خود حلال کا عہد لیا۔ خدا کی قسم مجھے بیان کیا گیا ہے کہ کسی حیوان کے سامنے اس کی بہن بری شکل میں پیش کی گئی جب وہ اس سے جفتی کرنے لگا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ میری بہن ہے تو فوراً اس نے اپنا آلہ اس کی شرمگاہ سے نکال لیا اور غصہ سے اپنے آلہ کو دانتوں سے کاٹ دیا جس سے اس کی موت واقع ہو گئی اور آپ نے فرمایا بعض حیوانات کو اپنی ماں کے ساتھ بھی یہ واقع پیش آیا اور جب حیوانات کی یہ حالت ہے تو انسان اپنی انسانیت اور علم و فضل کے باوجود اس فعل شنیع کا کیسے مرتکب ہو سکتا ہے ہاں لوگوں کے ایک گروہ نے خاندان نبوت سے منہ پھیر لیا اور انہوں نے یہ چیزیں ان لوگوں سے حاصل کیں جن سے لینے کے لئے وہ مامور نہیں تھے جس کے نتیجے میں وہ جہالت اور گمراہی کے اس چکر میں مبتلا ہو گئے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ خداوند کریم نے خلقت آدمؑ سے دو ہزار برس قبل لوح محفوظ پر قیامت تک کے ہونے والے جملہ احکام ثبت کر دیئے اور اس میں تمام نقباء عراق و حجاز میں سے کسی کو مجال انکار نہیں ہے اور اس میں بہن بھائی کے نکاح کی حرمت پر بھی قلم جاری ہو چکی ہے تو رات موسیٰؑ پر انجیل عیسیٰؑ پر زبور و داؤد پر اور قرآن حضرت محمد مصطفیٰؐ پر نازل ہوا اور ان میں کسی کتاب میں یہ فتویٰ نہیں ہے جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ وہ مجوسوں کے قول کو قوت دیتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت ہابیل کو قابیل نے قتل کر دیا تو پانچ سو برس تک حضرت آدمؑ نے تھاکو کے قریب جانا چھوڑ دیا اور ہابیل کے غم میں روتے رہے اس کے بعد جب مقاربت ہوئی تو خداوند کریم نے آپ کو شیت عطا فرمایا جس کا نام ہبہ اللہ ہے اور یہ انسانوں میں پہلا وحشی ہے اس کے بعد حضرت کا دور فرزند یافت پیدا ہوا جب یہ جوان ہوئے تو سلسلہ نسب کو آگے بڑھانے اور بھائی بہنوں کے نکاح سے بچنے کے لئے پہلے خدا نے عصر کے بعد بروز خفیس جنت سے ایک تور بھیجی جس کا نام

برکہ یا نزلہ تھا اور وحی ہوئی کہ اس کا نکاح شیت سے کیا جائے پھر دوسرے روز عصر کے وقت دوسری حور جنت سے آئی جس کا نام برکہ یا منزلہ تھا اور اس کا نکاح یافث سے ہوا۔ پھر ان سے سلسلہ نسل جاری ہوا اور پہلے بطن میں شیت کا لڑکا اور یافث کی لڑکی ہوئی تھی اور ان کے باہمی نکاح سے بنی و مرسل پیدا ہوئے اور مجائوں اور مہنوں کا نکاح بالکل غلط ہے اور بے بنیاد بات ہے۔ عیاشی سے ایک روایت منقول ہے کہ حضرت آدمؑ کے چار لڑکے ہوئے اور چاروں خوروں سے ان کا نکاح ہوا اور ان سے اولاد ہوئی۔ پھر خوروں کو اٹھایا گیا اور ان کے بجائے قوم جن کی چار عورتوں سے نکاح ہوئے اور نسل اس طرح آگے چلی پس انسانوں میں علم حضرت آدمؑ سے اور جمال خوروں سے اور بد عادات قوم جنات سے آرہی ہیں۔

ایک روایت میں ہے فرزند آدمؑ حضرت ہبۃ اللہ (شیت کی شادی حور سے ہوئی جس سے چار لڑکے پیدا ہوئے اور حضرت آدمؑ کے دوسرے فرزند کی شادی قوم جن میں ہوئی جس سے چار لڑکیاں پیدا ہوئیں اور پھر آپس میں رشتے کئے گئے اور اولاد بڑھی۔ ایک روایت میں ہے کہ ہبۃ اللہ کے چار لڑکے حور سے ہوئے اور ان چار لڑکوں کے لئے ایک مسلمان جن کی لڑکیاں نکاح میں لائی گئیں اور ان سے اولاد بڑھی مہر کیفیت جو روایات مجائوں اور مہنوں کے باہمی نکاح سے متعلق ہیں وہ اسلامی اصول کے ماتحت قابل تسلیم نہیں اور مجوسی لوگ چونکہ مجائی مہنوں کے نکاح کو جائز سمجھتے ہیں لہذا وہ اپنے استدلال میں حضرت آدمؑ کی اولاد کے نکاح پیش کرتے ہیں اور مسلمانوں نے چونکہ خاندان عصمت و دودمان نبوت کا دروازہ چھوڑ دیا تو انہوں نے انہی لوگوں کی باتیں اپنی کتب میں داخل کر دیں اور اسی پر عقیدہ جما کر بیٹھ گئے۔

آئمہ معصومین علیہم السلام کی طرف سے منقولہ روایات میں جزی اختلاف ضرور ہے جو ممکن ہے روایت حدیث کے عدم حفظ کا نتیجہ ہو لیکن مجموعی طور پر ان کا آخری مقصد یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کی نسل مجائی مہنوں کے نکاح سے نہیں ہوئی بلکہ خدا جو تمام انسانوں کو حلال کا حکم دیتا ہے اور حلال کو پسند فرماتا ہے اس نے ابتداءً آفرینش سے انسان کیلئے حلال کا انتظام فرمادیا تھا اور وہ اس سے قطعاً غائب نہیں ہے اس بناء پر یہ شبہ کہ پھر انسان کی پیدائش نفس واحد سے کیے ہوئی حالانکہ خدا تو فرماتا ہے کہ تمام انسان نفس واحد سے پھیلے اور ان روایات کے ماتحت تو حضرت خوا اور ان کی بیہودوں کو ہلاتے ہوئے نفوس کثیرہ سے نسل کا چلنا ثابت ہوتا ہے تو اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ عام طور پر اولاد کی نسبت صرف باپ کی طرف ہوا کرتی ہے اور اس سلسلہ میں عورت کو تبعی حیثیت حاصل ہے بنابرین عرف عام کے ماتحت تمام بنی آدم کو صرف باپ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا اور اس عرف کو کوئی غلط نہیں کہہ سکتا۔ یا یہ کہ من کا معنی ابتداء ہے یعنی انسان کی ابتداء حضرت آدمؑ سے ہوئی ہے۔ صاحب تفسیر میزان نے کہا ہے کہ بَیْثٌ مِّنْهُمْ اُنْثٰی کے لفظ سے ثابت ہوتا ہے کہ بنی آدم صرف ان دونوں سے پیدا ہوئے ہیں اگر نوع انسانی کی کثیر میں کسی اور کو دخل ہوتا تو مِّنْهُمْ اُنْثٰی کا کلمہ تنہا نہ ہوتا بلکہ یوں چلے مِّنْهُمْ اُنْثٰی مِّنْهُمْ اُنْثٰی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولاد کی بیویاں خواہ کسی خاندان و قبیلہ سے تعلق رکھتی ہوں۔ ان کی اولاد ان کے جدِ اعلیٰ کی طرف بلاشک و شبہ منسوب ہوا کرتی ہے جیسے تمام سادات بنی فاطمہ کو حضرت علیؑ و فاطمہؑ کی اولاد کہا جاتا ہے حالانکہ علیؑ و فاطمہؑ علیہما السلام کے شہزادوں کی بیویاں خواہ

وَأَتُوا لِيُعْطَى أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ

اور دو تہیوں کو اپنے مال اور نہ کو خبیث بدلہ میں طیب کے

اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے

إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَثِيرًا ۖ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَالْحُكْمُ

مالوں کے ساتھ ملا کر تحقیق یہ گناہ کبیر ہے اور اگر ڈرو کہ نہ انصاف کر سکو گے تیریوں کے حق میں تو نکاح کر دو

دوسرے خاندانوں سے متعلق نیز اسٹینن فی العلم کی تصریحات کے بعد اس قسم کے وسوسوں دقیا سہی مواد کا کوئی مقام نہیں۔

اب یہ کہنا کہ زمین پر انسان کی پیدائش صرف اتفاقی ہے یا بقول لاندہب لوگوں کے کہ انسان کی ابتداء بندر سے ہے اور رفتار زمانہ سے ترقی کر کے انسانیت کی نوبت آئی جیسا کہ ایک دشمن اسلام ڈارون کا قول مشہور ہے خداوند کریم نے آیت مجیدہ میں اس کو کھٹے لفظوں میں باطل کیا اور خلقت انسانی کو اپنا احسان قرار دیا جس سے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت شاملہ کو پیش فرماتے ہوئے تمام انسانوں کو تقویٰ کی دعوت دی۔ نوجوانوں کو نئی پود ڈارون جیسے لاندہب دشمن خدا کی باتیں سننے کی بجائے خدائے حکیم کی بلاذ حکمت کلام سے واقفیت حاصل کریں تاکہ ان کے دلوں سے غلط عقیدت کا زنگ رنج ہو اور نور ایمان سے منور و علاء اسلام سرشار ہوں جو اپنے آپ کو آدمی کہلاتے ہیں یعنی اولاد آدم ان کیلئے قرآن نصیحت ہے البتہ جو لوگ ڈارون کے ہم عقیدہ ہو کر اپنے آپ کو بندر کی اولاد سمجھتے ہوں وہ قرآن سے کیا استفادہ کریں گے۔ ہم نے اس عقیدہ کو بطلان کیلئے تفسیر کی تیسری جلد میں وضاحت کی ہے

تَسَاءَلُونَكَ بِلَا وَالْأَرْحَامِ ۖ اِرْحَامُكَ عِطْفٌ يٰٓاَبُو بَكْرٍ كِي ضَمِيرٍ مَّجْرُورٍ پَر ہے جو کہ محلاً منسوب ہے اور یا لفظ اللہ پر ہے اور اَتَقْوَا کا مفعول ہے پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ڈرو اس اللہ سے جس کا ایک دوسرے کو واسطہ دیتے ہو اور ارحام کا واسطہ بھی دیتے ہو جو صریح عرب کہتے تھے اُنْشِدُكَ بِاَللّٰهِ وَبِالتَّوَحُّدِ اَنْ تَفْعَلَ كَذَا (تجھے خدا و قربت کا واسطہ ہے کہ فلاں کام کرو) اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ڈرو اس اللہ سے جس کا ایک دوسرے کو واسطہ دیتے ہو کہ اس کی اطاعت کرو اور نافرمانی نہ کرو اور ڈرو اس کی قطع تعلقی سے یعنی قطع رحمی نہ کرو۔ جناب رسالتاًؐ سے مروی ہے کہ خدا فرماتا ہے میں رحمن ہوں اور میں نے رحم کو اپنے نام سے مشتق کر کے اس کا نام رکھا ہے جس نے صلہ رحمی کی اس نے میرے ساتھ رابطہ قائم کیا اور جس نے قطع رحمی کی وہ مجھ سے قطع ہوا۔ صلہ رحمی دو طرح سے ہوتی ہے ایک رشتہ نامہ ایک دوسرے کا قبول کرنا اور دوسرے بصورت فقر و فاقہ ایک دوسرے کی دشگیری کرنا (مجمع البیان) تفسیر ربان میں ابن شہر آشوبؒ سے مروی ہے کہ ابن عباس نے کہا کہ یہ آیت محمدؐ ذاکل محمدؐ کے حق میں اتری ہے اور ارحام سے مراد رسولؐ کے قریبی ہیں کہ ہر سبب و نسب قیامت کے دن منقطع ہوگا۔ سوائے جناب رسالتاًؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب و نسب کے (سبب سے مراد جو رسولؐ کے دوست و موالی ہیں)

وَأَتُوا الْيَتَامَىٰ بِحَالَتِ نَجْنٍ فِي يَتِيمُونَ كَوَالٍ دِينَ سَ مَرَادِي هَ كَنِيكُنِي
سَ اَن پَر خِرَچ كَر وَاوَر جَوْب بَالِغ هُو جَائِسِ اَوَر حَالَتِ رَشَد كُو مَنِج جَائِسِ تَوَال

وَأَتُوا الْيَتَامَىٰ بِحَالَتِ بَيْعِهِمْ فِي تَمِيمٍ كَمَا مَالٌ دَنِيٌّ لَهُمْ كَيْفَ كُنْتُمْ تَفْعَلُونَ

اور ان پر خرچ کرو اور جب بالغ ہو جائیں اور حالتِ رشد کو پہنچ جائیں تو مال

مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبْعٌ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا

دو یا تین یا چار عورتوں میں سے دو دو تین تین اور چار چار پس اگر ڈرو کہ نہ عدل کر سکو گے

فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ ۖ أَلَّا تَعْلَمُوا ۚ وَأَتُوا النِّسَاءَ

تو ایک یا وہ جس کا مالک ہو تمہارا ہاتھ یہ زیادہ قریب ہے کہ نہ ظلم کرو اور دو عورتوں کو

صَدَقْتِهِنَّ نَحْلَةً ۚ فَإِنْ طِبَّنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيئًا مَّرِيًّا ۝۷

ان کے حق مہر (جو اللہ کا عطیہ ہیں) پس اگر بخوشی نفس تمہیں اس سے کوئی شے دے دیں تو اسے کھاؤ طیب خوش گوار ہے

ان کو واپس کر دو اس صورت میں ان پر یتیم کا اطلاق مجازاً ہوگا کیونکہ جناب رسالت کا فرمان ہے لَا يَتِمُّ بَعْدَ الْعِلْمِ (جو ان کے بعد یتیم نہیں رہتا) وَلَا تَبْدَلُوْا۔ اس کے معنی میں کئی وجوہ بیان کئے گئے ہیں صاحب مجمع البیان نے جو معنی پسند کیا ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ یتیموں کے اوصیاء کا دستور تھا کہ یتیموں کا عہدہ اور کھرا مال لے کر اس کی بجائے اپنا ردی اور کھوٹا مال ان کو دے دیتے تھے پس خدا نے ان کو اس سے منع کیا ہے کہ ایسا نہ کیا کرو۔ اسی طرح وہ ان کے عہدہ مال کو اپنے ردی مال سے خلط کر کے پھر مشرک کو بل جمل کر کھاتے تھے چونکہ اس میں بھی یتیموں کو خسارہ ہے اس لئے خدا نے منع فرمایا کہ اس طرح یتیموں کے مالوں کو اپنے ساتھ ملا کر نہ کھایا کرو۔ ہاں اگر یہ بات نہ ہو اور یتیموں کو خسارہ میں ڈالنا مطلوب نہ ہو تو مال کے ایک دوسرے کے ساتھ خلط یا ملاوٹ میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ جب یہ آیت آئی تو لوگوں پر یہ معاملہ بہت شاق گزرا اور حضرت رسالت کی خدمت میں شکایت پیش کی پس حکم ہوا اِنْ تَخَاَطَوْا هُمْ فَاحْوَ اَنُكُمْ یعنی اگر تم ان کے ساتھ اپنے مال ملاؤ تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور یہی حضرت باقر اور حضرت صادق علیہما السلام سے مروی ہے (مجمع البیان)

وَ اِنْ خِفْتُمْ۔ اس آیت کے نزول اور ماقبل سے ربط اور معنی کے متعلق کئی اقوال ہیں، عرب میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص کسی یتیم لڑکی کی پرورش کرتا تھا اور اس کے مال و جمال پر دلدلہ ہو کر اس سے نکاح کرتا تو ان کو شان موافق حق مہر نہ دیتا تھا پس اس آیت میں ان کو منع کیا گیا کہ ایسا مت کرو بلکہ اگر ان سے نکاح کرو تو ان کو حق پورا دو ورنہ ان کے علاوہ چار تک نکاح میں لا سکتے ہو اور تفسیر علمائے امامیہ میں بھی مروی ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ اس کا اتصال اس آیت سے اس طرح ہے۔ وَيَتَصَفَّوْا كَذَٰلِكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَا يُنْزِلُ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتْلِي النِّسَاءَ اَلَّا تُوْثِقُوْا لَهُنَّ مَا كَتَبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَمْلِكُوْهُنَّ ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَا تَقْسِطُوْا فِي الْيَمِيْنِ فَاَنْصَحُوْا۔ الخ (ترجمہ) آپ سے یہ لوگ عورتوں کے متعلق فتویٰ دریافت کرتے ہیں تو فرما دیجئے کہ اس بارے میں اللہ تم کو فتویٰ دیتا ہے اور وہ چیز جو تم پر کتاب میں یتیم عورتوں کے متعلق تلاوت کی جاتی ہے جن کو تم پورا حق مہر دانا نہیں کرتے اور چاہتے ہو کہ ان سے نکاح کریں پس اگر تم کو خوف ہو کہ یتیم عورتوں کے متعلق

انصاف نہ کر سکو گے تو باقی عورتوں میں سے چار تک نکاح کر لو۔ (۲) دستور تھا کہ لوگ چار پانچ بلکہ دس تک شادیاں کر لیتے تھے اور کہتے تھے مجھے کیا پرواہ ہے اگر میرا اپنا مال ختم ہو جائے گا تو فلاں یتیم کا مال استعمال کریں گے جو ہمارے پاس پل رہا ہے پس عدل منع فرمایا کہ اگر تمہارے پاس اپنے مال میں گنجائش نہ ہو تو بجائے اس کے کہ یتیموں کے مال پر دست درازی کرو۔ نکاح میں تخفیف کرو اور اپنی مالی وسعت کے ماتحت ایک دو تین آخر چار تک شادیاں کر لو۔ (۳) لوگ یتیموں کے مالوں میں احتیاط کرتے تھے لیکن عورتوں میں عدل کی پرواہ نہ کرتے تھے پس حکم ہوا کہ جس طرح یتیموں کے مال کے متعلق پوچھ گچھ کرتے ہو اور یتیموں کے مالوں میں انصاف نہ کر سکنے کا تمہیں ڈر رہتا ہے تو عورتوں کے نکاح کے متعلق بھی عدم انصاف کا خوف کیا کرو اور بصورتِ خطرہ صرف ایک عورت پر اکتفا کیا کرو (۴) یتیموں کے مال کے ڈر کی وجہ سے یتیم پروری سے گریز کرتے تھے تو حکم ہوا کہ یتیموں کے مال میں عدم انصاف سے ڈرتے ہو تو زنا کاری اور بد معاشی سے بھی تو خوف کرو اور حلال میں حسب استطاعت ایک یا دو یا تین یا چار تک نکاح کر سکتے ہو بشرطیکہ انصاف کر لو۔

تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ اِذَا تَلَكَوْنَ مِمَّا مَلَآ بِكُمْ آیت مجیدہ میں مرد کیلئے بصورت استطاعت و امکان انصاف چار تک اُزاد عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ چنانچہ تفسیر برہان میں بروایت محمد بن سنان حضرت امام رضا علیہ السلام نے اس کی توجیہ اس طرح فرمائی ہے کہ مرد کے لئے چار تک عورتوں سے نکاح کی اجازت ہے اور عورت کو ایک سے زیادہ مردوں کی ممانعت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد اگر چار شادیاں بھی کرے تو ہر صورت میں بچہ باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے اور اگر عورت کے لئے ایک سے زیادہ مرد جائز ہوں تو معلوم نہ ہو سکے گا کہ یہ بچہ کس کا ہے پس نسب میراث اور تعارف فوت ہو جائی گئے۔ الحدیث قرآن کی تصریح اور تمام اہل اسلام کی کتب احادیث میں روایات حدیث و اثر تک پہنچتی ہیں کہ مرد ایک سے زیادہ یعنی چار تک بیک وقت نکاح کر سکتا ہے۔ لیکن دورِ حاضر میں عورت کی آزادی کا تصور اور عورت و مرد کی مساوات کا مسئلہ جو غیر اسلامی تہذیب کی پیداوار ہے اس نے مسلمانوں کی نئی پود کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ جس کی بدولت مغربیت زدہ اذہان قرآنی تعلیم سے روز افزوں دوی اختیار کرتے ہوئے اسلام سے کھلم کھلا بغاوت کرنے پر تئل گئے ہیں اور اپنے خیالات پر جے ہوئے ہر مغرب کو اسلام کا نام دینے میں خوشی محسوس کرتے ہیں اور آیات قرآنیہ کی جوڑ توڑ کر کے اپنے نظریہ کو ہر مسلمان پر ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں اور جناب رسالت کا فرمان بجائے بئِیِّنَاتٍ بِالْإِسْلَامِ غَرِبْنَا وَ سَيُحَدِّثُ غَرِيبًا۔ اسلام کی ابتداء بھی غربت سے ہوئی اور اس کی انتہا بھی غربت ہوگی اور سچ ہے کہ جس طرح دورِ حاضر میں اسلام غربت میں ہے اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا دین عالمِ غربت میں نہیں ہر دین کے پرستار اس کے قوانین کے محافظ ہیں لیکن اسلام کی پرستاری کا دعویٰ کرنے والے اس کے قوانین کو بگاڑتے اور اپنے من مانے مسائل کو ان کی جگہ رکھنے میں خدمتِ اسلام سمجھتے ہیں ہم نے مسکند زیر بحث کو تفسیر کی تیسری جلد ص ۱ پر زیادہ وضاحت سے بیان کیا ہے۔

اَلَا تَعْدِلُوْا۔ یعنی اگر زیادہ عورتوں کے درمیان عدل و انصاف نہ کر سکو تو پھر صرف ایک عورت سے نکاح کرو یا باقی کنیزیں رکھ لو۔ تفسیر برہان میں کافی سے مردی ہے۔ ایک دفعہ ابن ابی العوامہ کی ہشام بن حکم سے بات چیت ہوئی۔ ابن ابی العوامہ نے دریافت کیا کہ خدا حکیم نہیں۔ ہشام نے کہا بے شک وہ حکیم ہے اس نے یہی آیت پڑھی اور کہا کیا عورتوں کے درمیان عدل

فَإِنْ طَبِئَ لَكُمُ بَعْضُهَا مِنْهَا فَآْكُلُوا مِنْهَا وَلَا تَبْذُرُوا فِيهَا سِرَاجًا
یعنی عورت کا مہر والینا غضب ہے اور اس کا کھانا حرام ہے ہاں اگر وہ خود پورا حق مہر یا اس کا کچھ حصہ اپنی خوشی سے واپس دے دیں تو اس کا کھانا طیب و مبارک ہے۔

لطیفہ تفسیر مجمع البیان میں بروایت کتاب عیاشی منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے پیٹ کے درد کی شکایت پس آپ نے دریافت کیا کہ کیا تیری بیوی بھی ہے؟ تو اس نے ہاں میں جواب دیا آپ نے فرمایا اس کے ذاتی مال سے کچھ لے جس کو وہ خود بخوشی و رضا تجھے دے دے اور اس کا شہد خرید کر لے پھر اس میں بارش کا پانی ملا دے اور اس کو پی جائے کیونکہ خدا اپنی کتاب میں فرماتا ہے **وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبَارَكًا** دہم نے آسمان سے مبارک پانی اتارا یہ بارش کے پانی کی تعریف ہے اور شہد کے متعلق فرمایا **يَخْرُجُ مِنْ بَطْنِهَا شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ**۔ ان کے بطون سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور اس میں لوگوں کیلئے شفا ہوتی ہے اور عورتوں کے مال کے متعلق فرمایا **فَإِنْ طَبِخَ لَكُمْ مِنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا** یعنی بخوشی نفس تمہیں اس میں سے کوئی چیز ملے دی تو اس کو کھاؤ کہ تمہارے لئے طیب اور خوشگوار ہے پس جب برکت شفا اور خوشگوار تینوں چیزیں مل جائیں تو انشاء اللہ تجھے شفا ہوگی۔ اس شخص نے حضرت کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے یہ نسخہ استعمال کیا اور بحکم خدا شفا یاب ہوا۔

مسئلہ: بعض لوگوں نے اس آیت مجیدہ سے وجہ نکاح کا حکم استنباط کیا ہے کیونکہ فَاَنْكِحُوا امر ہے اور یہ وجہ کیلئے ہوتا ہے لیکن صاحب مجمع البیان نے فرمایا ہے کہ دلیل کے ذریعے ظاہر سے عدول کیا جاسکتا ہے اور دلیل اپنے مقام پر قائم ہوگی ہے کہ نکاح واجب نہیں رہا اگر حرام میں واقع ہونے کا ڈر ہو اور استطاعت بھی ہو تو اس صورت میں واجب ہوگا اور نہ مستحب اور نفی ہے۔

تعدد ازواج پر وارد شدہ اعتراضات اور اُن کے جوابات

چونکہ یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ کان میں ہر نئی آنیوالی بات جاذب طبع اور اہمیت کے ساتھ معرینہ انتہات ہو جایا کرتی ہے اور دُور کے دُھول سہانے کافقرہ ایک ضرب الش کے طور پر مشہور ہے۔ اسی کے ماتحت مسلمانوں میں مغرب کی طرز زندگی کے اثرات زیادہ سے زیادہ جذب ہوتے چلے جا رہے ہیں اور اس طرف سے اٹھتی ہوئی ہر آواز پر یہ بھی کان دھرنے کو تیار ہیں اور ان کی صفات کو اپنے میں جذب کرنے کے شیدائی ہیں۔ وہ لوگ عجیبوں کی کنسیہ کی طرف سے ان کو ایک سے زیادہ شادی کی اجازت نہیں ملتی پس وہ مرت سے ایک ہی شادی پر اکتفا کرتے چلے آئے ہیں اور ان کی عورتیں نسلاً بعد نسل اسی نقطہ خیال سے مانوس ہیں بس مرد صرف ایک ہی عورت سے شادی کر سکتا ہے لہذا وہ اسلامی نقطہ نگاہ سے برسرِ پیکار رشتہ ہیں اور اپنے اوپر عائد شدہ پابندی کو دوسروں پر ٹھونسے کے لئے عقلی وجوہات تلاش کرتے ہیں اور مسلمانوں کو اسلامی قوانین سے باغی کرنے کے حیلے دہانے بناتے ہیں اور اس کو حریت و آزادی کا لبادہ دے کر سادہ لوح مسلمانوں کے سامنے اپنے نظریہ باطل کی فتح کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ طبقہ کے لوگ انکی اس دجل فریبی کا شکار ہو کر اسلامی فطری قوانین کے خلاف علم بغاوت کھڑا کر دیتے ہیں چنانچہ اسلامی تعدد ازواج کے مسئلہ پر انہوں نے چند اشکالات وارد کئے ہوئے ہیں یہ سوالات وجوہات تفسیر میزان جلد ۴ سے نہایت اختصار کے ساتھ میں نے اندکے ہیں)

۱۔ تعدد ازواج کی اجازت صنفِ نازک یعنی عورتوں کے دلوں پر ایک ضربِ کاری ہے جس سے ان کے دلوں میں مردوں سے نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور تمدنی انسان زندگی معروضِ خطر میں آجاتی ہے اور خانگی آسودگی اور خوشحالی بدمنزگی سے تبدیل ہو کر خانہ آبادی بربادی سے بدل جاتی ہے اور عورتوں میں مرد کے حق میں خیانت کا جذبہ پیدا ہو کر ازدواجی زندگی کی روح کو ختم کر دیتا ہے۔

۲۔ مردم شماری کے لحاظ سے تقریباً تقریباً عورتوں اور مردوں میں برابری پائی جاتی ہے لہذا فطری تقاضا یہی ہے کہ ایک مرد کے لئے صرف ایک عورت کے ساتھ نکاح جائز ہو۔

۳۔ مردوں کو زیادہ نکاح کی اجازت دینا ان کو شہوت پرستی کی دعوت دینے کے مترادف ہے جو ازدواجی زندگی کی حقیقی رُوح کے منافی ہے۔

۴۔ اجتماعی زندگی میں عورت و مرد انسانیت کے دو اہم حصے ہیں اور اس سلسلے میں عورت و مرد کے ساتھ برابر حقیقت دار ہے لہذا مرد کیلئے زیادہ نکاح کی اجازت عورت کی توہین ہے اور اجتماعی زندگی میں اس کے نظر انداز کرنے کی دلیل ہے۔

جواب:۔ اس میں شک نہیں کہ احساسات و جذبات پر مقدار و کیفیت کے لحاظ سے تربیت و ماحول کا بڑا اثر ہوتا ہے جس طرح عام عادات و رسوم میں ممد و حیثیت یا مذمومیت تربیت و ماحول کے ماتحت ہوا کرتی ہے چنانچہ ایک قوم و علاقہ کی مروج رسم دوسرے ماحول میں مذموم شمار ہو جاتی ہے پس اسلام نے عورت کے لئے جو فرائض و احکام تجویز کئے ہیں اگر عورت انہی تعلیمات

کے ماتحت پردان پڑے تو کوئی وجہ نہیں کہ کسی اسلامی حکم کو وہ بار خاطر سمجھے یا اس کا اس کی طبیعت پر بُرا اثر پڑے ہاں مغربی عورتیں چونکہ مدت مدید سے اسی طرز عمل کو دیکھتی آئی ہیں کہ ایک مرد کے لئے صرف ایک ہی عورت ہوتی ہے پس ان کا ماحول ان کے تعدد ازدواج کا مسئلہ ایک ناقابلِ برداشت بوجھ کی شکل میں ظاہر کرتا ہے اور اس کو فطرت و طبیعت سے کوئی واسطہ نہیں ورنہ ان متحدہ طبقہ میں زن و مرد کا ازدواج اختلاف مذموم ہوتا۔ کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ ان کے مرد جنسی میل جول میں صرف ایک عورت پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ہزار میں سے بھی ایک مرد بمشکل زنا سے محفوظ ہوگا اور اس سے بھی ان کی شہوت کی تسکین نہیں ہوتی اور عورتوں سے تجاوز کرتے ہوئے لواطت کی طرف بھی قدم بڑھالیتے ہیں۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ برطانیہ کی پارلیمنٹ میں یہ سوال اٹھایا گیا تھا کہ لواطت کو قانونی جواز کی شکل دی جائے جبکہ غیر قانونی طور پر یہ دباؤ ہمہ گیری تک پہنچ چکی تھی اور عورتوں میں خصوصاً بے شوہر نوجوان لڑکیوں میں تو ازدواجی اختلاف کی جو روایات ہیں بس تو یہی مہجلی۔

کیا اس ازدواجی شہوت پرستی سے ان عورتوں کی نہ دل شکنی ہوتی ہے اور نہ ان کی طبیعت پر کسی قسم کا بوجھ پڑتا ہے نہ وہاں عورت کی رگِ حمیت پھٹکتی ہے اور نہ مرد کو احساس پیدا ہوتا ہے کہ مرد کے لئے صرف ایک عورت اور عورت کے لئے صرف ایک مرد کافی ہے اس سے تجاوز کرنا دوسروں کی حق تلفی ہے لیکن یہ بے راہ روی چونکہ ان کے ماحول میں داخل ہے لہذا اس سے تاثر نہیں ہوتا اور چونکہ اسلامی قانون اور اس کے عمل سے ان کا ماحول بیگانہ ہے لہذا یہ موجب دل شکنی بھی ہے اور منافی مساوات بھی اور اجتماعی زندگی کے خلاف بھی۔ ذرا گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ ازدواجی ہوس پرستی اور شہوت رانی تمدن انسانی سے کیا نسبت رکھتی ہے اور اس کا خانگی خوشحالی سے کیا واسطہ ہے کیا یہ صورت تو خیانت کے جذبہ کے لئے موجب نہیں بنتی؟

جواب: ہر مرد شماری کے لحاظ سے اگر تسلیم کر لیں کہ عورتوں اور مردوں کی تعداد برابر ہے تاہم عورتوں کی قابلِ نکاح تعداد بالغ مردوں سے ہمیشہ زیادہ ماننی پڑتی ہے کیونکہ گرم ممالک میں عورت نو برس سے اُدھر جوان ہو جاتی ہے اور سرد ممالک میں ۱۱ یا ۱۲ سال کی عورت تو بالعموم قابلِ شادی ہو جایا کرتی ہے اور مرد پندرہ سولہ سال تک عموماً جوان ہو جاتے ہیں۔ فی الحال صرف سولہ سالوں کا حساب لگاتے ہیں۔ فرض کیجئے سولہ سال کے دوران میں لڑکے اور لڑکیاں مساوی تعداد میں پیدا ہوتے رہے تو اس مدت کے بعد جب ہم جائزہ لیں گے تو لڑکے صرف وہی قابلِ نکاح ہوں گے جو پہلے سال پیدا ہوئے تھے لیکن لڑکیاں چونکہ زیادہ سے زیادہ بارہ سال کی جوان ہوتی ہیں لہذا پہلے سال سے چوتھے سال تک کی پیدا ہونے والی لڑکیاں سب بالغ ہوں گی یعنی ایک سال کے پیدا شدہ لڑکوں کے مقابلہ میں چار سالوں کی پیدا شدہ لڑکیاں قابلِ شادی ہو جایا کرتی ہیں اس لحاظ سے بھی ایک اور چار کی نسبت رہتی ہے اور یہ نسبت ہم نے کم از کم لگائی ہے ورنہ گرم ممالک کے لحاظ سے جہاں سال سے لڑکی جوان ہو جاتی ہے جیسا کہ شرعی فیصلہ بھی یہی ہے تو نسبت اور بڑھ جائے گی کیونکہ فرض یہ ہے کہ پیدائش میں عورت اور مرد مساوی ہیں۔

نیز عورت میں سلسلہ تولید و تناسل زیادہ سے زیادہ عموماً پچاس سال تک ہوتا ہے اور مرد اس سے زیادہ عمر میں بھی سلسلہ تولید کے قابل ہوتے ہیں تو دریں صورت مرد کو صرف ایک عورت پر پابند کرنا اس کی فطری حق سلبی ہے

نیز اسباب موت بہ نسبت عورتوں کے مردوں کے لئے زیادہ ہیں کیونکہ جنگ و دفاع کے زمانہ میں مردوں کی خاصی تعداد لقمہ اجل ہو جاتی ہے اور عورتیں اس فریضہ سے سبکدوش ہیں۔ پس اگر مرد کیلئے صرف ایک نکاح کی اجازت ہو تو بہت سی عورتیں اجتماعی زندگی سے محروم کر دی جائیں گی اور بہر صورت مرد و عورت کی عددی مساوات کو تو اس وقت بصورت اعتراض پیش کیا جاسکتا ہے جب یہ کہا جائے کہ مرد کے لئے چار عورتوں سے نکاح کرنا واجب ہے حالانکہ شریعت اسلامیہ نے قطعاً وجوب کا فتوے نہیں دیا بلکہ یہ اس صورت میں ہے کہ مرد چار عورتوں کے نان و نفقہ کی طاقت رکھتا ہو۔ اور ان میں عدل و انصاف کر سکنے پر قادر ہو تب اس کو صرف اجازت ہے کہ چار تک نکاح کرے۔

جواب: عورت کی تربیت اگر اسلامی ماحول میں ہو اور پردہ عفت اور حیا کی اسے پوری تعلیم دی جائے تو اس کی شہوت نکاح یقیناً صرف ایک مرد سے پوری ہو سکتی ہے اور قطعاً وہ آمادہ زنا نہیں ہو سکتی۔ لیکن بخلات اس کے مرد میں جو فطری جذبہ شہوت موجود ہے وہ بالعموم ایک عورت پر مشکل قناعت کرتا ہے اگر اس کے لئے حلال کا دروازہ بند کر دیا جائے تو وہ یقیناً حرام کی طرف للچتا ہے اور تکمیل شہوت کے لئے ادھر ادھر اہماتھ پاؤں مارتا ہے۔ نیز عورت میں ہر ماہ عارضہ حیض ضروری ہے اس کے علاوہ ایام حمل و رضاع کہ ان میں وہ جنسی تعلقات سے بے نیاز رہتی ہے اگر مرد کے لئے صرف ایک عورت کی پابندی ہو تو وہ اس زمانہ میں یقیناً اپنے فطری جذبات کی تسکین کے لئے بے راہ روی پر آمادہ ہوگا۔ پس ان تمام وجوہ کے پیش نظر اسلام نے مرد کو ایک سے زیادہ اور آخر چار تک نکاح کرنے کی اجازت دی ہے تاکہ کسی طرح بے راہ روی اور آزادانہ اختلاط کا رستہ سد نہ ہو۔

حیرت کی بات ہے کہ اگر مرد کو ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت دی جائے تو اس میں شہوت پرستی کی تعلیم ہے۔ لیکن دوسری طرف سیناؤں، لکھنؤ، ناچوں اور ریڈیائی گانوں میں عورتوں کو ہی پیش پیش رکھا جاتا ہے۔ ان میں مغربیت زدہ افکار کو کبھی یہ سوچنے کی ضرورت تک محسوس نہیں ہوئی کہ کیا ان صورتوں میں مردوں کو شہوت رانی کی دعوت نہیں؟ اگر مردوں کی شہوت کے خلاف جہاد کرنا ہے تو صرف قرآنی اصول سے برسرِ پیکار ہونے کی بجائے پہلے اس قسم کے اسباب شہوت رانی کا قطع قیغ کیا جائے مرد و عورت ہر طرح کی آوارگی کا مظاہرہ کریں اور جذبات و خواہشات کی تسکین کے لئے ہر قسم کی رنگ ریاں منائیں تو کسی کے کان پر جوں تک نہیں رنگتی لیکن جب اسلام ایک تنظیم کے ماتحت اسی جذبہ شہوانی کی تکمیل کے لئے ایک ضابطہ مقرر کر دے تاکہ فطری حقوق بھی پامال نہ ہوں اور آوارگی بھی انسانیت کے وقار پر حملہ آور نہ ہو تو اس کے خلاف علم بغاوت کھڑا کیا جاتا ہے اور بعض منصف طبع عیسائی اس امر کا اعتراف رکھتے ہیں کہ مسیحی مذاہب میں زنا اور بدکاری کا ہمہ گیر طوفان صرف اس لئے ہے کہ کنسیہ کی طرف سے ایک سے زیادہ نکاح کی مردوں کو ممانعت ہے۔

جواب: ہم نے تفسیر کی تیسری جلد ص ۹۵ میں نسوانی زندگی پر اسلام کا احسان کے موضوع کے تحت میں ایک مبسوط بیان لکھا جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ عالم کے تمام مذاہب و ممل میں سے کسی مذہب و ملت میں عورت کے احترام و وقار کو کوئی مقام نہیں دیا گیا جس طرح کہ ملت حقہ اسلامیہ نے دیا ہے اور مرد کیلئے متعدد نکاحوں کی اجازت قطعاً عورت کے وقار کے منافی نہیں تھی کہ اہل

مغرب کے سنجیدہ طبقہ نے بھی اسلام کے اس قانون کو بنظر استحسان دیکھا ہے اسلام نے عورت کو پردہ و حیا کا درس دے کر اس کے وقار کو اس قدر بلند کیا کہ تمام اقوام عالم اس سے محو حیرت ہیں۔ ہر مرحلہ میں عورت کا مرد کے دوش بدوش ہونا اور بے پردہ یا نیم نریاں لباس میں بازاروں کی سیر کرنا۔ یہ عورت کا وقار نہیں اور نہ اس میں حقوق نسوانی کی پاسداری ہے بلکہ درحقیقت فطرت سے کھلی ہوئی بغاوت ہے۔

تعدد ازواج کے مسئلہ کو عورت کے وقار کے منافی سمجھنے والے سینماؤں، کلبوں اور برہنہ رقصوں میں عورت کے کردار کو اس کے وقار کے منافی کیوں نہیں قرار دیتے۔ کیا عورت خود یہ نہیں سمجھتی کہ ان جیسے مقامات میں اس کا پیش ہونا مردوں کی تشکیل پر ہی کیلئے نشانہ بننے کے مترادف ہے۔ تمام موجودہ متقدم ممالک اور اپنے تئیں تہذیب یافتہ کہلانے والے عورت و مرد کے نوعی لباس کا ذرا جائزہ لیں۔ مردوں کا لباس سر تاپا ہو اور جسم کا کوئی حصہ ننگا نہ ہو اور عورتوں کے لئے نیم برہنہ لباس اور وہ بھی برائے نام اس کی پوزیشن میں داخل ہو بالکل چپت و مختصر لباس عورت کے ترقی یافتہ ہونے کی دلیل سمجھی جائے کیا یہ بات عورتوں کے وقار پر ضرب کا باعث نہیں۔ ہاں مغرب زدہ لوگ اہل مغرب کی فریب کاریوں کے جال میں اس بُری طرح پھنسے ہیں کہ ان کے ہر قول و فعل کی اقتدار کو تہذیب اور ان کے نظریہ سے ہر بیگانی چیز کو خلاف تہذیب و منافی وقار خیال کرتے ہیں۔

مہر کیف تعدد ازواج کے مسئلہ پر وارد شدہ اعتراضات بالکل بے ہودہ و لغو ہیں اور من مانی تاویلین خلاف منشاء توحید ہیں۔ خداوند کریم نے مرد کے لئے حسب استطاعت بشرط عدل و انصاف ایک سے لے کر چار تک نکاح کرنے کی اجازت دی ہے اور شرعی قانون تاقیامت ناقابل ترمیم و تنسیخ ہے لہذا اس کے خلاف آواز اٹھانا مغف کی ہنگامہ آرائی ہے جو شرعی فیصلے کو ایک انچ بھی ادھر ادھر نہیں کر سکتی۔

دشمنان اسلام نے تعدد ازواج کے مسئلہ پر ہنگامہ آرائی کر کے جہاں ایک طرف مغربی آوارگی اور زن و مرد کے آزادانہ اختلاط پر مسلمانوں کی نئی پود

فعل رسول پر اعتراض کا جواب

کو آمادہ کرنے کی کوشش کی وہاں دوسری طرف جناب رسالتؐ کی قدست و علوت پر حملہ کر کے انہیں اسلام اور بانی اسلام سے بیزاری کی دعوت کی جرات بھی کی چنانچہ جناب رسالتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نوشادلیوں پر زبان طعن دراز کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ فعل کسی نبی کی شان نہیں کیونکہ یہ صرف شہوت پرستی ہے جس سے ساحت نبوت کو پاک و منزه ہونا چاہیئے اور اسلامی تعلیم اور سیرت نبوی سے نا آشنا مسلمان ان کے اس دایم تزویر میں آگئے اور انہوں نے بھی ایسا کہنا شروع کر دیا چنانچہ میں نے خود ایک اچھے خاصے مسلمان کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔

جواب :- تعدد ازواج کے مسئلہ سے جب استعجاب کا پردہ اٹھا دیا گیا اور یہ ثابت ہوا کہ مرد کے لئے تعدد ازواج اس کا فطری حق ہے اور اس میں نہ عورت کی حق تلفی ہے اور نہ کوئی دوسری خرابی اس سے پیدا ہونے کا خدشہ ہے تو پھر فعل رسول پر نقد و جرح کا کوئی محل ہی نہیں رہتا ہاں ان کے لئے تو تک جائز ہونا اور امت کے لئے چار تک کی حد بندی یہ ان کے خواہی

میں داخل ہے جس طرح اس کے علاوہ ان کے لئے اور خواص بھی ہیں۔

علاوہ ازیں سیرت نبوی کا مطالعہ کرنے والے خوب سمجھ سکتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی کثرتِ ازدواج بعض اہم مصالح کی بنا پر تھیں جن میں شہوت و ہوس کا کوئی ذرہ بھر بھی داخل نہیں۔ تاریخِ رسالت اور سیرت نبویؐ کے مطالعہ کے بعد یہ باتیں خاص طور پر ہر خاص و عام سمجھ سکتا ہے۔

۱۔ آپؐ نے عین شباب کے عالم میں حضرت اُم المؤمنین خدیجہ الکبریٰ سے شادی کی جبکہ ان کی عمر چالیس سال تھی اور ہجرت کے وقت تک آپؐ نے دوسری کوئی شادی نہیں کی۔ اپنے سے بڑی عمر کی عورت سے شادی کرنا اور زندگی کا وہ حصہ جس میں خواہشات و جذبات کا زور ہوتا ہے یعنی شباب کا زمانہ اسی پر گزار دینا اس سے ہر خاص و عام سمجھ سکتا ہے کہ حضورؐ کا منہجِ فطرتِ تمکین ہوس نہ تھا۔

۲۔ ہجرت کے بعد دوسری شادیاں کیں جب کہ آپؐ کی عمر شریف ۵۳ سال یا اس سے اوپر تھی۔ کنواری عورت سے بھی اور بیوہ سے بھی۔ جوان عورتوں سے بھی اور بوڑھی عورتوں سے بھی۔ اب ان حالات کے پیشِ نظر کون صاحبِ عقلِ سلیم کہہ سکتا ہے کہ یہ شہوت پرستی تھی۔

۳۔ جو شخص عورتوں کا دلدادہ ہوتا ہے وہ جمال و جوانی کو خاص طور پر ملحوظ رکھتا رہتا ہے اور جب آپؐ کی سیرت پر نظر پڑتی ہے تو ان باتوں میں کوئی بات بھی نظر نہیں آتی۔ آپؐ نے کنواری عورت سے شادی کرنے کے بعد بیوہ سے شادی کر لی اور جوان کے بعد بوڑھی عورت کو شریفِ زوجیت بخشا۔ اُم المؤمنین ام سلمہؓ سے شادی کی جبکہ وہ کافی سن رسیدہ تھیں اور زینب بنت جحش سے نکاح کیا جبکہ ان کی عمر پچاس برس سے اوپر تھی۔ حالانکہ ان سے پہلے حضرت عائشہ اور حضرت اُم حبیبہ آپؐ کے نکاح میں آپؐ کی تھیں تو کیا شہوت پرستی اور ہوس رانی اسی کو کہتے ہیں؟ یہ زینب آپؐ کی چھوٹی بہن تھیں، امیمہ بنت عبدالمطلب کی لڑکی تھی۔ اس کا نکاح زید بن حارثہ سے ہوا تھا لیکن باہمی تنازعہ کی وجہ سے زید نے اسکو طلاق دے کر آزاد کیا تھا، پس آپؐ بحکمِ خدا اس سے شادی کر لی تاکہ ہر مت کا شبہ اٹھ جائے۔

۴۔ ارشادِ قدرتِ بڑا یائے انبیاء: **قُلْ لَا رُوحَ لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَرِيتُمْهَا فَمَتَّعَيْنَا اَمْثَلَكُمْ وَاسْخَرْنَا سَمَاحًا حَيٰثِلًا وَاِنْ كُنْتُمْ تُؤْذِنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَالَّذِا اَوْالَا حِزَّةً فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُمْ اَجْرًا عَظِيْمًا۔** سورہ احزاب پارہ ۲۱ آخری رکوع۔ ترجمہ مد لے نئی اپنی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم زندگی دنیا اور اس کی زینت کی خواہش رکھتی ہو تو اؤ میں تمہیں کچھ دیکر آزاد کرتا ہوں اور اگر تم اللہ و رسول اور روز قیامت کی خیر منافی ہو تو خدا نے نیک کام کرنے والوں کیلئے جو عظیم تیار کر رکھا ہے۔ خداوندِ کریم کے اس فرمان کے بعد آپؐ نے عورتوں کو ان دونوں باتوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے خدا و رسول کو چن لیا۔ اس سے منصف مزاج خود اندازہ کر سکتا ہے کہ کیا شہوت پرست انسان بھی کسی اپنی عورتوں کو اختیار دیا کرتا ہے۔

اب ان تصریحات اور نتائج کے بعد تحقیق طلب اور حق بین نگاہیں حضورؐ کی کثرتِ ازدواج کو شہوت پرستی پر قطعاً محمول نہیں کر سکتیں بلکہ ان کے لئے الگ مصالح تلاش کرنے پر مجبور ہوتی ہیں چنانچہ ان کی

دعوتِ نظر و فکر

زوجیت بھی الگ الگ ہے۔ ۱۔ بعض عورتوں سے تو اس لئے شادی کی کہ قوم و قبیلہ کے لحاظ سے قوت و توانائی حاصل ہو۔
۲۔ بعض شادیاں بعض لوگوں کے فتنہ و فساد کے خطرہ سے کہیں۔ تاکہ اس ذریعہ سے ان کو اپنی طرف مائل کیا جاسکے اور ان کا فتنہ کم ہو۔
۳۔ بعض عورتوں کو حلالہ نکاح میں صرف اس لئے لیا کہ ان کا سرپرست کوئی نہ تھا جو ان کے نان و نفقہ کا بندوبست کرتا پس امت میں ایک سنت قائم کی کہ اس قسم کی لاوارث بیواؤں کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

۴۔ اور بعض عورتوں سے شادی صرف ایک غلط رواج کو توڑنے کیلئے کی جیسا کہ زینب سے شادی جبکہ زینب نے اس کو طلاق دے دی تھی اور زید آپ کا منبٹھی تھا اور عرب میں منبٹھی کی عورت سے شادی کرنا قبیح سمجھا جاتا تھا چنانچہ قرآن مجید نے خود اس کا تذکرہ فرمایا۔

۵۔ اور بعض عورتوں سے شادی ان کے وقار و ناموس کے برقرار رکھنے کے لئے کی (علیٰ بن ابی القیس)

۱۔ آپ نے خدیجہ الکبریٰ کی وفات کے بعد پہلی شادی حضرت سودہ بنت زمعہ سے کی۔ حبشہ کی دوسری ہجرت سے واپس آئے بعد جبکہ یہ بیوہ ہو چکی تھی۔ یہ مومنہ مہاجرہ تھی اگر واپس میکے جاتی تو اسے کفر پر مجبور کیا جاتا اور دوسرے مومنین و مومنات کی طرح یہ بھی طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوتی (برایت بجا ہے اس کا سابق شوہر حبشہ میں ہی نصرانی ہو گیا تھا وہاں ہی اس کی وفات ہوئی تھی)۔
۲۔ صرف حضرت عائشہ بنت حضرت ابو بکر سے مدینہ میں تشریف آوری کے سات ماہ بعد اس کے باکرہ ہونے کی حالت میں شادی کر لی۔
۳۔ خنیس بن حذافہ کے جنگ بدر میں قتل ہو جانے کے بعد اس کی بیوہ حفصہ بنت عمر سے شادی فرمائی۔

۴۔ عبداللہ بن ابی سلمہ جو آپ کا چھوٹا بھائی تھا کی وفات کے بعد اس کی بیوہ ہند جس کی کنیت اُم سلمہ ہے سے ۲۰ سالہ میں شادی کی یہ شخص حبشہ کی طرف پہلا مہاجر تھا۔ اور اُم سلمہ نہایت زائدہ فاضلہ تھی اور بن ربیعہ ہونے کے علاوہ یتیموں کی ماں تھی۔

۵۔ جنگ احد کے بعد زینب بنت جحیم سے آپ نے شادی کی یہ عورت مسکین پرور تھی یہاں تک کہ اسے ام الساکین کہا جاتا تھا آپ نے اس کے وقار و حرمیت کی بحالی کے پیش نظر اس کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ (میزان)

۶۔ اُم حبیبہ جس کے نام سلمہ بنت ابوسفیان ہے اس نے حبشہ کی طرف دوسری ہجرت اپنے شوہر عبداللہ بن حبش کے ساتھ کی تھی۔ لیکن وہاں اس کا شوہر نصرانی ہو گیا تھا اور یہ ثابت قدم رہی تھی اس کا باپ وہ ہے جو اسلام کے خلاف تمام ہنگامہ آرائیوں میں پہلا حصہ دار برتا تھا آپ نے مصلحت کے پیش نظر اس کو سلمہ میں حلالہ نکاح میں داخل فرمایا۔

۷۔ اسی طرح آپ نے میمونہ جس کا نام بڑہ بنت حارث ہلاہیہ ہے سے شادی کی جس نے بیوہ ہونے کے بعد اپنا نفس حضور کو ہر بہ کر دیا تھا اور قرآن مجید میں اس کا ذکر موجود ہے (میزان) یہ رشتہ حضرت جعفر طیار کے ایما سے ہوا (شعبہ میں) بجا رالانوار

۸۔ صفیہ بنت حمی بن الخطب سے شادی کی اس کا باپ یہودی تھا جو غزوہ بنی نضیر میں قتل ہوا اور اس کا شوہر جنگ خیبر میں مارا گیا یہ سیر ہو کر آئی آپ نے اسے آزاد کر کے اس کے سابق شرف کی بحالی کے لئے خود اس کو اپنی زوجیت میں داخل فرمایا۔ (شعبہ)

۹۔ بنی مصطلق کے سردار کی لڑکی جو یہ یہ ہے جس کا نام بڑہ بنت حارث تھا غزوہ بنی المصطلق کے بعد مسلمانوں نے ان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر کر لیا تھا۔ جب آپ نے جو یہ یہ سے شادی کر لی تو مسلمان کہنے لگے یہ رسول کے سسرال ہو چکے ہیں۔ لہذا ان کی اسیری مناسب

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝ وَابْتَلُوا الَّتِي تَعْلَمُ حَقِّي

اور نہ دو بیوقوفوں کو اپنے وہ مال کہ کیا ہے ان کو اللہ نے تمہارے لئے موجب گذران اور خوراک دو ان کو

فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝ وَابْتَلُوا الَّتِي تَعْلَمُ حَقِّي

اس میں اور کپڑا دو اور کھو ان کو نیک بات اور آزاد ویتیموں کو یہاں تک

نہیں ہے۔ پس سب کو آزاد کر دیا گیا جس کے نتیجہ میں پورا قبیلہ بنی مصلط مسلمان ہو گیا اور پورے عرب پر اس کا اچھا اثر پڑا۔

اب ان حالات و خصوصیات کے پیش نظر کون کہہ سکتا ہے کہ حضورؐ کی کثرت ازدواج صرف شہوت رانی کی خاطر تھیں۔ بلکہ صاف پتہ چلتا ہے کہ ان میں مقامی و وقتی طور پر ایسی مصالح کار فرما تھیں جن کے ماتحت آپؐ کا ان سے شادی کرنا ناگزیر تھا اور دین اسلام کی اسی بیخیر و بہتری تھی اور تمام عورتوں کو زہد کا درس دینا اور ترک زینت پر آمادہ کرنا تو صاف ظاہر کرتے ہیں کہ آپؐ کی اغراض صرف اخوت سے وابستہ تھیں ورنہ اگر شادی کی ظاہری اغراض پیش نظر ہوتیں تو عورتوں کو بجائے ترک زینت کے ان کے لئے اسباب زینت فراوانی سے میسر کئے جاتے جب کہ آپؐ روحانی سلطنت کے علاوہ ظاہری سلطنت کے بھی فرمانروا ہو چکے تھے۔

یہ بحث اگرچہ مومنوں سے خارج تھی لیکن کثرت ازدواج کے مسئلہ سے اس کو کافی ربط تھا اس لئے اس مقام پر اس کا بیان کرنا خالی از فائدہ نہیں لہذا مختصر الفاظ میں اسے سمجھانے کی کوشش کی گئی امید ہے مومنین کرام کو اس کے مطالعہ سے اچھا خاصا علمی فائدہ ہوگا۔ یہ بحث بھی تفسیر میزان جلد چہارم سے مختصر نوٹ کی ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ ۝ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ مطلقاً تم عقل اور بے وقوف کو مال کے خرچ کا مختار نہ بناؤ خواہ یتیم ہو یا غیر یتیم خواہ اپنا مال کا ہو یا کوئی دوسرا بے عقل انسان اور بعضوں نے

بے عقل پر کنٹرول

اس سے مراد لیا ہے کہ عورتوں کو مال کا ذمہ وار نہ بناؤ اور سفہاء سے مراد اس مقام پر عورتیں ہیں۔ نیز روایات میں شرابا پر بھی سفیہ کا اطلاق ہوا ہے یہاں مطلب یہ ہے کہ بیوقوفوں کو ایسے مالوں کا ذمہ وار نہ ٹھہراؤ جن مالوں سے تمہاری گذران چل رہی ہے کیونکہ وہ اسے ادھر ادھر کر کے برباد کر دیں گے اور تم دوسروں کے دست نگر ہو جاؤ گے پس تم پر لازم ہے کہ ان کو اپنے ہاتھ سے روٹی کپڑا دینے رہو اور ان سے سخت کلامی بھی نہ کرو۔

تفسیر مجمع البیان میں مردی ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت حبشیہ جو خوب باتیں کر سکتی تھی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ کہنے لگی یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں کہیں کوئی بات تو ہمارے حق میں بھی اچھائی کی فرما دیجئے۔ کیونکہ

لطیفہ

میں تو سنتی ہوں کہ آپؐ ہمیں ہمیشہ برائی سے یاد فرمایا کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا وہ کیسے کہنے لگی آپؐ ہمیں بے وقوف کہتے ہیں فرمایا یہ نام تمہیں خدا نے دیا ہے اس نے کہا آپؐ ہمیں ناقص کہتے ہیں۔ فرمایا کیا یہ نقص نہیں کہ تم ہر ماہ میں چند دن نماز کے قابل نہیں رہتیں لیکن تمہاری فضیلت اور تمہارے درجہ کے لئے کافی ہے کہ جب عورت حاملہ ہو تو اسے اللہ کی راہ میں م رابطہ کرنے کا ثواب ملتا ہے جب عورت کا بچہ پیدا ہوتا ہے

إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ

کہ جب پہنچیں جوانی کو تو اگر دیکھو ان سے دانائی تو واپس دے دو ان کو ان کے مال

أَمْوَالِهِمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبُرُوا وَمَنْ كَانَ

اور نہ کھاؤ ان کو فضول خرچی اور جلدی سے کہ کہیں بڑے نہ ہو جائیں اور جو دولت مند ہوں تو

غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ فَإِذَا

اے بچا رہنا چاہیے اور جو تنگدست ہو تو اے کھانا چاہیے ساتھ نیکی کے پس جب

دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا ①

واپس دو ان کو ان کے مال تو گواہ قائم کر لو ان پر اور کافی ہے اللہ حساب لینے والا

شہید کا درجہ ملتا ہے جب بچہ کو دودھ پلائے تو ایک ایک گھنٹ کے بدلے میں اسے اولاد اسمعیل میں سے ایک غلام کے آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ جب بچے کی حفاظت کے لئے شب بیداری کرے تو ہر بیداری کے عوض میں اسے اولاد اسمعیل میں سے ایک غلام کے آزاد کرنے کا درجہ ملتا ہے۔ لیکن یہ درجات ان مومنہ عورتوں کے لئے ہیں جو نشوونما اور صبر کرنے والی ہوں یہ سُن کر وہ حبشی عورت کہنے لگی۔ درجہ تو بہت بڑا ہے لیکن کاش یہ شرطیں نہ ہوتیں۔

تفسیر برہان: امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر کسی شخص کو معلوم ہو کہ میری عورت بیوقوف ہے یا بڑے کے متعلق معلوم ہو کہ بے عقل ہے تو اسے اپنے مال پر مسلط نہیں کرنا چاہیے جس پر اس کی معاش کا دار و مدار ہے اور اپنے اسی آیت سے استدلال فرمایا۔

(۲) جناب رسالت اکرم سے مروی ہے کہ شرابی کے قول کی تصدیق نہ کرو۔ اس سے رشتہ نہ کرو۔ اس کی عیادت کو نہ جاؤ۔ اس کے جنازہ میں شرکت نہ کرو۔ اس کو امانت پر امین نہ بناؤ۔ اگر اسے امین بنایا تو اس کو نہ اجر دیا جائے گا اور نہ اس کی ذمہ داری خدا پر عائد ہوگی کیونکہ اس نے فرما دیا ہے کہ بے وقوفوں کو مال نہ سونپو اور شرابی سے زیادہ بیوقوف کون ہے؟

(۳) امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ میں نے ایک دفعہ ایک شخص کو مال دے کر مین کی طرف بفرض تجارت روانہ کرنے کا ارادہ کیا تو امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اے فرزند تجھے یہ پتہ نہیں کہ وہ تو شراب پیتا ہے۔ میں نے عرض کی: اباجان! لوگ تو کہتے ہیں آپ نے فرمایا ایسی صورت میں یہ اتنا تم نہ کرو کیونکہ ایسے فعل کی ذمہ داری خدا پر نہیں ہے اگر نقصان ہو جائے تو اس بارے میں خدا دعا قبول نہیں کرتا کیوں کہ اس نے منع فرمایا ہے کہ بے وقوف کو مال کا امین یا ذمہ نہ بنایا جائے اور شرابی سے زیادہ بیوقوف اور کون ہو سکتا ہے؟

اقول:۔ روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے متعلق عام افواہ اس قسم کی ہو تب بھی اپنے مال کی حفاظت کے پیش نظر

اس سے گریز کرنا چاہیے۔ نیز اسی قسم کی روایت حضرت امام جعفر صادق کے فرزند اسمعیل کے متعلق بھی ہے۔ چنانچہ ان کا مال نقصان ہو گیا اور پھر حضرت صادق علیہ السلام نے اس کو اس پر بددعا سے منع فرمایا اور کہا کہ اب یہ بددعا بے محل ہے۔

۴۔ عیاشی سے منقول ہے کہ حضرت جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ سفیہ سے مراد ہر وہ شخص ہے جو قابل وثوق نہ ہو۔

۵۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہر نشہ کی چیز استعمال کرنے والا شخص سفیہ ہے پس اسے مال کی ذمہ داری سپرد نہ کرنی چاہیے

وَابْتَكَوَالْيَتَامَىٰ - یعنی یتیم جب بالغ اور رشید ہو جائیں تو ان کو اپنے مال واپس کر دیئے جائیں۔ بدو غ کی علامتیں مرد کے لئے ہمارے علماء کے نزدیک پندرہ برس کی عمر احکام یا زیر ناف بالوں کا آگ آنا ہے اور رشید سے مراد یہ ہے کہ وہ سمجھدار ہو اور اپنے مال کی نگہبانی کر سکتا ہو۔

وَمَنْ كَانَ عَنِيًّا - مقصد یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس یتیم کا مال موجود ہے اور اس کے اپنے گزارہ کے لئے اس کا اپنا مال کافی ہے تو پھر یتیم کے مال کے

یتیم کے مال کی حفاظت

کھانے سے گریز کرے لیکن اگر ایک شخص خود تنگست ہے کہ اپنے مال سے اپنا گزارہ نہیں کر سکتا اور یتیم کے مال کی حفاظت کے لئے اس

نے اپنا وقت وقف کیا ہو ہے تو اسے نیکی اور انصاف سے اسی قدر اس میں سے کھانا جائز ہے جو اس کی مزدوری کا حق ہے نہ اس میں غفلت

خرچ کرے اور نہ ایسے تصرفات کرے جو زائد از ضرورت ہیں، یتیم کے مال میں غلط تصرف کر کے اس کی مزدوری لینا بھی جائز نہیں جبکہ اسے

معلوم ہو کہ یہ خود بڑا ہو کر الیا کرنے پر راضی نہ ہوگا۔ چنانچہ آیت مجیدہ میں اس کی صریح ممانعت موجود ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص یتیم کے مال کی نگہباری کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے لئے علیحدہ مزدوری

نہیں کر سکتا تو وہ بقائض انصاف اس سے خود کھا سکتا ہے لیکن اگر یتیم کا مال برداشت نہ کرے تو محافظ کو اس میں سے کچھ لینے

سے بیکار چاہیے۔

امام جعفر صادق اور امام موسیٰ کاظم علیہما السلام سے مروی ہے کہ اگر ایک شخص یتیم کے مال کی اصلاح اور نگاہ داری میں مشغول ہے

اور خود بھی محتاج ہے تو وہ بقدر حاجت اس سے لے سکتا ہے لیکن اگر یتیم کے مال کی حفاظت اسے اپنے کاروبار سے رکاوٹ کی موجب

نہ بنے تو اسے یتیم کے مال میں سے کچھ نہ لینا چاہیے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص یتیم کی زمین یا چوپائے وغیرہ کی حفاظت میں اپنا وقت لگائے تو اس میں سے خود

بقدر حاجت کھا سکتا ہے لیکن اس کی نقدی یعنی درہم و دینار کی حفاظت کے بدلہ میں وہ کچھ نہیں لے سکتا کیونکہ اس میں اس کا وقت

صرف نہیں ہوتا (برہان)

علامہ طبری فرماتے ہیں کہ جو شخص خود محتاج و فقیر ہے تو یتیم کے مال کی دیکھ بھال کے سلسلہ میں خود بقدر حاجت کھا سکتا ہے لیکن

نیت قرض کی کرے اور اس کے جوان ہونے کے بعد اس کو اپنا قرض واپس آوا کرے اور یہی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔ مجمع البیان

فَإِذَا دَفَعْتُمْ - یعنی جب یتیم بالغ و رشید ہو جائے تو اسے اپنا حق واپس کر دیا جائے لیکن گواہ بلا لینے مزدوری ہیں۔ تاکہ بعد

میں جھگڑا و فتنا نہ آئے۔ یہ تدبیر منزل کے لئے وہ اہم قوانین ہیں جن کی اتباع کرنا دین و دنیا کی مصلحتوں کا موجب ہیں غلام فرید

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ

مردوں کے لئے حصہ ہے اس سے جو چھوڑ جائیں والدین اور قریبی اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس سے جو چھوڑ جائیں والدین اور

وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ

قریبی خواہ معمولاً ہو یا بہت حصہ فرضی اور جب حاضر ہوں وقت تقسیم

أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ فَأَرْزُقُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝

داشت قریبی اور یتیم اور مسکین تو کچھ اس سے ان کو دے دو اور کہو ان کو بات نیک

نے یتیم پروری کا ایک ایسا بہترین نظام مقرر فرمایا جو کسی ملت میں شاید نہ مل سکے اور یہ اس کا کمال لطف و رحمت ہے اور یتیم پروردگاروں کو چاہیے کہ یتیم کے احوال میں پوری احتیاط سے کام لیں اور اس کے استعمال سے دامن بچانے کی کوشش کریں چہنچہ نچہ معصومین کے فرائض کا یہی مطلب ہے۔

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ ۝ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیت حکم ہے یعنی منسوخ نہیں ہے۔ برہان
وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةُ ۝ اس آیت کے متعلق روایات میں اختلاف ہے کہ آیا یہ آیت منسوخ ہے یا نہیں تو علمائے مفسرین
نے ان میں اس طرح جمع کی ہے کہ جن روایات میں یہ ہے کہ منسوخ ہے تو مقصد یہ ہے کہ وجوب منسوخ ہے اور جو روایات عدم نسخ پر دلالت
کرتی ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ دنیا جائز بلکہ مستحب ہے۔

وَلِيَتَخَسَّنَ الَّذِينَ ۝ یعنی جو لوگ یتیموں کے اموال میں کوتاہی اور لاپرواہی سے کام لیتے ہیں۔ انہیں اپنی اولاد کا خیال کرنا چاہیے پس
جس طرح اپنی اولاد کے متعلق انہیں اپنے بعد کا ڈر ہوتا ہے لہذا ان کی بھلائی سوچتے ہیں اسی طرح ان یتیموں کا در بھی ان کے دلوں میں ہونا
چاہیے جو اس وقت ان کے زیر سایہ اور ان کی دستگیری کے محتاج ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ ۝ برہان میں جناب رسالتؐ سے مروی ہے کہ میں نے شب معراج دیکھا کہ بعض لوگوں کے منہ سے آگ داخل ہو کر
ان کے نیچے سے نکل جاتی ہے جبریلؑ نے کہا یہ لوگ یتیموں کے مال کھانے والے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے آپؐ نے فرمایا کہ یہ لوگ
جب قبر سے نکلیں گے تو ان کے منہ سے آگ کے شعلے بھڑکتے ہوں گے۔

ایک روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ یتیم کے مال میں سے ایک درہم کھانے والا داخل جہنم ہوگا اور ہم میں یتیم۔

(بہارِ مجالس سے مراد خمس ہوگا)

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعْفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ

اور ڈری وہ لوگ جو اگر چھوڑیں اپنے پیچھے اولاد کو زور کر ان کو ڈر ہو ان کے متعلق پس ڈری

فَلْيَقُولُوا لِلَّهِ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝۱۰ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ

اللہ سے اور کہیں بات درست تحقیق جو لوگ کھاتے ہیں مال یتیموں

الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۝۱۱

کے ظلم سے یقیناً وہ مہرتے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ اور جلیں گے مہرکتی ہوئی آگ میں

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِي كَرِهْتُمْ خِطًّا الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِنْ كُنَّ

وصیت کرتا ہے تم کو خدا تمہاری اولاد کے بارے میں کہ مرد کا حصہ برابر دو عورتوں کے ہے پس اگر صرف

نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثَلَاثُ مَا تَرَكَ ۚ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً

عورتیں دو یا کم دو سے زیادہ ہوں تو ان کا حصہ دو تہائی ترکہ کی اور اگر ایک ہو تو اس کا حصہ

رکوع نمبر ۱۳

قانون وراثت

يُوصِيكُمُ اللَّهُ ۖ تَفْسِيرُ بَرَّانٍ فِي عِيَاشِي سَمَرِي هِيَ كَحَبِّ جَنَابِ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ سَلَامُ اللَّهِ عَلَيْهَا نَعْنِي بِأَبْنِي وَرَثَتِهَا كَالْعَوْنِي وَارْثَتِهَا تَحَابُّ دِيَاگِیَا تَحَاكَ نَبِیُّو کی وراثت نہیں ہو کرتی تو آپ نے اپنے دعوئے کے اثبات کے لئے یہی آیت تلاوت فرمائی تھی کہ یہ آیت مجیدہ میں نبی وغیرہ کا فرق نہیں کیا گیا نیز اس سے پہلی آیت کہ مردوں کے لئے بھی وراثت کا حق ہے جو مورت چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لئے بھی حق وراثت ثابت ہے جو کچھ ان کے مورت چھوڑ جائیں وہاں بھی عموم کو استعمال کیا گیا ہے اور نبی اور غیر نبی کا فرق نہیں بتایا گیا ورنہ اگر نبی کے لئے تو ریت کی نفی ہوتی تو اس مقام پر استثناء کا ہونا ضروری تھا۔

لِلَّذِي كَرِهْتُمْ خِطًّا الْأُنثَيَيْنِ ۚ عورت سے مرد کا حصہ خدا نے دگنا مقرر فرمایا ہے اس کی مصلحت کے متعلق امام علی رضی اللہ عنہ سے بذریعہ خط دریافت کیا گیا تو آپ نے جواباً تحریر فرمایا ایک وجہ تو یہ ہے کہ نکاح کے وقت عورت کے لئے حق مہر فرض کیا گیا ہے جو مرد کے

فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ

(نصف) ۱/۲ اور ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ترکہ سے

إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبُوهُ فَلِأُمِّهِ

اگر اس میت کی اولاد ہو اور اگر نہ ہو اس کی اولاد اور صرف وارث ہوں ماں باپ تو ماں

الثَّلَاثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةِ

کے لئے ایک تہائی پس اگر ہوں اس (میت) کے لئے بھائی تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ بعد نکال لینے وصیت کے ہوگا

يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ

جو وہ کر جائے یا بعد قرضہ کے تمہارے باپ اور بیٹے تم نہیں جانتے کہ ان میں کون زیادہ قریب ہے

لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

تمہارے نفع کے لئے۔ فریضہ ہے اللہ کی طرف سے تحقیق اللہ علیم و حکیم ہے

لئے نہیں بلکہ اسے دینا پڑتا ہے لہذا خدا نے مرد کو اس مقام پر زیادہ حصہ دے دیا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مرد پر عورت کا نفقہ واجب ہوا کرتا ہے اور مرد خواہ محتاج و نادار بھی ہو عورت پر اس کا نفقہ واجب نہیں ہوتا۔ پس خدا نے اس مقام پر مرد کو زیادہ حصہ دے دیا تاکہ ان خواتین کا بوجھ اس سے ہلکا ہو جائے (الحدیث)

تفسیر برہان میں کافی سے منقول ہے کہ ایک دفعہ ابن ابی العزباء نے یہ اعتراض اٹھایا کہ عورت باوجودیکہ کمزور و ناتواں ہوا کرتی ہے۔ اس کا حصہ قرآن مجید میں مرد سے نصف مقرر کیا گیا ہے حالانکہ مرد خود کما بھی سکتا ہے لہذا عقل کے لحاظ سے مرد کی بہ نسبت عورت کو زیادہ دینا چاہیئے تھا ورنہ کم از کم مساوات تو ہوتی پس حضرت جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے اس کا سوال دیا گیا تو آپ نے فرمایا عورت پر نہ جہاد واجب ہے نہ نفقہ اور نہ ان پر کسی قسم کا دیت وغیرہ کا خرچ ہے۔ اسی مصلحت کی بناء پر عورت سے مرد کو دگنا حق دیا گیا ہے کہ مرد پر اخراجات کا بوجھ زیادہ ہے روایات سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ چونکہ مرد خانگی انتظامی معاملات میں حق حکومت رکھتا ہے بنا بریں اس کے اخراجات زیادہ ہیں اور عورت حکومت و حیثیت سے رہتی ہے لہذا اس کے اخراجات کا بوجھ بھی مرد پر ہوتا ہے پس مرد کو وراثت میں دگنا حصہ دیا گیا ہے تاکہ عورت کے حق مہر اور نان و نفقہ اور جہاد۔ دیت اور اسی قسم کے دوسرے بیرونی اخراجات کے لئے اس کا ہاتھ تنگ نہ ہو اور یہ عدل خداوندی کا تقاضا ہے جو دانا و مہیا ہے۔

لطیفہ

بعض کتب مناقب میں ہے کہ ایک دفعہ دو عورتوں کے درمیان جھگڑا ہوا۔ ایک کی لڑکی اور دوسری کا لڑکا تھا لیکن ان میں سے ہر ایک لڑکے کی وعید اترتی۔ زمانہ تھا دوسری خلافت کا جب فیصلہ نہ ہو سکا تو حضرت امیر المومنین کی خدمتِ بابرکت میں یہ مقدمہ پیش کیا گیا۔

آپ نے ایک حجم کی دو شیشیاں منگوالیں اور حکم دیا کہ ایک ایک شیشی ان عورتوں کو دی جائے تاکہ اپنے اپنے دودھ سے اسے پُر کریں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا پس آپ نے دونوں کو وزن کرنے کا حکم دیا تو ایک کا وزن کم اور دوسری کا زیادہ نکلا پس آپ نے حکم دیا کہ لڑکا اس عورت کا ہے جس کا دودھ وزنی ہے اور لڑکی دوسری کی ہے۔ یہ فیصلہ سنتے ہی صحابہ ششدر ہو گئے اور آپ سے وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا میرے یہ فیصلہ قرآن مجید سے کیا ہے چنانچہ خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے **لِلَّذِیْکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثٰی**۔ جس خدا نے وراثت میں مرد کو عورت سے حق زیادہ کرامت فرمایا ہے۔ اس نے خوراک میں بھی مرد و عورت کے حصہ میں فرق مقرر کیا ہے۔ پس صحابہ آپ کے علم و فضل کا اعتراف کرتے ہوئے واپس چلے گئے اور دونوں عورتیں اپنے اپنے بچے سے کر نصرت ہو گئیں لیکن قرآن مجید کی ان باریکیوں کو راسخین فی العلم کے علاوہ اور کون جان سکتا تھا جہی تو جناب رسالتؐ نے فرمایا تھا **عَلٰی مَعَ الْقُدْرَانِ وَالْقُدْرَانُ مَعَ عَلٰی** اور تمام امت کو ان دونوں سے تمکک پکڑنے کا حکم دیا تھا۔ **اَللّٰهُ یَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهُ**۔

طبقة اولیٰ کی وراثت **اولاد**۔ میت کا وارث اگر صرف لڑکا ہو تو وہ ساری جائیداد کا مالک ہوگا اور اگر چند لڑکے ہوں تو وہ پوری جائیداد کو برابر تقسیم کریں گے اور اگر لڑکیاں اور لڑکے موجود ہوں تو **لِلَّذِیْکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثٰی** ہر لڑکے کو دو لڑکیوں کے حصے کے برابر دیا جائیگا۔ یعنی لڑکی کو لڑکے کے حصہ کا نصف دیا جائے گا۔ مثال۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی جائیداد میں حصوں میں برابر تقسیم ہوگی۔ دو لڑکے کو اور ایک لڑکی کو ملے گا اور ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہوں تو جائیداد میں حصوں میں تقسیم ہوگی۔ ایک ایک حصہ دونوں لڑکوں کو اور ایک حصہ دو لڑکیوں کو دیا جائے گا۔ علی بن ابی قیس

فَاِنْ کُنَّ نِسَاءً فَاُولٰٓئِکَ مِنْهُنَّ۔ اگر مر جانے والے کی اولاد صرف لڑکیاں ہوں اور لڑکا کوئی موجود نہ ہو تو لڑکیاں اگر دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے فرض کل جائیداد کی دو تہائی ہے پس اگر ان کے علاوہ اس طبقہ میں کوئی دوسرا وارث نہ ہو تو پھر باقی جائیداد ان پر رد ہوگی۔ یعنی کل جائیداد کی وارث یہی ہوں گی اور ان کی موجودگی میں دوسرے یا تیسرے طبقہ والوں کو وراثت سے کچھ نہ دیا جائے گا۔

آیت مجیدہ میں **فَاُولٰٓئِکَ مِنْهُنَّ** کی لفظ ہے یعنی دو سے زیادہ ہوں لیکن علمائے امامیہ کا اتفاق ہے کہ دو کا حکم بھی یہی ہے **وَ اِنْ کَانَ نِسَاءً**۔ اگر متوفی صرف ایک لڑکی چھوڑ جائے تو اسے کل جائیداد کا نصف ۱/۲ فرض کے ساتھ ملے گا اور باقی بھی روکے طور پر اسی کو ملے گا اگر اس طبقہ میں کوئی دوسرا اس کا شریکِ وراثت نہ ہو ورنہ اسی طبقہ کے دیگر درجہ کے حقوق کے بعد اگر بچے گا تو اس کو رد میں مل سکے گا اور مذہب امامیہ میں لڑکی کی موجودگی میں دوسرے یا تیسرے طبقہ کے درجہ جو عصبہ کہلاتے ہیں متوفی کی جائیداد سے محروم ہوں گے۔

اَلْاَبَوٰی۔ اگر میت کی اولاد بھی موجود ہو اور اس کے والدین بھی موجود ہوں تو کل ترکہ میں سے چھٹا چھٹا حصہ ماں باپ کو ملے گا۔ جس کی تفصیل یہ ہوگی۔

ماں باپ

اگر میت کے ماں باپ بھی موجود ہیں اور ایک لڑکا بھی ہے تو ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصہ دے کر باقی کل جائداد میت کے لڑکے کو ملے گی اور اگر لڑکے زیادہ ہوں تو وہ سب برابر برابر آپس میں تقسیم کریں گے اور اگر لڑکے اور لڑکیاں ہوں تو ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے۔ اگر میت کے ماں باپ بھی موجود ہیں اور ایک لڑکی بھی ہے تو ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصہ فرض سے دیا جائے گا اور لڑکی کو نصف کل جائداد کا بطور فرض دیا جائے گا اور باقی بچے ہوئے کو ان سابقہ حصص کی نسبت سے ان پر تقسیم کیا جائے گا اور یہ روادقربت کے لحاظ سے ہے اس میں سے دُور کے وارثوں کو کچھ نہ ملے گا۔ یعنی طبقہ اولیٰ کے بعد دوسرے یا تیسرے طبقہ کو کچھ نہ دیا جائے گا۔

مسئلہ: اگر میت کے بیٹے بیٹیاں موجود نہ ہوں بلکہ اُن کی اولاد موجود ہو اور میت کے والدین بھی موجود ہوں۔ تب بھی تقسیم کی یہی صورت ہوگی کہ والدین کو چھٹا چھٹا حصہ دیا جائے گا اور باقی پوتوں پوتیوں پر ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم ہوگا جبکہ میت کے ایک لڑکے کی اولاد ہوں اور اگر چند لڑکوں کی اولاد ہوں گے تو اپنے اپنے باپ کے حصہ کو آپس میں اسی طرح تقسیم کریں گے اور نواسے اور نواسیوں کی بھی یہی صورت ہے اور اگر پوتوں کے ساتھ نواسے بھی ہوں تو پوتے اپنے باپ کا حصہ اور نواسے اپنی ماں کا حصہ لیں گے اور ان کی باہمی تقسیم مرد و عورت کی ایک اور دو کی نسبت سے ہوگی اور اگر صرف نواسے نواسیاں ہوں تو میت کے ماں باپ کے حصص نکالنے کے بعد اگر یہ میت کی ایک لڑکی کی اولاد ہوں گے تو ان کو کل جائداد کا ۱/۲ حصہ بطور فرض کے ملے گا جس کو یہ باہمی طور پر ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے اور جو جائداد بچ رہے گی اپنے سابقہ حصص کی بناء پر ماں باپ اور ان پر حق قربت کے لحاظ سے روہوگی جس کو حسب سابق آپس میں تقسیم کریں گے اور اگر دو لڑکیوں کی زیادہ کی اولاد ہوں گی تو ماں باپ کے حصص کے بعد کل جائداد میں سے ان کو دو تہائی ملے گا اور آپس میں حسب قربت اور حسب حصص تقسیم کریں گے اور باقی میراث حسب سابق ان پر روہوگی۔

فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ اگر میت کی اولاد نہ ہو اور صرف باپ وارث ہو تو وہی تمام جائداد کا وارث ہوگا اور اگر اکیلی ماں ہو تو وہ بھی تمام جائداد کی وارث ہوگی لیکن اس طرح کہ ۱/۲ حصہ کی مالک فرض کے لحاظ سے اور باقی بحق قربت اس کو بطور رد کے ملے گا اور اگر دونوں ماں باپ موجود ہوں تو ماں کو ایک تہائی ملے گا اور باقی باپ کے ملے گا۔

فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ اگر میت کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ موجود ہوں تو ماں کو ایک تہائی ملے گا لیکن بشرطیکہ میت کے دو یا اس سے زیادہ بھائی موجود نہ ہوں ورنہ ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اگر میت کا ایک بھائی اور دو بہنیں یا صرف چار بہنیں موجود ہوں۔ تب بھی ماں کو تہائی کی بجائے چھٹا حصہ ملے گا بشرطیکہ یہ بھائی بہنیں پدری ہوں یا مادری پدری ہوں۔ اگر صرف مادری ہوں تو ماں کو پورا تہائی حصہ ملے گا یہاں **إِخْوَةٌ** کا لفظ اگرچہ جمع ہے لیکن اس سے مراد دویا اس سے زیادہ ہیں۔ بھائیوں کی موجودگی صرف ماں کے حصہ پر اثر انداز ہوگی ورنہ ان کو خود متوفی کی وراثت سے کچھ نہ ملے گا بلکہ ماں کے حصہ سے فاضل سب باپ کو ملے گا۔

مَنْ بَعْدَ وَصِّيَّاتِهِ لفظ کے لحاظ سے وصیت کا ذکر پہلے اور قرضہ کا ذکر بعد میں ہے لیکن آذی لفظ ترتیب کے لئے نہیں ہوتی اور میت کے مال میں سے قرضہ کی ادائیگی سب سے پہلے ہوا کرتی ہے اور پھر وصیت پر عمل ہوتا ہے اور آخر میں وراثت کی تقسیم ہوتی ہے اور یہی معصومین سے مردی ہے چونکہ یہ مسامی ذرا مشکل ہیں لہذا ان کی مزید وضاحت کے لئے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں تاکہ ہر خاص و عام خوب سمجھ سکے۔

مثال نمبر ۱: میت کے وارث صرف اس کی لڑکی اور باپ موجود ہیں۔ کل جائداد کو چھ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ یعنی ایک حصہ باپ کو اور نصف یعنی ۳ حصے لڑکی کو ملیں گے۔ اب جو دو حصے باقی رہ گئے ہیں وہ پھر ان پر حق قربت کے لحاظ سے رد ہوں گے لیکن اسی نسبت سے جو ان کو پہلے مل چکا ہے چونکہ وہ نسبت ایک اور تین کی تھی لہذا ان دو حصوں میں سے باپ کو آدھ حصہ اور لڑکی کو ڈیڑھ حصہ ملے گا تو کل جائداد میں لڑکی کو ساڑھے چار حصے اور باپ کو ڈیڑھ حصہ آئے گا یا یوں سمجھئے کہ کل جائداد کا ۱/۲ حصہ باپ کو اور ۱/۲ حصہ لڑکی کو ملے گا۔

مسئلہ ۱: قرآن مجید میں وراثہ کے جو حصے مقرر کئے گئے ہیں ان کو فقہاء لوگ فرض سے تعبیر کرتے ہیں اور قرآن مجید کے فرمان **أُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ** یعنی اللہ کی کتاب میں رشتہ داروں میں سے بعض بہ نسبت دوسرے بعض کے اولیٰ ہوا کرتے ہیں اس کی رو سے جو فرض سے بیجا ہوا حق قریبوں پر تقسیم ہوتا ہے اس کو رد سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسی آیت مجیدہ کی رو سے علماء امامیہ تعصیب کو باطل جانتے ہیں یعنی یہ کہ فرض سے جو کچھ بچ جائے وہ دوسرے دور کے وارثوں کو دیا جائے جنہیں عام اصطلاح میں وارثانِ بازگشت سے تعبیر کیا جاتا ہے ہمارے نزدیک یہ باطل ہے کیونکہ اقرب کی موجودگی میں بعد کسی صورت میں وارث نہیں قرار دیا جاسکتا اور **أُولُو الْأَرْحَامِ** ار والی آیت اس کی واضح دلیل موجود ہے پس حق یہ ہے کہ فرضوں سے جو کچھ وہ بحق قربت انہی پر تقسیم ہو کیونکہ وہی زیادہ قریبی ہیں۔

مثال نمبر ۲: وارث صرف لڑکی اور ماں ہوں۔ تقسیم کا طریقہ وہی ہوگا جو اوپر کی مثال میں بتایا گیا ہے۔

مثال نمبر ۳: وارث لڑکی ماں اور باپ دونوں ہوں۔ چھ حصوں میں سے ایک ماں کو ایک باپ کو ۳ لڑکی کو بحق فرض ملے گا اور ایک بیجا ہوا حصہ پہلی نسبت سے پانچ حصوں میں بٹ کر ایک ایک ماں باپ کو اور ۳ حصے لڑکی کو دیئے جائیں گے گویا کل جائداد کے حصے پانچ ہوں گے ۱/۵ ماں باپ اور ۳/۵ لڑکی کو ملے گا لیکن اگر میت کے پدری مادری یا صرف پدری دوا یا در سے زیادہ بھائی یا ایک بھائی اور دو بہنیں یا چار بہنیں موجود ہوں گی تو ماں کو صرف ۱/۵ حصہ دیا جائے گا اور دو صرف لڑکی اور باپ پر ایک اور تین کی نسبت سے ہوگا۔

مثال نمبر ۴: دو یا زیادہ لڑکیاں اور ماں یا باپ میں سے ایک ہو۔ چھ حصوں میں سے ماں یا باپ کو ایک حصہ اور لڑکیوں کو دو دو تہائی یعنی چار حصے۔ جس کو وہ آپس میں برابر تقسیم کریں گی اور بچے ہوئے ایک حصے کو سابقہ نسبت سے یعنی ایک اور چار کی نسبت سے تقسیم کیا جائے گا۔

مثال نمبر ۵: دو یا زیادہ لڑکیاں اور ماں اور باپ دونوں چھ حصوں میں سے ماں باپ کو ایک ایک حصہ اور لڑکیوں کو دو تہائی یعنی چار حصے اور جائداد پوری تقسیم ہو جائے گی۔ لہذا رد کی ضرورت نہ ہوگی۔

مثال نمبر ۶: وارث پوتا یا پوتی یا ہر دو جبکہ میت کے ایک ہی لڑکے کی اولاد ہوں اور ماں یا باپ یا ہر دو۔ پس ماں یا باپ یا ہر دو کو اپنا چٹا چٹا حصہ دیا جائے گا مثلاً چھ میں سے ایک ایک اور باقی پوتا یا پوتی لیں گے اور اگر دونوں ہوں تو آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے۔

مسئلہ ۱: صرف پوتی اپنے باپ کے قائم مقام ہوتی ہے جو میت کا لڑکا تھا لہذا اس کو اپنے باپ کی طرح پورا حصہ ملے گا۔

مثال نمبر ۷ :- وارث - میت کا پوتا ایک لڑکے سے۔ پوتی دوسرے لڑکے سے اور ماں اور باپ یا ان میں سے ایک۔ چھ حصوں میں سے ماں باپ اپنا ایک ایک حصہ لیں گے باقی پوتے اور پوتی میں برابر تقسیم ہوگا۔ اس لئے کہ پوتی اپنے باپ کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے پوتے کے ساتھ برابر کی حصہ دار ہے کیونکہ یہ دونوں اپنے اپنے باپ کا حصہ لے رہے ہیں اگر وہ خود موجود ہوتے تو برابر تقسیم کرتے پس ان کے قائم مقاموں کو بھی ایسا ہی کرنا پڑے گا۔

مثال نمبر ۸ :- پوتا۔ نواسہ اور ماں باپ یا ان میں سے ایک۔ چھ میں سے ماں باپ کے ایک ایک حصہ کے نکل جانے کے بعد باقی کو پوتا اور نواسہ ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے کیونکہ پوتا میت کے لڑکے کے قائم مقام اور نواسہ میت کی لڑکی کے قائم مقام ہے۔ پس اگر نواسہ کی جگہ نواسی ہو تب بھی یہی حصہ لے گی اور نواسے اور نواسیاں جبکہ ایک ماں سے ہوں تو وہ اپنے مذکورہ حصہ کو آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے۔ بنائیں اگر پوتی اور نواسہ وارث ہوں۔ تب بھی پوتی کو باپ کا حصہ اور نواسہ کو ماں کا حصہ دیا جائے گا۔ یعنی پوتی کو دو اور نواسے کو ایک۔

مثال نمبر ۹ :- صرف نواسے نواسیاں میت کی اولاد۔ اور ماں یا باپ۔ چھ میں سے ماں یا باپ کو ایک حصہ اور نواسوں نواسیوں کو چھ حصہ میت کی ایک لڑکی سے ہیں۔ میت کی جائداد کا نصف حصہ یعنی چھ میں سے تین حصے ملیں گے۔ باقی بحق قرابت سابقہ حصص کے مطابق ان پر رد ہوں گے۔ یعنی ان باقی دو حصوں کو ایک اور تین کی نسبت سے بانٹا جائے گا۔ پہلی مثال کی طرح۔ پھر نواسے اور نواسیاں اپنے کل حصہ کو آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے۔

مثال نمبر ۱۰ :- نواسے نواسیاں بصورت سابق اور ماں باپ دونوں تیسری مثال کی طرح تقسیم ہوگی۔

مثال نمبر ۱۱ :- ایک لڑکی سے نواسہ یا نواسی یا ہر دو اور دوسری لڑکی سے نواسہ یا نواسی یا ہر دو۔ اور ماں یا باپ چھ حصوں میں سے ماں یا باپ کو ایک ایک حصہ دیا جائے گا اور نواسوں نواسیوں کو کل جائداد کی دو تہائی یعنی چھ میں سے چار حصے دیئے جائیں گے۔ اور باقی کو چوتھی مثال کی طرح تقسیم کیا جائے گا۔ اس کے بعد نواسے اور نواسیاں اپنی اپنی ماں کے حصہ کو آپس میں تقسیم کریں گے یعنی اولاً حاصل شدہ کو دو برابر حصوں میں اور پھر ہر حصہ کو اس میں جس قدر بھائی بہنیں شریک ہوں گے۔ ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے اور اگر دو سے زیادہ لڑکیوں کی اولاد موجود ہو تب بھی کل کو اصل جائداد سے حصہ اسی قدر ملے گا۔ پھر اپنی اپنی ماں کے حصہ کو اس کی اولاد سابق قانون کی رو سے تقسیم کرے گی یعنی مرد کو عورت سے دو گنا۔

مسئلہ :- اگر میت کی اولاد لڑکے لڑکیاں موجود ہوں اور اس کا کوئی پوتا پوتی یا نواسہ نواسی ایسا بھی موجود ہو۔ جن کا باپ یا ماں میت کی موجودگی میں وفات پا چکے تھے تو مذہب امامیہ اثنا عشریہ کی رو سے وہ وراثت سے محروم ہوگا۔ کیونکہ ان سے زیادہ قریبی میت کی اپنی اولاد موجود ہے۔

پوتے یا نواسے کی وراثت کا مسئلہ

تنبیہ :- چونکہ مسلمان قرآن کے مسئلہ اصولوں سے روز بروز دور ہوتے چلے جا رہے ہیں اور غیر اسلامی تعلیم ان کی رگ و پے میں

گھر کرتی چلی جا رہی ہے۔ لہذا قرآن مجید کا جو فیصلہ ان کی خواہشات اور افتادِ طبع سے متصادم ہو۔ وہ اُسے خلافِ عقل کہنے میں ذرہ بھر باک محسوس نہیں کرتے چنانچہ انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہتے ہیں شیم پوتے کو دادا کی وراثت سے محروم کرنا نا انصافی ہے اور سراسر خلافِ عقل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ خود عقل سے کورے ہوتے ہیں جو کسی بھی قانونِ خداوندی کو خلافِ عقل یا منافیِ انصاف کہیں۔ اس مسئلہ کو اگر معمولی سی غور کر کے دیکھا جائے تو اس کا منافیِ انصاف اور خلافِ عقل ہونا تو درکنار یقین کرنا پڑے گا۔ کہ یہ عین انصاف اور بالکل قرینِ عقل ہے۔

وراثت کا حصہ خداوند کریم نے دو طریقوں سے بیان فرمایا ہے۔ ایک فرض اور دوسرا قرابت۔ فرضی حصص وہی ہیں جن کو صراحت سے ذکر کیا ہے۔ کسی کا نصف کسی کا دو تہائی۔ کسی کو چھٹا۔ کسی کے لئے تہائی کسی کا چوتھا اور کسی کا آٹھواں اور یہی وہ فرض ہیں جو قرآن مجید میں موجود ہیں اور ظاہر ہے کہ ان میں پوتے کا نام نہیں باقی رہا حتیٰ قرابت جس کو (أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ) کے کلمے سے واضح کیا ہے۔ پس اس قرابت کے کلیہ کے ماتحت جو بھی میت کا زیادہ قریبی ہر وہی اس کی وراثت کا پہلا حقدار ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ لڑکے اور پوتے میں سے میت کا زیادہ قریبی لڑکا ہے اور پوتا ایک درجہ دُور ہے۔ ہاں اگر میت کا لڑکا اور لڑکی موجود نہ ہو تو پھر باقی سب سے زیادہ قریب پوتا یا نواسہ ہی ہوگا۔ جس طرح اوپر کے سلسلہ میں باپ اور دادا دونوں قریبی ہیں۔ اور حکومت کے لحاظ سے جس طرح باپ حاکم ہے اسی طرح دادا بھی حاکم ہے لیکن قرابت کے لحاظ سے باپ بلا واسطہ ہے اور دادا ایک درجہ دُور ہے۔ پس میت کے باپ کی موجودگی میں دادا کو وراثت کا حق حاصل نہیں ہے اسی طرح دوسرے درجہ میں بھائی بھتیجے اور بہن اور بھانجے میں بھی وہی بات ہے کہ بھائی بہ نسبت بھتیجے کے اور بہن بہ نسبت بھانجے کے میت کے زیادہ قریب ہیں اور پھر تیسرے درجہ میں چچا اور چچا زاد ماموں اور ماموں زاد وغیرہ کی یہی کیفیت ہے۔

میت کی اپنی اصلی اولاد بہر صورت اولاد کی اولاد سے قریب تر ہے۔ اگر یتیم پوتے کا باپ موجود ہوتا جس کی بدولت یہ دادا سے قریبی ہونے کا حقدار ہے تو یقیناً دادا کی وراثت اس تک نہ پہنچ سکتی کیونکہ پوتے کا باپ میت سے بلا واسطہ قرب رکھتا ہے۔ پس وہی وراثت کا حق دار ہے لہذا اس کی موجودگی میں یہ ہرگز وارث نہیں ہو سکتا تو جب اپنے واسطہ قرابت کی موجودگی میں محروم الارث تھا۔ اب واسطہ کے ٹوٹ جانے کے بعد یہ کیسے وارث ہو سکتا ہے؟ نیز اس واسطہ کی موجودگی میں وہ واسطہ خود وارث اس لئے نہ تھا کہ اس پوتے کا باپ ہے بلکہ وہ اس لئے وارث تھا کہ مرنے والے کا بلا واسطہ فرزند ہے پس یہ قاعدہ ثابت ہو گیا کہ بلا واسطہ فرزند کی موجودگی میں بلا واسطہ فرزند وارث نہیں پاسکتا۔ اب یہی علت پوتے کے چچوں اور بھوپھیوں کی موجودگی میں پائی جاتی ہے کہ وہ میت کے بلا واسطہ اولاد ہیں تو اس صورت میں بلا واسطہ کو کیونکر حصہ دیا جائے؟ نیز میت کا نواسہ یا نواسی جس کی ماں میت کی موجودگی میں مر چکی ہو ان کا بھی یہی حکم ہے کہ میت کی بلا واسطہ اولاد کی موجودگی میں خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں۔ نواسے نواسیاں اپنے نانا کے وارث نہیں بن سکتے۔ لیکن معترض لوگ اس مقام پر نواسوں اور نواسیوں کا ذکر درمیان میں نہیں لاتے اور وہ اس لئے کہ لڑکیوں کو یا ان

کی اولاد کو جائداد سے حصہ کیوں دیا جائے۔ اور نہ ان کی محرومی کو خلاف عقل اور منافی انصاف قرار دیتے ہیں۔ کیوں کہ وہ ان کے جذبات کے موافق اور خواہشات کے مطابق ہے۔

اب رہا یہ کہ وہ یتیم رہ گیا اس کا بندوبست کیا ہوگا؟ تو یہ صرف ایک نہیں بلکہ دنیا میں ہزاروں لاکھوں بچے یتیم اور لاوارث رہ جاتے ہیں جن کو خدا رزق دے رہا ہے اور فرغن کروا کر اس داد کی جائداد نہ ہوتی تو پھر یتیم کیسے زندگی گزارتا۔ یہ باتیں محض بے تکلی ہیں۔ ان کو مسئلہ سے کوئی ربط نہیں۔ جب یہ ثابت ہوا کہ پوتے کی بہ نسبت اس کے چچے اور بھوپھیاں میت کے زیادہ قریبی ہیں تو اس کی داد کی جائداد سے محرومی عین انصاف اور موافق عقل ہے بلکہ میاں محرومی کا استعمال کرنا بھی بے جا ہے۔ جبکہ وہ سرے سے حقدار ہی نہیں۔ تو پھر محرومی کیسے؟ البتہ اس کو داد کی جائداد میں حصہ دار قرار دینا میت کی بلا واسطہ اولاد کی حق تلفی اور ان پر ظلم عظیم ہے جس طرح باقی سلسلہ قربات میں اقرب کے ہوتے ہوئے بعد کو وراثت دینا قریبیوں کی حق تلفی ہوا کرتی ہے پس حق تو یہ تھا کہ اگر کوئی پوتے کی وراثت کا کافی ہوتا تو اس کے خلاف ہنگامہ آرائی کی جاتی کہ قریبی کی موجودگی میں بعید کی وراثت کا ڈھونگ کیوں رچایا جا رہا ہے۔ واسطہ کے منقطع ہوجانے کے بعد اگر اس کو قربت کا حق دہی دینا ہے جو واسطہ کو حاصل تھا تو اس سلسلہ میں دوسری کافی مثالیں ایسی موجود ہوجائیں گی۔ جن میں غیر وارث کو وارث کرنا پڑے۔

۱۔ میت کا نواسہ اور نواسی جس کی ماں پہلے مر چکی ہو اب اس کو بھی نانا کی وراثت سے ماں کا حق دیا جائے۔
۲۔ اولاد کی عدم موجودگی میں زوجہ کو شوہر کی جائداد منقولہ میں سے ۱/۴ حصہ دیا جاتا ہے جو اس کی موت کے بعد اس کے قریبیوں کو ملتا ہے۔ پس اگر زوجہ شوہر کی موجودگی میں مر جائے تو شوہر کی موت کے بعد سابقہ زوجہ متوفیہ کے وارثوں کو زوجہ متوفیہ کا حق دیا جائے۔

۳۔ اسی طرح شوہر کو عورت کی جائداد کا ۱/۴ یا ۱/۲ حصہ دیا جاتا ہے تو پہلے مر جانے کی صورت میں اس کا حق نہ ٹوٹنا چاہیے بلکہ اس کی بیوہ عورت کی وفات کے بعد شوہر کے وارثوں کو حق طلب کرنا چاہیے۔

۴۔ دوسرے طبقہ وراثت میں بھائی کی موجودگی میں متوفی بھائی کے لڑکے لڑکیاں اور تیسرے طبقہ میں چچا کی موجودگی میں متوفی چچے کی اولاد (بہ القیاس) وارث قرار دیئے جائیں گے۔

بہر کیف اس قسم کی متعدد جزئیاں پیدا ہو سکتی ہیں جن کو کوئی صاحب عقل سیم تسلیم نہیں کرتا تو صرف پوتے کی محرومی وراثت کا دھنڈا رپٹنا محض خواہش کا بصورت سیدھا کرنے کے لئے ہی ہے پس مسلمانوں کو چاہیے کہ قرآن مجید کے احکام کو بسر و چشم تسلیم کریں اور ان کے خلاف ہنگامہ آرائی کی بدعات کو خیر باد کہہ دیں اور سچے مسلمانوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔

علمی نکتہ۔ ایت مجید میں طبقہ اولے کے حقوق بیان فرماتے ہوئے بعض کے حقوق تصریحاً ذکر فرمائے اور بعض وراثت کے لئے تو حرج سے کام لیا گیا۔

تصریح۔ ماں اور باپ کے حقوق منفردی صورت میں اور اولاد کی موجودگی کی صورت میں مجازاً معین فرمائیے۔ اسی

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ

اور تمہارا نصف ہے اس سے جو چھوڑ جائیں تمہاری بیویاں اگر نہ ہو ان کی اولاد پس

كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

اگر ہو ان کی اولاد تو تمہاری جو بھائی ہے اس سے جو چھوڑ جائیں بعد وصیت کے

يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ

جو کرے یا بعد قرضہ کے ان کا چھوڑا ہے اس سے جو تم چھوڑ جاؤ اگر نہ ہو تمہاری

لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّنَيْنِ مِمَّا تَرَكَتُمْ مِنْ بَعْدِ

اولاد پس اگر ہو تمہاری اولاد تو ان کا آٹھواں ہے اس سے جو چھوڑ جاؤ بعد وصیت کے

وَصِيَّةٍ تُوَصُّونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً

جو مرد یا بعد قرضہ کے اور اگر وہ شخص جس کی میراث ہے کالہ

طرح ایک لڑکی اور متعدد لڑکیوں کے حقوق فرضیہ کی تصریح فرمادی ہے لیکن اگر صرف ایک لڑکا ہو یا متعدد لڑکے ہوں تو ان کو تصریحاً بیان نہیں فرمایا۔

تکلیف ہر ایک لڑکا یا متعدد لڑکے ہوں تو ان کا حق تو یوں بیان فرمایا ہے چنانچہ ایک مقام پر لڑکے اور لڑکیوں کی تقسیم میں فرمایا مرد کو عورت سے دو گنا دیا جائے۔ اِلَّذَکُمْ مِثْلُ مَحَقِّ الْاُنْثٰیْنِ۔ اور دوسری جگہ صرف ایک لڑکی کے متعلق فرمایا۔ اِنْ کَانَ ثَ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ۔ یعنی اگر ایک ہو تو اسے نصف دیا جائے تو چونکہ پہلے فرما چکا ہے کہ لڑکے کو لڑکی سے دو گنا دیا جائیگا تو صاف نتیجہ نکلا کہ صرف ایک لڑکا ہوگا تو پوری جائیداد کا وارث ہوگا اور نیز چونکہ یہ فرمایا کہ لڑکے اور لڑکیاں وراثت میں ایک اور مرد کی نسبت رکھتے ہیں تو معلوم ہو گیا کہ صرف لڑکیاں ہوں گی تو آپس میں مساوی ہوں گی اور صرف لڑکے ہوں گے تو وہ بھی آپس میں مساوی طور پر تقسیم کریں گے۔ یُوْرَثُ کَلَالَةً۔ کالہ کا لغوی معنی اعلیٰ ہے چنانچہ تاج کو اکلیل اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سر پر محیط ہے اور اس بناء پر کل کو کل کہا جاتا ہے کہ وہ تمام عدد پر محیط ہے پس کالہ ان رشتہ داروں کو کہا جائے گا جو اصل نسب کے محیط ہیں اور چونکہ اصل سلسلہ نسب ہوتا ہے۔ داوا۔ پھر باپ پھر بیٹا پوتا۔ تو پس جو اس سلسلہ طولی کے گرد و پیش رشتہ دار ہوتے ہیں جو اس کو محیط ہوتے ہیں ان کو کالہ کہا جاتا ہے پس طولی قرابت کے علاوہ جس قدر عرضی قرابت ہوگی ان سب پر کالہ کا اطلاق ہوگا۔

أَوْ امْرَأَةً وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ

ہرمیاء عورت (کلام) ہو اور اس کا ایک مجاہد یا مہین ہو تو ہر ایک کے لئے ان میں سے چھٹا حصہ ہے۔ پس

كَانُوا أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثَّلَاثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةِ

اگر اس سے زیادہ ہوں تو وہ شریک ہوں گے تنہائی میں بعد وصیت کے جو کی جائے

يُؤْصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرِ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

یا بعد تر مرنے کے کہ نہ ضرور دی گئی ہو وصیت اللہ کی جانب سے اور اللہ علیم و

حَلِيمٌ ١٢ ط

سید

آئٹھ معصومین سے مروی ہے کہ کلالہ سے مراد بھائی مہنوں کا رشتہ ہے۔ نیز کلالہ مرنے والے کو بھی کہہ سکتے ہیں جبکہ اس کا طولی رشتہ مفقود ہو یعنی اس کے باپ دادا اور بیٹے پوتے موجود نہ ہوں اور اس کے وارثوں کو بھی کلالہ کہہ سکتے ہیں اور اس کا اطلاق واحد و جمع اور مذکر و مؤنث سب پر صحیح ہے کیونکہ یہ مصدر ہے نیز آیت مجیدہ میں جو کلالہ کی وراثت کا تذکرہ ہے اس سے مراد صرف مادری بھائی مہنیں ہیں اور اسی سورہ کے آخر میں جہاں کلالہ کا ذکر آیا ہے۔ وہاں پدری و مادری یا صرف پدری بھائی اور مہنیں مراد ہیں۔

غَيْرُ مُصْنَدٍ، یعنی اس کی وصیت وارثوں کے لئے باعث ضرر نہ ہو یعنی تنہائی ترکہ سے زیادہ نہ ہو یا ایسے قرضہ کا اس نے اقرار نہ کیا ہو جو درحقیقت اس پر نہ تھا کیونکہ وہ بھی وارثوں کے لئے باعث ضرر ہے۔

زوج و زوجہ کی وراثت وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ :- یعنی اگر عورت مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو شوہر کو اس کے کل ترکہ سے نصف ملے گا اور اگر عورت کی اولاد موجود ہو تو شوہر کو اس کے ترکہ سے ایک چوتھائی دیا جائے گا۔ (عورت کی وصیتوں اور قرضوں کی ادائیگی کے بعد۔)

وَلَكِنَّهُنَّ أُولَٰئِكَ يُحْجَبْنَ عَنْ رُبُوبِهِنَّ أُمَمًا مُّشْتَرِكَةً ۖ وَتُزَوَّجْنَ لَهُنَّ أَهْلُهُنَّ وَآلُهَا بِمَا مَلَكَتْهُنَّ وَأَسَرَّهُنَّ ۚ خَبَرُوا بِمَا فَعَلَ الْمُؤْمِنُونَ

اور اگر مرد مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو عورت کو ایک چوتھائی اور اولاد کی صورت میں آٹھواں حصہ اس کو ملے گا۔ مسئلہ: مرد کی منکوحہ عورتیں اگر ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب اس چوتھائی یا آٹھویں حصہ میں برابر کی شریک ہوں گی۔

روایات :- ۱) استبصار میں باسناد خود حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ عورت مرد کے مکان کی لکڑیوں وغیرہ کی وارث ہوگی اس کی زمین کی وارث نہ ہوگی تو محمد بن مسلم راوی حدیث نے وجہ پوچھی کہ یہ کیسے؟ فرغ کی وارث ہے اور اصل کی نہیں؟ تو انہیں فرمایا کہ وہ نسب کے لحاظ سے مرد کی وارث نہیں ہے بلکہ وہ تو دوسری قوم سے آئی ہوئی ہے لہذا وہ فرغ کی وارث ہوگی نہ کہ اصل کی (کیونکہ وہ خود اس کے

اصل سے نہیں بلکہ اس کی قرابت فرعی ہے۔ لہذا اسکی وارث بھی فرعی ہوگی اور فرمایا اس لئے تاکہ اس عورت کی وجہ سے کوئی دوسرا ان کی جائیداد میں حصہ دار نہ بن جائے۔
 (۲) بروایت حماد بن عثمان آپ نے فرمایا عورت مکان کی لکڑیوں وغیرہ کی قیمت سے وارث ہوگی کیونکہ ممکن ہے کہ کہیں اور جگہ شادی کرے تو پھر اس کی وجہ سے اس کے پہلے شوہر کے ورثہ کے مال میں اس کے پچھلے لواحقین شامل ہو کر ان کی میراث کو فاسد کر دیں گے۔

(۳) نیز آپ نے میسرہ کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ عورتوں کو مکان کی لکڑیوں اور دیگر اوقات کی قیمت سے حصہ دیا جائے گا۔ اور زمین اور دیگر جائیداد (غیر منقولہ) سے اس کو وارث نہ ملے گی۔ سائل نے پوچھا کہ کپڑے؟ تو آپ نے فرمایا کہ کپڑے ان کے لئے ہیں۔ پھر سائل نے پوچھا کہ یہ کیسے حالانکہ ان کے لئے پٹ یا لہ مقرر شدہ ہے تو فرمایا کہ ان کی وارث نسب کی طرف سے تو ہے نہیں بلکہ وہ تو باہر سے آئی ہے اور یہ میں نے اس لئے کہا ہے کہ وہ بعد میں شادی کرے گی تو اس کا شوہر یا اس کی اولاد اگر اس کے سابق شوہر کے ورثہ کے لئے رکاوٹ کا باعث بن جائیں گے۔

(۴) موسیٰ بن یحییٰ کہتا ہے میں نے زرارہ سے دریافت کیا کہ کبیرہ سے روایت ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: عورت اپنے شوہر کی گھر کی زمین بلکہ جملہ زمینوں کی وارث نہیں ہو سکتی ہاں اگر مکان یا درخت یا لکڑیاں ہوں تو اس کو اپنا حصہ ان کی قیمت سے دیا جائے گا اور نفس زمین سے اس کو کچھ بھی نہ دیا جائے گا۔ یہ سن کر زرارہ نے کہا واقعی ایسا ہی ہے اور اس میں شک نہیں۔ بہر کیف اس قسم کی روایات بہت زیادہ ہیں کہ عورت مرد کے ترکہ سے زمین کی وارث نہیں ہو سکتی باقی تمام اس کی مترکہ چیزوں کی وارث ہوتی ہے۔ البتہ مکانات اور اشجار یا زمین کے علاوہ جس قدر غیر منقولہ اشیاء ہیں ان کی قیمت سے اس کو حصہ دیا جائیگا۔ اور اس کی وجہ خود آئمہ طاہرین نے بیان فرمادی ہے اور جن بعض روایات میں عورت کا ہر چیز سے وارث ہونا مذکور ہے ان کو علامہ امامیہ نے تفسیر پر معمولی کیا ہے۔ احادیث معصومینؑ میں مطلقاً عورت کو شوہر کی زمین کی وارث سے محروم کیا گیا ہے اس میں فرق نہیں کہ عورت صاحب اولاد ہو یا نہ ہو پس قرآن مجید میں لَہُنَّ الشُّعْبُ مِمَّا تَرَکَتْہُ یعنی ان کی جو متاعی ہے تمہارے ترکہ سے اولاد نہ ہونے کی صورت میں وَ لَہُنَّ الشُّعْبُ مِمَّا تَرَکَتْہُ۔ یعنی ان کے لئے اٹھواں حصہ ہے تمہارے ترکہ سے اولاد ہونے کی صورت میں۔ ان مقامات پر ترکہ سے مراد زمین کے علاوہ باقی مترکہ اشیاء ہیں اور چونکہ احادیث متواترہ اس باب میں وارد ہو چکی ہیں لہذا قرآن کے عمومی حکم کے لئے یہ باعث تخصیص ہوں گی اور دوسری طرف مرد عورت کے تمام ترکہ سے اپنے مقررہ حصہ کا وارث ہو سکتا ہے کیونکہ اس کے لئے تخصیص کہیں وارد نہیں لہذا قرآنی حکم اپنے عموم پر باقی رہے گا اور عورت کا مرد کی زمین سے وارث نہ ہونا یہ صریح مذہب شیعہ کا فتویٰ ہے اور اس کے محققات میں سے ہے۔

مسئلہ :- عورت و مرد کی وارث تینوں طبقوں کے ساتھ چلی جاتی ہے۔ صرف اولاد کی موجودگی میں ان کو ادنیٰ حصہ یعنی مرد کو چوتھائی اور عورت کو آٹھواں حصہ دیا جاتا ہے اور باقی ہر صورت میں ان کو اعلیٰ حصہ یعنی مرد کو نصف اور عورت کو چوتھائی دیا جاتا ہے۔ مسئلہ :- وارث اگر زوجہ اور اولاد ہو تو زوجہ کو ۱/۲ حصہ اور باقی سب اولاد کو ملے گا اگر صرف لڑکا ہو تو وہ ساری باقی جائیداد

کا مالک ہوگا اور اگر ایک لڑکی ہو تو $\frac{1}{4}$ کی وارث ہوگی فرض سے اہل باقی کی مالک ہوگی قرابت سے بہر صورت ساری جائداد اسی کو دی جائیگی اور اگر وارث دو یا زیادہ لڑکیاں ہوں تو $\frac{2}{3}$ فرض سے اور باقی بطور رتولیں گی۔ بہر کیف ساری جائداد ان کو ملے گی اور وہ برابر تقسیم کریں گی اور اگر لڑکے اور لڑکیاں ہوں تو آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے۔

مسئلہ ۳۔ وارث اگر شوہر اور اولاد ہو تو شوہر کو $\frac{1}{2}$ حصہ اور باقی کی وارث حسب سابق اولاد ہوگی۔

مسئلہ ۴۔ وارث زوجہ اور ماں ہو تو زوجہ کو $\frac{1}{2}$ حصہ اور باقی سب ماں کو ملے گا $\frac{1}{2}$ حصہ فرض سے اور باقی بچا بچا حق قرابت سے اس کو دیا جائے گا۔

مسئلہ ۵۔ وارث زوجہ اور باپ ہوں تو $\frac{1}{2}$ زوجہ کو اور باقی سب باپ کو بحق قرابت ملے گا۔

مسئلہ ۶۔ وارث زوجہ اور ماں باپ دونوں ہوں تو $\frac{1}{2}$ زوجہ کو $\frac{1}{4}$ ماں کو اور باقی بچے گا یعنی $\frac{1}{4}$ حصہ وہ باپ کو دیا جائے گا بشرطیکہ ماں کے صاحب یعنی میت کے دو سے زیادہ بھائی موجود نہ ہوں۔ ورنہ ماں کو صرف $\frac{1}{2}$ دیا جائے گا اور باقی سب باپ کو ملے گا۔

مسئلہ ۷۔ وارث شوہر اور ماں ہوں تو شوہر کو $\frac{1}{2}$ اور باقی ماں کو یعنی $\frac{1}{2}$ حق فرض اور باقی $\frac{1}{4}$ بحق قرابت ملے گا۔

مسئلہ ۸۔ وارث شوہر اور باپ ہوں تو شوہر کو $\frac{1}{2}$ اور باقی سب باپ کو بحق قرابت ملے گا۔

مسئلہ ۹۔ وارث شوہر اور ماں و باپ، دونوں ہوں تو شوہر کو $\frac{1}{2}$ اور ماں کو $\frac{1}{4}$ اور باقی سب باپ کو یعنی $\frac{1}{4}$ حصہ بحق قرابت ملے گا بشرطیکہ متوفی کے کم از کم دو بھائی یا ایک بھائی اور دو بہنیں یا چار بہنیں پوری مادری یا صرف پوری بیچھے موجود نہ ہوں۔ کیونکہ میت کے باپ کی موجودگی میں یہ جب ہوں گے تو ماں کے لئے $\frac{1}{2}$ حصہ سے زائد کے صاحب ہوں گے۔ لہذا وہ اس صورت میں روکے حصہ سے بھی محروم رہے گی۔

مسئلہ ۱۰۔ وارث شوہر، ماں و باپ دونوں ہوں اور متوفی کے دو بھائی یا ایک بھائی اور دو بہنیں یا چار بہنیں پوری مادری یا صرف پوری موجود ہوں تو اس صورت میں شوہر کو $\frac{1}{2}$ اور ماں کو $\frac{1}{4}$ اور باقی یعنی کل جائداد کا $\frac{1}{4}$ باپ کو ملے گا کیونکہ میت کے بھائی بہنوں کے اخراجات کی کفالت صرف اس کے باپ کے ذمہ ہی ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ اگر میت کے مادری بھائی بہنیں موجود ہوں تو ماں کے حصہ میں کمی نہیں پڑتی۔

مسئلہ ۱۱۔ وارث زوجہ اور لڑکے لڑکیاں یا صرف لڑکے اور ماں یا باپ ہوں تو زوجہ کو $\frac{1}{2}$ یا باپ کو $\frac{1}{2}$ اور باقی اولاد کو ملے گا جس کا حسب سابق تقسیم کریں گے۔

مسئلہ ۱۲۔ وارث زوجہ اور لڑکے لڑکیاں یا صرف لڑکے اور ماں باپ دونوں ہوں تو زوجہ کو $\frac{1}{2}$ اور باقی سب باپ کو $\frac{1}{2}$ اور باقی اولاد کو بدستور سابق ملے گا۔

مسئلہ ۱۳۔ وارث زوجہ اور لڑکی اور ماں یا باپ ہوں تو زوجہ کو $\frac{1}{2}$ لڑکی کو $\frac{1}{4}$ اور ماں یا باپ کو $\frac{1}{4}$ ملے گا۔ اور باقی حق قرابت ماں یا باپ اور لڑکی پر ان کے حصص کے مطابق رد ہوگا یعنی ہم ۲ میں سے ۳ حصے زوجہ کو ۱۲ حصے لڑکی اور ہم حصے ماں یا باپ کو دیئے جائیں گے باقی پانچ حصے بچے ہیں اور ماں یا باپ اور لڑکی کے حصوں میں ایک اور تین کی نسبت ہے۔ پس یہ پانچ ماں

یا باپ اور لڑکی پر ایک اور تین کی نسبت سے تقسیم ہوں گے کل جائداد ۹۶ حصوں پر تقسیم ہوگی۔ زوجہ کو ۱۲، لڑکی کو ۶۳ اور ماں یا باپ کو

۲۱ ملیں گے۔

مسئلہ ۱۴:- وارث زوجہ لڑکی اور ماں باپ دونوں ہوں۔ زوجہ کو ۱۲، لڑکی کو ۶۳ اور باپ کو ۶۳ اور ماں کو بھی ۶۳ اور باقی ماں باپ اور لڑکی پر دو بھتی قرابت ہوگا۔ کل جائداد کے ۱۳۰ حصے ہوں گے۔ ۱۵ زوجہ کو ۶۳، لڑکی اور ۲۱ ماں کو ۲۱ باپ کو ملیں گے۔ کیونکہ حق فرض سے کل پانچ بچے تھے جو حسب حصص لڑکی کو تین اور ماں اور باپ کے حصوں میں ایک ایک کا بھتی قرابت رز کا اضافہ ہوا۔ بشرطیکہ ماں کے لئے ۶۳ سے زائد کے حاجب موجود نہ ہوں۔

مسئلہ ۱۵:- وارث شوہر۔ لڑکے لڑکیاں یا صرف لڑکے اور ماں یا باپ ہو تو شوہر کو ۶۳ ماں یا باپ کو ۶۳ اور باقی اولاد کو بدستور سابق۔

مسئلہ ۱۶:- وارث شوہر لڑکے لڑکیاں یا صرف لڑکے اور ماں باپ دونوں تو شوہر کو ۶۳ ماں کو ۶۳ باپ کو ۶۳ اور باقی اولاد کو حسب دستور سابق۔

مسئلہ ۱۷:- وارث شوہر لڑکی اور ماں یا باپ ہوں تو شوہر کو ۶۳ ماں یا باپ کو ۶۳ اور باقی بھتی قرابت لڑکی اور ماں یا باپ پر حسب حصص رد ہوگا۔ کل بارہ حصوں میں سے شوہر کو ۳، لڑکی کو ۶ اور ماں یا باپ کو ۲ ملیں گے اور ایک باقی کو ماں یا باپ اور لڑکی اپنے حصوں کی نسبت سے تقسیم کریں گے۔

مسئلہ ۱۸:- وارث شوہر لڑکی اور ماں باپ دونوں ہوں تو شوہر کو ۶۳ ماں کو ۶۳ اور باپ کو ۶۳ اور جو بچے گا۔ وہ لڑکی کو ملے گا۔ اس صورت میں لڑکی پر نقص وارد ہوگا کیونکہ اس کا فرضی حصہ ۶ تھا لیکن اسے اس صورت میں بارہ حصوں میں سے پانچ ملے رہے ہیں جو ۶ سے کم ہے۔

مسئلہ ۱۹:- وارث زوجہ دو یا دو سے زائد لڑکیاں اور ماں یا باپ ہوں تو زوجہ کو ۶۳ ماں یا باپ کو ۶۳ اور لڑکیوں کو ۶۳ ملے گا اور جو باقی بچے گا وہ سابق حصص کے مطابق لڑکیوں اور ماں یا باپ کو بھتی قرابت سے رز میں ملے گا۔ گویا ۱۲۰ میں سے ۱۵ زوجہ کو اور ۸۰ بھتی فرض لڑکیوں کو اور ۲۰ بھتی فرض ماں یا باپ کو ملیں گے اور باقی ایک اور چار کی نسبت سے چار لڑکیوں کو اور ایک ماں یا باپ کو دیا جائے گا پس لڑکیوں کا کل حصہ ۸۴ اور ماں یا باپ کا حصہ ۲۱ ہو جائے گا۔

مسئلہ ۲۰:- وارث زوجہ دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں اور ماں اور باپ دونوں ہوں کل ۲۴ حصوں میں سے ۳ زوجہ کو اور ۲۱ باپ کو ملیں گے اور باقی ۱۳ لڑکیوں کو ملیں گے۔ اس صورت میں لڑکیوں کا حصہ فرضی ۱۶ ہونا چاہیے تھا لیکن ان کو اپنے حصے فرضی سے کم مل رہا ہے۔

مسئلہ ۲۱:- وارث شوہر دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں اور ماں یا باپ ہوں تو شوہر کو ۶۳ ماں یا باپ کو ۶۳ یعنی ۲۴ میں سے ۶ شوہر کو اور ۲۱ ماں یا باپ کو اور باقی ۱۳ لڑکیوں کو ملیں گے جو فرضی حصے سے ۲ کم ہوتے ہیں۔

دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے اور ان کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد کی بھی یہی صورت ہوگی لیکن ہر درجہ میں جو زیادہ قریب وہ دور والے کے لئے وراثت سے مانع ہوگا اور اس طبقہ میں صرف مادری بھائی بہنیں یا ان کی اولاد میں اپنا حاصل شدہ حصہ برابر تقسیم ہوگا یہاں ایک اور دو کی نسبت کا لحاظ نہ ہوگا۔

تقسیم طبقہ: چچے ماموں اور ان کی بہنیں ان کو میت سے دو واسطوں کے ذریعے سے قرب حاصل ہے ایک ماں و باپ کا واسطہ دوسرا دادا اور دادی یا نانا و نانی کا واسطہ۔ اس طبقہ میں ماموں اور ان کی بہنوں میں اپنا حصہ برابر تقسیم ہوگا اور اسی طرح ان کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد کے لڑکیاں اپنے حصے کو آپس میں برابر تقسیم کریں گے۔ نیز وہ چچے اور بھائی جو باپ کے صرف مادری بھائی بہن ہوں، وہ اور ان کی اولاد بھی اپنے حصے کو برابر آپس میں تقسیم کریں گے۔ یہاں ایک اور دو کی نسبت نہ ہوگی۔ نیز ہر درجہ میں قریب کی موجودگی دور والے کے لئے وراثت سے مانع ہوگی۔

مسئلہ: بھائی بہنوں کی چونکہ تین قسمیں ہیں (۱) مادری (۲) پدری (۳) پدری مادری۔ پس جس مقام پر یہ تینوں قسمیں ہوں تو صرف پدری بھائی بہنیں وراثت سے محروم ہوں گے لیکن مادری بھائی بہنوں کو اپنا حصہ ملے گا۔ اسی طرح پدری و مادری بھائی بہنوں کی اولاد کی موجودگی میں صرف پدری بھائی بہنوں کی اولاد محروم ہوگی لیکن مادری بھائی بہنوں کی اولاد کو اپنا حصہ ملے گا۔

مسئلہ: اگر ایک قسم کے بھائی یا بہنیں موجود ہوں اور دوسری قسم کے بھائی بہنوں کی اولاد موجود ہو تو وراثت صرف بھائی بہنیں ہوں گے خواہ صرف مادری ہی کیوں نہ ہوں اور بھائی بہنوں کی اولاد محروم ہوگی خواہ وہ پدری و مادری بھائی بہنوں کی اولاد ہی کیوں نہ ہوں کیوں کہ اقرب کی موجودگی میں بعد محروم ہوا کرتا ہے۔

مسئلہ: یہ قریبی جد کی موجودگی میں بعید جد وراثت نہ ہوگا، خواہ قریبی جد مادری رشتہ سے ہو اور بعید کا جد پدری رشتہ رکھتا ہو پس نانا یا نانی کی موجودگی میں باپ کا دادا دادی اور نانا نانی محروم ہوں گے۔ لیکن قریبی جد بھائی بہنوں کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد یا اولاد در اولاد کو نہیں روک سکتے بلکہ وہ اپنا حصہ لیں گے اور دوسری طرف بھائی بہنوں کی موجودگی جب بعید کے لئے بھی مانع نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ: تیسرے طبقہ میں بھی صرف پدری قربت دار پدری و مادری قربت داروں کی موجودگی میں محروم ہوا کرتے ہیں اور ان کی عدم موجودگی میں ان کے قائم مقام ہوتے ہیں لیکن مادری قربت دار محروم نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنا حصہ وصول کریں گے اور ان کی اولاد کی بھی یہی کیفیت ہوگی۔

مسئلہ: اقرب کی موجودگی میں بعد کو وراثت نہ ملے گی۔ مثلاً چچا کی موجودگی میں کسی چچا یا ماموں یا ان کی بہنوں کی اولاد وراثت نہ ہوگی، خواہ چچا، باپ کا صرف مادری بھائی ہی کیوں نہ ہو اور جن چچوں اور ماموں کی اولاد محروم ہے خواہ وہ پدری و مادری کیوں نہ ہوں بلکہ ماموں یا اس کی بہن کی موجودگی میں چچے کی اولاد محروم ہوگی خواہ وہ صرف مادری رشتہ رکھتے ہوں، اور اس کا رشتہ پدری و مادری ہو کیونکہ وہ اقرب ہے اور یہ اس سے دور ہیں البتہ اس مقام پر صرف ایک مسئلہ ہے جو اجماعاً

اس قاعدہ سے خارج ہے اور وہ یہ کہ اگر میت ایک چچا زاد بھائی اور ایک چچا چھوڑ جائے جبکہ چچا مرے اس کے باپ کا پدری بھائی ہو اور چچا زاد پدری و مادی بھائی کا بیٹا ہو تو کہتے ہیں وارث چچا زاد ہو گا اور پدری چچا محسوم ہو گا۔ اس ایک مسئلہ کے علاوہ باقی ہر مقام پر یہ قاعدہ جاری و ساری ہے کہ اقرب کی موجودگی میں ابعد کو کچھ نہ دیا جائے گا۔

مسئلہ: اگر میت کے چچے و ماموں اور ان کی بہنیں اور ان کی اولاد موجود نہ ہو تو پھر میت کے ماں باپ کے چچے ماموں یا ان کی اولاد ان کے قائم مقام ہوں گے اور یہ سلسلہ اوپر کی طرف چلا جائے گا اور قریب کی موجودگی میں بعید مردم ہوگا۔

مسئلہ :- شوہر و بیوی ہر طبقہ والوں کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں اور اولاد کی عدم موجودگی میں ان کو فرضِ اعلیٰ ملے گا یعنی شوہر کو پٹا اور زوجہ کو ہٹا۔

مسئلہ :- تیسرے طبقہ کی وراثت آیت مجیدہ **وَأُولُو الْأَرْحَامِ** کی رو سے ہے اور پہلے دونوں طبقوں میں اس آیت مجیدہ کے علاوہ خصوصی نفوس بھی وارد ہیں چنانچہ پہلے طبقہ کے لئے آیت **يُؤْصِيكُمُ اللَّهُ** اور دوسرے طبقہ کے لئے اس سے بعد کی آیت اور سورہ نساء کی آخری آیت موجود ہیں۔

وراثت پانے کے چار طریقے ہیں۔

وراثت کے طریقے

وراثت کے طے کرنا (۱) فرض۔ ان کے حقدار وہی ہیں جن کے حقوق خداوند کریم نے اپنی پاک کتاب میں معین فرمادیے ہیں۔ اور وہ چار ہیں پہلی ماں اس کا فرض پڑ حصہ ہے اولاد کی موجودگی میں اور پڑ حصہ ہے جبکہ میت کی اولاد نہ ہو بشرطیکہ اس کے پڑ سے زیادہ کچھ مانع موجود نہ ہوں اور وہ میت کے پدری و مادری یا فقط پدری دوسے زیادہ بھائیوں کی موجودگی یا ایک بھائی اور دو بہنیں یا چار بہنیں ہیں اور دوسرے صرف فرض کے حقدار ہیں۔ میت کے مادری بھائی جبکہ پہلا طبقہ موجود نہ ہو پس یہ ایک ہو تو اس کا فرض پڑ اور زیادہ ہوں تو ان کا فرض ہے پڑ جس کو وہ زن و مرد آپس میں برابر تقسیم کریں گے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ يَمُوتُ كَلَالَةً اَوْ امْرَاَةٌ فَلَهُ اَخٌ اَوْ اُخْتُ فَلَيْكُمَا الشُّدُوسُ وَاِنْ كَانُوا اَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثَّلَاثِ الخ۔ یعنی اگر وہ شخص کالہ ہے یعنی اس کا وارث طویٰ رشتہ میں یعنی پہلے طبقہ میں کوئی نہیں خواہ وہ مرنے والا مرد ہو یا عورت اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو (مادری) تو ان میں سے ہر ایک کو پڑ حصہ دیا جائے گا اور اگر بھائی یا بہنیں ایک سے زیادہ ہوں (مادری) وہ سب کے سب پڑ میں شریک ہیں گویا ان کی باہمی تقسیم زن و مرد کے لئے ایک اور وہ کی نسبت کا لحاظ نہیں بلکہ وہ سب برابر کے شریک ہیں اس مقام پر بھائی یا بہنیں صرف مادری مراد ہیں کیونکہ اسی سورہ کے آخر میں بھی کلامہ کی وراثت کا ذکر ہے اور وہاں فرمایا ہے کہ اگر ایک بہن ہو تو اس کا فرض پڑ اور زیادہ ہوں تو ان کا فرض پڑ اور اگر زن و مرد ہوں تو آپس میں ایک اور وہ کی نسبت سے تقسیم کریں گے اور وہاں بھائی بہنوں سے مراد ہے پدری و مادری یا ان کی عدم موجودگی میں صرف پدری اور تیسرے فرض کی حقدار زوجہ اور چوتھا شوہر ہے۔

۱۲) وراثت کا دوسرا طریقہ قرابت ہے جن کی وراثت اُولُو الْأَرْحَامِ :- والی آیت سے ثابت ہے۔

۱۳) وراثت کا تیسرا طریقہ کسی وقت فرض اور کسی وقت قرابت :- یہ باپ بیٹوں اور پردی و مادری یا صرف پردی بہنوں کے لئے ہے۔ مثلاً باپ اولاد کی موجودگی میں فرض کا مالک یعنی پڑھتہ کا اور ان کی عدم موجودگی میں وہ قرابت سے وارث ہوتا ہے۔ اور بیٹیاں میت کے ماں باپ کی موجودگی میں فرض کی مالک ہیں اور اپنے بھائیوں کی موجودگی میں قرابت سے وراثت پاتی ہیں اسی طرح مادری پردی بہنیں صرف مادری بہنوں کی موجودگی میں فرض کی مستحق ہوتی ہیں اور اپنے بھائیوں کی موجودگی میں قرابت سے حصہ لیتی ہیں۔

۱۴) چونکہ طریقہ فرض اور قرابت دونوں وہ صاحبان فرض ہیں جن کو فرض سے بچا ہوا بطور رد کے تقسیم ہوتا ہے پس وہ فرض کے حقدار ہوتے ہیں کیونکہ ان کے حصے قرآن مجید نے معین فرمادیئے ہیں اور باقی بطور رد ان کو ملتا ہے آیت اُولُو الْأَرْحَامِ کی رد سے کیونکہ آیت مجیدہ میں یہ نہیں کہ رشتہ میں قرب و بعد کا لحاظ فرض کے نہ ہونے کی صورت میں ہے بلکہ آیت مطلق ہے اور ہر قریبی پر صادق ہے اور جو افراد قرابت میں آوی ہوں گے وہ اس آیت کی رد سے حصہ دار نہیں گے خواہ اس سے پہلے وہ فرض سے لے چکے ہوں یا نہ لے چکے ہوں۔ بنا بریں علمائے امامیہ کے نزدیک تعصیب باطل ہے یعنی یہ کہ فرض سے بچا ہوا مال ان کے بعد والے موجودہ طبقہ میں حسب قرابت تقسیم ہو۔

مسئلہ عول کا ابطال جس طرح ہمارے نزدیک تعصیب کا قول باطل ہے اسی طرح عول کا قول بھی باطل ہے یعنی جب معین شدہ فرض قرآنی اصل ترکہ کے واجب التقسیم عدد سے بڑھ جائیں جس طرح مال گذشتہ میں مسئلہ ۱۲، ۱۱، ۱۰ کی مثالوں میں ہے تو عول کے قائل یہ کہتے ہیں کہ عدد واجب التقسیم پر اسی قدر حصص بڑھا دیئے جائیں۔ جنوں کی کمی پڑتی ہے پھر ہر صاحب کو اپنا معین حصہ دیا جائے اور اس اعتبار سے کسی تمام وارثوں پر اپنے اپنے حصص کے مطابق وارد ہوگی۔ مثلاً مسئلہ ۱۰ میں شوہر ماں باپ اور لڑکی موجود ہے تو شوہر لڑکی کا ماں باپ لڑکی لڑکی کی وارث تھی۔ لڑکی، لڑکی، لڑکی کے واجب التقسیم عدد ہے ۱۲ لیکن وارثوں کے حصے شوہر کو ۳ ماں کو ۲ باپ کو ۲ اور لڑکی ۶ اگر دیئے جائیں تو ناممکن ہے کیونکہ یہ بنتے ہیں ۱۳، اور عدد واجب التقسیم میں ایک کی کمی ہے۔ لہذا وہ کہتے ہیں کہ اسی کمی کو عدد واجب التقسیم پر بڑھا کر عدد واجب التقسیم ۱۳ قرار دیا جائے اور لڑکی، لڑکی، لڑکی کی نسبت کا حساب ۱۲ سے کیا جائے اور اسی لحاظ سے اس جائداد کے ۱۳ حصوں میں سے اپنا حصہ ہر ایک کو دیا جائے۔ اس صورت میں ہر وارث پر اپنی حیثیت سے کمی وارد ہوگی اور اسی طرح مسئلہ ۱۲، ۱۱، ۱۰ میں بھی عدد واجب التقسیم پر کم ہونے والے عدد کو جمع کر کے ہر وارث کو اپنا فرضی حصہ عدد واجب التقسیم کی نسبت سے دیا جائے گا۔ لیکن اس صورت میں خدائے وانا و بینا کے علم پر اعتراض وارد ہوگا کہ اس نے اپنی کتاب میں ایسے حصے کیوں مقرر فرمادیئے جبکہ حساب کے لحاظ سے عدد واجب التقسیم میں گنجائش ہی نہیں تھی۔

اسی بنا پر علماء امامیہ کے نزدیک عول کا قول باطل ہے اور آئمہ طاہرین علیہم السلام نے اس کا حل یہ فرمایا ہے کہ اس

قسم کے فردض کے جمع ہونے کی صورت میں فردض کا جائزہ لیا جائے۔ پس جن فرضوں کا خداوند حکیم نے دوسرا بدل مقرر فرمایا ہے وہ اپنے بدل سے پیچھے نہ ہئیں گے اور جن فرضوں کا بدل مقرر نہیں فرمایا وہ ہٹائے جائیں گے۔

مثلاً شوہر کے لئے ہر حصہ مقرر ہے لیکن اگر میت کی اولاد موجود ہو تو اس کا فرض پیچھے ہٹا کر ہر کر دیا جاتا ہے جو پہلے فرض کا بدل ہے اب اس کے کم از کم حصے کی حد مقرر ہو گئی جس سے اسے پیچھے نہیں ہٹایا جاسکتا اسی طرح عورت کا ہر ہے لیکن اولاد کی موجودگی اسے پیچھے ہٹا کر ہر تک کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ اس کا کم از کم حصہ ہے کہ اس کو اس سے پیچھے نہیں ہٹایا جاسکتا۔ وعلیٰ ہذا القیاس ماں کے ہر کا بدل ہر اولاد کی موجودگی میں ہے اور باپ کے لئے اولاد کی موجودگی میں ہر حصہ مقرر ہے جسے اور کم نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح مادری بھائی بہنوں میں سے ایک کے لئے ہر اور زیادہ کے لئے ہر کی حدود مقرر ہیں جن سے کم نہیں کیا جاسکتا۔

بخلاف اس کے ایک لڑکی یا چند لڑکیاں ان کے لئے انفرادی صورت میں ہر یا ۲ کی زیادہ سے زیادہ فرضی حدیں بتائی گئی ہیں لیکن طبقہ میں درثاء کی کثرت کے بعد یقیناً ان کو کل جائداد سے یہ حصہ نہیں مل سکتا اور انہیں اس حق سے پیچھے ہٹنا پڑتا ہے اور خداوند کریم نے اپنی مقدس کتاب میں ان کے کم از کم حصہ کی حد مقرر نہیں فرمائی اس طرح پدری مادری یا صرف پدری بہنیں ان کا بھی ہر یا ۲ زیادہ سے زیادہ حصہ انفرادی صورت میں مقرر کیا گیا ہے لیکن درثاء کی کثرت کے بعد کم از کم حصہ قرآن مجید نے بیان نہیں فرمایا۔ پس معلوم ہوا کہ جب فردض زیادہ ہو جائیں اور عدد واجب التقسیم میں سے پورے نہ ہو سکیں تو کمی انہیں پر وارد ہوگی۔ جن کے لئے کم از کم مقدار مقرر نہیں کی گئی۔

چنانچہ منقول ہے ابن عباس فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص چاہے میں اس کے ساتھ حجر اسود کے پاس جا کر مباہلہ کرنے کیلئے تیار ہوں اور میرا دعویٰ ہے کہ خدا نے اپنی کتاب میں ہر، ہر، ہر اور ہر کو کہیں جمع نہیں فرمایا اور نیز کہتے تھے کہ سبحان اللہ وہ اللہ جو ریگ صحراء کے ذرات کو جانتا ہے کیا وہ ایک عدد میں ہر، ہر، ہر اور ہر کے جمع ہو جانے کو کہتا ہے۔ ہر، ہر اور ہر سے تو مال بڑا ہو گیا پھر ہر کہاں جائے گا؟ اس پر زفر نے سوال کیا کہ فرائض میں سب سے پہلے عول کا قائل کون ہوا؟ تو ابن عباس نے جواب دیا کہ وہ حضرت عمرؓ تھے کہ جب فرائض جمع ہو گئے تو کہنے لگے خدا کی قسم میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم میں سے خدا نے کس کو مقدم اور کس کو موخر کیا ہے پس اس کا علاج میرے نزدیک یہ ہے کہ حصص کے لحاظ سے مال کو سب پر تقسیم کر دوں۔ اس کے بعد ابن عباس نے فرمایا خدا کی قسم اگر اللہ کے مقدم کئے ہوئے کو تم لوگ مقدم کرتے اور اس کے موخر کئے ہوئے کو تم لوگ موخر کرتے تو عول کی نوبت نہ آتی۔ زفر نے پوچھا کہ کون مقدم اور کون موخر ہیں تو ابن عباس نے جواب دیا۔ ہر وہ فریضہ جس کو خدا نے کم کر کے ایک دوسری حد تک پہنچا دیا ہے وہ ہے مقدم اور ہر وہ فریضہ جس کے لئے اپنی جگہ سے ہٹنے کے بعد دوسری حد معین نہیں بلکہ وہ باقی رہی ہوئی چیز کا حصہ ہے تو وہ ہے موخر۔ مثلاً شوہر کا فریضہ مقدم ہے کیونکہ معارضی کے وقت اپنی جگہ سے ہٹ کر اپنا دوسرا معین مقام سے لیتا ہے اور اسی طرح زوجہ اور ماں کا فریضہ لیکن بیٹیوں اور بہنوں کے لئے ہر، ہر اور ہر کے فریضے ہیں اور جب

دوسرے فروض ان کو اپنی جگہ سے ہٹادیں تو ان کی کمی کا آخری مقام معین نہیں بلکہ جو کچھ بچے گالیں گی اور یہ ہیں مؤخر۔

پس جس مقام پر فروض اکٹھے ہو جائیں اور ان میں سے بعض مقدم ہوں اور بعض مؤخر ہوں تو پہلے مقدم فریضے نکال لئے جائیں گے اور مال میں سے جو کچھ بچے گا وہ مؤخر فریضے والوں کا ہوگا۔ (شرح لمعج ۲) و تفسیر میزان نقلاً عن الکافی نیز صاحب میزان نے درمثور سے بروایت حاکم و بیہقی وغیرہ اس مضمون کی روایات نقل کی ہیں۔

افسوس کہ لوگوں نے قرآن کی تفسیر و تادیل کے لئے اہلیت عصمت کا دروازہ چھوڑ دیا ورنہ اگر بفرمان رسول امت کا تسک ثقلین سے ہوتا تو قرآن میں ان غلط تادیلات اور اسطے معانی کا سد باب ہو جاتا اور امت اسلامیہ کا شیرازہ نقشہ نہ ہوتے پاتا۔ روایت مذکورہ میں پڑ اور پڑ اور پڑ حصص کے جمع ہونے کی صورت سے مراد ہے مثلاً میت کی پدری مادری یا فقط پدری

ایک بہن اور ایک شوہر اور دو یا دو سے زیادہ مادری بھائی بہنیں ہوں تو پدری بہن کو پڑ اور شوہر کو پڑ اور مادری بھائی بہنوں کو پڑ ملنا چاہیے لیکن واجب التقسیم عدد میں ان حصص کی گنجائش نہیں ہو سکتی کیونکہ پڑ اور پڑ سے مال پورا ہو جائے گا۔ اور اگر صورت مذکورہ میں پدری بہنیں ایک سے زیادہ ہوں تو ان کا فرض پڑ ہے۔ مادری بہنوں کے حصہ پڑ سے ملا کر مال پورا ہو

جائے گا۔ پھر شوہر کے پڑ کی گنجائش نہ ہوگی۔ نیز اگر مادری بہن صرف ایک بھی ہو تو پڑ حصہ ہوتا ہے اور وہ بھی زائد ازالہ بنتا ہے اور اگر شوہر کی بجائے زوجہ فرض کی جائے تو پدری بہنوں کے ایک سے زیادہ ہونے اور نیز مادر یوں کے زیادہ ہونے کی صورت میں اس کے حصہ کی گنجائش بھی نہ رہے گی۔ و علیٰ ہذا القیاس۔ پس ان سب صورتوں میں حل کی صورت یہی ہے کہ بن کا قرآن

میں کم از کم حق مقرر شدہ ہے وہ مقدم ہیں اور ان کو اپنا حق پورا دیا جائے گا اور جن کے کم حصہ کی کوئی حد مقرر نہیں نقص ان پر داخل کیا جائے گا لہذا ان صورتوں میں نقص صرف پدری بہنوں پر وارد ہوگا اور مادر یوں کو اور شوہر یا زوجہ کو اپنا حصہ پورا دیا جائے گا

اس مقام پر قرآن عید نے طبقہ ثانیہ میں سے صرف مادری کلالہ کا ذکر فرمایا ہے اور اسی سورہ کے آخر میں پدری کلالہ کا ذکر کیا ہے اور اسی طبقہ ثانیہ میں دادا دادی اور نانا نانی

طبقہ ثانیہ کی وراثت

اور ان سے اوپر کا جدی سلسلہ اُولَٰئِذَا مَاتَ أَحَدٌ مِنْكُمْ وَهُوَ خَالٍ بِبَعْضِہُمْ اُولٰٓئِکَ یَرِثُہُ الَّذِیْ بِبَعْضِہُمْ کے قاعدہ کی رو سے داخل ہے۔ پس مناسب ہے کہ مختصر طور پر ان کی وراثت کا ذکر کیا جائے تاکہ آخر سورہ میں پھر اس تفصیل کا اعادہ نہ ہو۔

مسئلہ ۱۔ اگر وارث دادا یا دادی یا نانا یا نانی ہو تو سب مال اسی کو ملے گا اور اگر اکٹھے ہو جائیں تو باپ کے نسبت داروں کو پڑ اور ماں کے نسبت داروں کو پڑ ملے گا۔ پس باپ کے نسبت دار اگر دونوں یعنی دادا اور دادی موجود ہوں تو آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے لیں گے اور ماں کے نسبت دار آپس میں برابر تقسیم کریں گے اور اگر دادا یا دادی میں سے ایک ہو اور نانا یا نانی میں سے بھی ایک ہو تو دادا یا دادی کو پڑ اور نانا یا نانی کو پڑ دیا جائے گا۔

مسئلہ ۲۔ اگر بھائی یا بہن تنہا ہو تو سب مال اسی کو ملے گا خواہ پدری مادری ہو یا مادری اور اگر تینوں قسمیں جمع ہو جائیں تو صرف پدری محروم ہوں گے اور مادری ایک بھائی یا بہن کو پڑ اور باقی سب مال پدری مادری بھائی یا بہن کو ملے گا۔ صرف

ایک بہن یا حصہ فرض کے ساتھ اور باقی رد کے ساتھ ملے گی جس طرح لڑکی کے لئے مذکور ہو چکا ہے اسی طرح صرف مادی بھائی یا بہن تنہا وارث ہونے کی صورت میں فرضی حصہ کے علاوہ باقی بطور رد لین گے۔

مسئلہ ۳۔ اگر تینوں قسموں کے بھائی بہنیں متعدد ہوں تو صرف پدری محروم ہوں گے اور مادر یوں کو مل دیا جائے گا جو ان پر زن و مرد میں برابر تقسیم ہوگا اور مادری پدری بھائی بہنوں کو باقی دیا جائے گا جس کو وہ آپس میں عورت و مرد ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے۔

مسئلہ ۴۔ اگر ایک بہن پدری و مادری اور ایک بہن صرف مادری موجود ہوں تو پدری کو مل دیا جائے گا اور باقی بحق قرابت صرف پدری بہن پر رد ہوگا کیونکہ قرابت میں مادری و پدری اولیٰ ہے اور رد میں صرف قرابت کی اولیت کا لحاظ ہوتا ہے اسی طرح اگر مادری کھلا متعدد ہو تو وہ مل کو آپس میں تقسیم کریں گے لیکن رد ان پر نہ ہوگا۔ بلکہ باقی بچا ہوا صرف پدری بہن پر رد ہوگا و علیٰ ہذا نقیاس۔

مسئلہ ۵۔ اگر پدری و مادری بہن کی بجائے صرف پدری بہن اور اس کے ساتھ صرف مادری بھائی یا بہن ہوں تو کیا فرض سے بچا ہوا بحق قرابت فریقین پر تقسیم ہوگا یا صرف پدری پر تقسیم ہوگا۔ اس میں اختلاف ہے لیکن قوت اس قول میں ہے کہ صرف پدری کو رد ملے کیونکہ فرض کی زیادتی کے وقت نقص بھی صرف پدری رشتہ پر وارد ہوا کرتا ہے اور امام محمد باقر علیہ السلام سے منقولہ روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔

مسئلہ ۶۔ اگر دادا، دادی، نانا، نانی اور تینوں قسم کے بھائی بہنیں موجود ہوں تو صرف پدری بھائی بہنیں محروم ہوں گے اور اس کے بعد ترکہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ مادری قرابت کو مل دیا جائے گا جس کو نانا، نانی اور مادری بھائی بہنیں آپس میں برابر تقسیم کریں گے۔ اور پدری قرابت کو مل حصہ ملے گا کہ دادا، دادی اور بھائی بہنیں مذکر و مؤنث ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے گویا نانا، نانی، مادری بھائی بہنوں کے برابر اور دادا، دادی پدری بھائی بہنوں کے برابر شمار ہیں۔

مسئلہ ۷۔ دادا، دادی اور نانا، نانی موجود نہ ہوں تو پردادوں اور پرnanوں کو اسی دستور سے حصہ دیا جائے گا۔ لیکن قریبی کی موجودگی دور و اس کے لئے مانع ہوگی یعنی دادا کی یا دادی کی موجودگی میں پرnan اور پرnanی محروم ہوگی اور نانا یا نانی کی موجودگی میں پردادا اور پردادی محروم ہوں گے لیکن اگر دادا یا نانا قریب کے نہ ہوں بلکہ دور کے ہوں مثلاً پردادے یا پرnanے تو میت کے بھائیوں کے ساتھ وہ شریک ہوں گے اور میت کے بھائی ان کے لئے مانع نہیں ہو سکتے۔

مسئلہ ۸۔ اگر بھائی موجود نہ ہوں تو ان کی اولاد ان کی قائم مقام ہوگی اور اولاد میں سے ہر کو وہی حصہ ملے گا جو اس کے ماں باپ کی موجودگی میں ان کو ملنا چاہئے تھا اور ان کی تقسیم باہمی بھی اسی رشتہ کے لحاظ سے ہوگی یعنی اگر پدری بھائی بہنوں کی اولاد ہیں تو حاصل شدہ حصہ ایک اور دو کی نسبت سے زن و مرد میں تقسیم ہوگا اور اگر مادر یوں کی اولاد ہیں تو برابر تقسیم ہوگی۔

مسئلہ ۹ - بر قریب کی موجودگی میں بعید محروم ہو گا یعنی بھائی یا بہن کی موجودگی میں کسی بھائی کی اولاد حصہ دار نہ ہو کے گی خواہ موجودہ بھائی مادری ہو اور اولاد پدری کی ہو۔ ہاں داداد دادی اور نانا نانی کا قریب بھائیوں کی اولاد کے لئے مانع نہیں ہو سکتا۔ اس قاعدہ سے صرف ایک مسئلہ مستثنیٰ ہے جو ص ۱۲ کے شروع میں درج کیا جا چکا ہے۔

مسئلہ ۱۰ - اگر اس طبقہ میں زوج یا زوجہ بھی شامل ہو جائیں تو ان کو اصل جائداد سے اپنا اعلیٰ حصہ دیا جائے گا اور باقی میں دوسرے وارثوں پر تقسیم ہوگی۔ یعنی پڑشوہر اور پڑزہ کو ملے گا کیونکہ اولاد کی موجودگی میں ان کا فرضی حصہ یہی ہے۔

مسئلہ ۱۱ - فرض کی زیادتی کی صورت میں نقص پدری قرابت پر وارد ہو گا جس طرح ایک پدری بہن ایک مادری بہن اور ایک شوہر کی صورت میں مادری بہن اور شوہر اپنا اپنا حصہ پورا لیں گے اور کمی پدری بہن پر پڑے گی۔ اسی طرح ایک دادی ہو اور ایک نانی ہو اور شوہر بھی ہو تو ایک نانی کو ملے اور شوہر کو ملے دیا جائے گا جو باقی بچے گا وہ دادی کا ہو گا کلیات بیان کر دیئے گئے ہیں اسی کے ماتحت جوئیات کو دریافت کیا جا سکتا ہے۔

اس سے وہ وارث مراد ہیں جو آیت **أُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ** کے حکم سے استحقاق وراثت رکھتے ہیں اگرچہ اس مقام پر ان کا بیان بے ربط ہے لیکن تتمہ کے طور پر ان کا ذکر خالی از فائزہ نہیں

طبقہ ثالثہ کی وراثت

مسئلہ ۱۲ - جب میت کے بھائی بہنیں وغیرہ موجود نہ ہوں تو اس کے باپ کے بھائی بہنیں اور اس کی ماں کے بھائی بہنیں اور ان کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد وارث قرار دی جائے گی اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر دادا دادی اور نانا نانی کے بھائی بہنیں یا ان کی اولاد وارث ہوگی اور بالترتیب یہ سلسلہ آگے جائے گا لیکن قریب کی موجودگی میں بعید ہر سلسلہ میں محروم قرار دیا جائیگا

مسئلہ ۱۳ - چچے پھوپھیاں میت کے باپ کے بھائی بہنیں ہیں اور ماموں اور ان کی بہنیں میت کی ماں کے بھائی بہنیں ہیں۔ لہذا انفرادی طور پر ان میں سے جو بھی ہو خواہ چچا ہو پھوپھی ہو ماموں ہو یا خالہ ہو میت کی تمام جائداد کی حسب سابق وارث ہوگی خواہ باپ کا پدری بھائی یا بہن ہو یا مادری اور اسی طرح ماں کا پدری بھائی یا بہن ہو یا مادری۔

مسئلہ ۱۴ - اگر صرف میت کے چچے پھوپھیاں تینوں قسم کے جمع ہو جائیں یعنی میت کے باپ کے پدری مادری بھائی بہنیں اور صرف پدری اور صرف مادری تو صرف پدری محروم اور پدری مادرین کو ملے گا زن و مرد کو ایک اور دو کی نسبت سے اور صرف مادرین کو ملے گا زن و مرد برابر تقسیم کریں گے اور اسی طرح اگر صرف میت کی ماں کی تینوں قسم کی برادری موجود ہو تو پدری ساقط اور پدری مادرین کو ملے گا اور مادرین کو ملے دیا جائے گا۔ لیکن یہ سب کے سب خواہ پدری ہوں خواہ مادری ہوں زن و مرد کی تقسیم میں برابر حصہ لیں گے۔ مادری قرابت میں ایک اور دو کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ ۱۵ - اگر میت کے تینوں قسموں کے چچے پھوپھیاں ماموں اور ان کی بہنیں جمع ہو جائیں تو دونوں قرابتوں میں سے صرف پدرین کو محروم کیا جائے گا۔ اس کے بعد جائداد تین حصوں میں تقسیم ہوگی پڑچچے اور پھوپھیاں لیں گی اور پڑ ماموں اور اور ان کی بہنیں لیں گی۔ پھر چچوں اور پھوپھیوں میں سے جو صرف مادری ہیں اس حاصل شدہ میں سے ملے لیں گے اور برابر آپس

میں تقسیم کریں گے اور باقی ۲۴ پدیوں کے لئے ہوگا جو ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے اور اصل جائداد سے جو ماموں کو ۱۲ ملا تھا اس میں سے صرف مادری قرابت کو ۱۲ ملے گا جو آپس میں برابر تقسیم کریں گے اور اس میں سے ۲۴ پدی قرابت کو دیا جائے گا جس کو وہ بھی برابر تقسیم کریں گے مثلاً ترکہ کے ۳۶ حصے کئے جائیں گے، ۲۴ پدی قرابت اور ۱۲ مادری قرابت کو دیئے جائیں گے۔ ۲۴ میں سے ۱۶ میت کے باپ کے پدی بھائیوں کو اور ۸ مادری بھائیوں کو اور ۱۲ میں سے ۸ میت کی ماں کے پدی بھائیوں اور ۴ مادریوں کو دیئے جائیں گے۔

مسئلہ ۸۔ پدیری و مادری قرابت کی عدم موجودگی میں صرف پدیری قرابت ان کے قائم مقام ہوگی۔

مسئلہ ۹۔ اگر زوج یا زوجہ اس طبقہ میں آجائیں تو ان کو اپنا اعلیٰ حصہ شوہر کو ۱۲ یا زوجہ کو ۱۲ دیا جائے گا

مسئلہ ۱۰۔ اس طبقہ میں بھی اگر فرض زیادہ ہو جائیں تو کمی پدیری قرابت پر وارد ہوگی۔ مثلاً چچے ماموں اور زوج یا زوجہ موجود ہو تو ماموں اور زوج یا زوجہ کو اپنا فرض دیا جائے گا اور باقی جو بچے گا وہ بچوں کے لئے ہوگا اور وہ آپس میں بدستور سابق تقسیم کریں گے۔

مسئلہ ۱۱۔ طبقہ ثالثہ کی وراثت کے کلیات بیان ہو چکے ہیں اور ہر چیز کا مسئلہ کو ان سے معلوم کیا جاسکتا ہے اگر ہر ہر چیز کو بمعہ مثال درج کیا جائے تو ایک بڑی کتاب بن جائے گی جس کا ہمارے موضوع سے ربط نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۲۔ وراثت کی مانع تین چیزیں ہیں ایک کفر، دوسرا قتل اور تیسرے غلامی۔ پس کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا اور اسی طرح قاتل جس نے عمداً ظلماً قتل کیا ہو وہ اپنے مقتول کا وارث نہیں ہو سکتا خواہ بیٹا ہی کیوں نہ ہو اور نیز غلام آزاد کا وارث نہیں ہو سکتا۔

تنبیہ قانون وراثت میں بعضوں کو زیادہ اور بعضوں کو کم دینا۔ اس میں ہماری قیاس آریاں بے سود ہیں پس خداوند کریم نے جو حصص مقرر فرمائے اور جناب رسالتاً اور ان کے اوصیائے طاہرین علیہم السلام نے ان کی جو تفصیل بیان فرمائی ہیں۔ ہمیں ان کو تسلیم کرنا چاہیے۔ یہاں ہمارے جذباتی خیالات کو کوئی دخل نہیں ہے چنانچہ خداوند کریم نے ارشاد فرمایا ہے۔

اَبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةٌ مِّنْ اِلٰهِ اِنَّ اِلٰهًا كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا

یعنی تمہارے باپ اور بیٹوں کے رشتوں میں تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے لئے دنیا میں یا عقبیٰ میں کون نفع رساں ہے (تاکہ حقوق وراثت میں ان کے حصص کی کمی بیشی کے متعلق سوچو) یہ اللہ کی طرف سے فریضہ اور اللہ ہی علیم و حکیم ہے یعنی ان حصص کے مصالح کو اللہ ہی جانتا ہے اور اس نے اپنے علم و حکمت کے پیش نظر ان کے حصص میں فرق اور کمی و زیادتی مقرر فرمائی ہے پس صاحب ایمان کو صرف تسلیم کرنا چاہیے اور اس کی حکمت و مصلحت کو علم خدا پر چھوڑ دینا چاہیے اور یہی طریق نجات ہے

اس میں شک نہیں کہ انسان کی اجتماعی تمدنی زندگی کی تنظیم میں قانون وراثت ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ ہم جب تاریخ عالم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وراثت انسانی زندگی میں ایک

وراثت از دئے عقل

قدیم ترین سنت ہے جو ہمیشہ سے چلی آرہی ہے اور اگر فطرت و جبلت انسانیہ کا جائزہ لیا جائے تو نظر غائر اس نظریہ تک پہنچتی ہے کہ تمدن انسانی اور ناموس بشری کی حفاظت قانون وراثت کے بغیر ممکن ہی نہیں کیونکہ مال اور جملہ ضروریات زندگی فطری طور پر انسان کے لئے جاذبہ طبع چیزیں ہیں۔ اور جس چیز کو انسان غیر ملوک اور آوارگی کے عالم میں دیکھے اس پر اپنے اولین لمحات فرصت میں اپنی ملکیت کی عمر لگانا چاہتا ہے بلکہ جلب منفعت کا جذبہ تو اس حد تک کارفرما ہے کہ ہر محبوب شے کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتا ہے اور کسی صورت میں اس پر کسی غیر کے قبضہ کو پسندیدہ لگا ہوں سے نہیں دیکھ سکتا۔ اور ملکات کے ایک سے دوسرے کی طرف انتقال کے بغیر بھی تمدن انسانی برقرار نہیں رہ سکتا پس دوران زندگی میں ملکیتوں کی تبدیلی کے ذرائع موجود ہیں لیکن کسی فرد انسانی کی موت کے بعد جب اس کی ملوکہ اشیاء سے اس کا حق ملکیت سلب ہو جاتا ہے تو اس صورت میں اگر اس کے متبادل مالک بالکل قرار نہ دیئے جائیں تو انسانوں میں جنگ و جدال کا ایک طوفان برپا ہو کر انسانیت کی ناک و ڈبو کر رکھ دے گا اور میزان عقل سے جب متبادل وارثوں کے انتخاب پر رائے زنی کی جائے تو جو لوگ متوفی کی زندگی میں اس کے اموال سے مستفیع ہونے کے حقدار تھے یا جن لوگوں سے اس کا فونی یا سببی رشتہ قائم تھا وہ سب سے زیادہ اس کے اموال کے حقدار نظر آئیں گے اور انسان جب کسی کی زندگی میں اس کی ملکیت پر قبضہ جانے کا خواہاں ہوتا ہے وہ اس کی موت کے بعد کون کونسی خواہش سے دست بردار ہوگا لہذا ضروری ہے کہ جو لوگ ایک شخص کی زندگی میں اس کے مال سے مستفیع ہونے کا حق رکھتے تھے۔ انہیں اس کے مرنے کے بعد سب انسانوں سے زیادہ حق دار سمجھا جائے تاکہ انسانیت باہمی فسادات کا شکار نہ ہونے پائے۔ اور فطری طور پر قربت میں بھی قرب و بعد کا فرق اور لگانے و بیگانے میں امتیاز ضروری ہے لہذا وراثت انہیں کا حق ہے۔ جو زیادہ سے زیادہ قریب ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ قانون وراثت انسان کی زندگی کا جزو اعظم ہے اور اسے عالم کے انسانوں نے دامن قبولیت میں جگہ دی ہوئی ہے۔ اور جو لوگ اشتراکیت کا علم اٹھا کر حقوق ملکیت کے خلاف انفرہ لگاتے پھرتے ہیں وہ حقیقت فطرت کے اصولوں سے بغاوت کا اعلان کرتے ہیں۔ بہر کیف ہر قوم و ملت میں قانون وراثت جاری رہا ہے البتہ جزئیات مسائل میں و تفاوتاً تبدیلیاں ہوتی رہیں اور انسانی وضع شدہ قوانین ظلم و استبداد سے تو بری ہو نہیں سکتے لہذا اس مسئلہ میں کمزور طبقہ عورتیں یتیم اور بے طاقت لوگ ہمیشہ ظلم کے شکنجہ میں کپے جاتے رہے۔ روم کی قدیمی تاریخ اور اسی طرح یونان و ہند کے حالات قدیمہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عورت کے لئے حق وراثت کے قائل نہیں تھے خواہ زوجہ ہو یا ماں یا بیٹی تاکہ ان کی جائداد وراثت کے ذریعے سے دوسرے قبائل میں کہیں نہ چلی جائے۔ ایران کی رسوم جدا گانہ تھیں ان کے نزدیک محارم سے نکاح کرنا بھی جائز تھا زوجات میں سے جو شوہر کی زیادہ محبوب ہوتی تھی اس کو بیٹے کی طرح وراثت کا حقدار سمجھا جاتا تھا اور باقیوں کو محروم کیا جاتا تھا۔ اسی طرح شادی شدہ لڑکی محروم اور کنواری لڑکیوں کو لڑکوں سے نصف دیا جاتا تھا۔ عرب جاہلی میں مطلقاً عورت کو محروم وراثت کرنے کا رواج تھا (میزان)

اسلام کا احسان عظیم ہے انسانیت پر اور خصوصاً صنفِ نازک پر کہ اس نے ان کو مردوں کی طرح وراثت کا حقدار

بنایا اور اس کے وقار کی سطح کو بلند کیا اور یہ ثابت کیا کہ جس طرح انسانی تمدن میں مرد حصہ دار ہے اس میں عورت بھی اس کے دوش بدوش ہے۔ ہاں مرد کو اگر عورت سے دگنا حصہ دیا ہے یعنی مرد کے لئے ۲ اور عورت کیلئے ایک تو پھر عورت کے اخراجات بھی اُس نے مرد کے سر پر رکھ دیئے ہیں۔ گویا مرد کا حق ملکیت دو حصوں پر ہے لیکن ان کو کھانے اور تصرف میں لانے کے لئے اس کی عورت اس کی آدھ کی بھائی وال ہے اور عورت اپنے ملکیتی حصہ میں بھی تصرف کی بھی خود واحد مالک ہے پس ملکیت اور تصرف کے دونوں پہلوؤں پر نظر کی جائے تو مرد کی ملکیت عورت سے دگنی ہے لیکن عورت کا تصرف مرد کے تصرف سے دگنا ہے ایک مرد کے حصے کے نصف میں اور دوسرا اپنے ملکیتی حصے میں۔ پس عورت و مرد میں اس طرح یکسانیت ہو گئی۔

گویا خانگی زندگی کو کنٹرول میں لانے اور برقرار رکھنے کے لئے چونکہ خدا نے مردوں کو عورتوں کا حاکم قرار دیا **الَّذِينَ آمَنُوا** تو اس کا حق ملکیت بھی دو گنا قرار دیا لیکن چونکہ یہ دونوں کتاب انسانیت کے دو اہم باب ہیں تو عورت کو تصرف میں دگنا حصہ دے دیا اور یہ عدل خداوندی ہے جو اسی کے حکیمانہ تدبیر کا نتیجہ ہے اسی طرح عورت کو اطاعت شوہر کا حکم دے دیا تاکہ نظام زندگی درہم برہم نہ ہو تو اس کے بدلہ میں اس کو ازود و اجی زندگی میں حق مہر کا مالک بنا دیا۔

بہر کیف یہ قانون وراثت تمام انسانوں پر عادی ہے اور اس سے کسی کو مستثنائ نہیں قرار دیا گیا خواہ رئیس ہوں یا رعایا اور خواہ امتی ہوں یا نبی۔ ہاں اسلام میں سابق تاریخ جاہلی کو دہراتے ہوئے پہلے پہلے جناب رسالتؐ کی دختر نیک اختر کو اپنے باپ کی وراثت سے محرومی کا منصوبہ تیار کیا گیا جس کی بنا پر آج تک مسلمانوں کے دلوں پر روکیوں کی وراثت کا مسئلہ ایک سنگ گراں کی حیثیت رکھتا ہے۔

تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۱۵۶

قانون جنت کے مقدمہ وراثت کے متعلق فخر الدین رازی کا فیصلہ

آیت **يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ الْخَالِقَ** کی تفسیر میں کہ یہ آیت عام نہیں رہی بلکہ مخصوص ہے اس حکم سے کہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت نہیں ہوا کرتی اور شیعہ اس تخصیص کے خلاف ہیں۔ مروی ہے کہ جناب فاطمہ علیہا السلام نے جب وراثت کا دعویٰ دائر کیا تھا تو جواب میں انہوں نے مقابلہ کی یہ حدیث پڑھی تھی **نَحْنُ مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورِثُ مَا تَرَكْنَا وَصَدَقَتْ** یعنی ہم گروہ انبیاء کا وارث کوئی نہیں ہوتا بلکہ ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے تو نبی نے ان کی رد اور اپنے دعویٰ کے اثبات میں یہ آیت مجیدہ تلاوت فرمائی **لَا يَدْخُلُ فِيهَا** مثل **حَقَّ الْأَنْثَيْنِ**۔ اور اس آیت کے عموم کو انہوں نے اپنے دعویٰ کی دلیل قرار دیا تھا اور گویا نبی یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ عموم قرآن کو خبر واحد سے تخصیص نہیں دی جاسکتی اور شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ بالفرض اگر عموم قرآن کو خبر واحد سے تخصیص دینا جائز ہوگی تاہم اس جگہ نہیں ہو سکتی جس کی کئی وجوہات ہیں۔

۱) خداوند کریم نے ذکر یا علیہ السلام کے قول کو نقل فرمایا ہے **يَرْثُنِي وَيَرْثُ مِنِّي** یعنی اپنے لئے فرزند کی دُعا مانگتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرا اور اکی یعقوب کا وارث ہوگا۔ نیز فرماتا ہے **وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ** اور سلیمان دَاوُد کا

وارث ہوا۔ اور ان آیتوں میں علم اور دین کی وارثت یقیناً مراد نہیں کیونکہ علم اور دین وارثت میں کسی کو منتقل نہیں ہو سکتا بلکہ یہ کی چیز ہے اور وارثت میں منتقل ہونے والی چیز مال ہی ہے پس معلوم ہوا کہ وہ پیش کردہ حدیث غلط ہے کیونکہ خلاف قرآن ہے۔

(۲) وارث نبوی کا تعلق حضرت عباس جو آپ کے چچا تھے اور حضرت علی جو چچا زاد اور داماد تھے اور حضرت فاطمہ جو دختر تھی ان سے تھا اور یہ لوگ عالم بھی تھے اور زاہد بھی تو اگر آپ نے یہ فرمانا تھا تو ان لوگوں کو فرماتے جن کو اس چیز سے واسطہ تھا۔ ایک ایسے شخص کو فرمانا جو درمیان میں کوئی واسطہ نہ رکھتا ہو ایک بے معنی سی بات ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت رسالت کی وارثت سے ناقل حدیث کو کوئی تعلق واسطہ نہ تھا پس معلوم ہوا کہ حدیث اعتبار سے ساقط ہے۔

(۳) اگر بالفرض حدیث کو درست تسلیم کیا بھی جائے تو ممکن ہے مَا تَرَكْنَا كَذٰلِكَ فَاَوْفَرْتُمْ کَا مَفْعُول ہو یعنی ہم گروہ انبیاء جس چیز کو بطور صدقہ چھوڑ جائیں اس کا کوئی وارث نہیں ہو سکتا۔ لہذا سارے مال کی وارثت کی نفی نہ ہوگی۔

اس تمام مطلب کو ذکر کرنے کے بعد جواب میں صرف ایک جملہ پیش فرماتے ہیں کہ اس منافقہ کے بعد جناب فاطمہ ابوبکر پر راضی ہو گئی تھیں اور اجماع قائم ہو چکا ہے کہ جو کچھ ابوبکر نے کیا تھا وہ درست تھا۔ لہذا یہ اعتراضات ساقط ہیں۔

انصاف کا خون دیکھئے۔ روایت تسلیم ہے اور بی بی پاک کا احتجاج بھی تسلیم ہے نیز بی بی پاک کے استدلال پر بھی کتبہ چینی نہیں اس کے بعد نحن معاشد الانبیاء والی فرضی حدیث پر شیعوں کی طرف سے پیش کردہ اعتراضات بھی تسلیم ہیں لیکن کس قدر جرأت و جبارت سے کہہ دیا کہ بی بی راضی ہو گئی ہیں پوچھا ہوں کہ بی بی اس کے غلط فیصلہ پر کیے راضی ہو گئی جبکہ اس کی فرضی حدیث کو غلط ثابت کرنے کے لئے آپ آیت قرآنی پیش فرما چکی تھیں جس کے جواب سے وہ عاجز تھے۔ تو اس کے بعد رضا کا محل کو نبا باقی رہتا ہے جبکہ آپ کا لقب صدیقہ مسلم بن الفریقین ہے۔ کیا حضرت ابوبکر نے بی بی کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کر کے معافی طلب کی تھی اور حقوق الناس میں معافی مانگنے کی صورت یہ ہے کہ گزشتہ اپنے فعل سے معذرت اور اپنے پاس باقی ماندہ حقوق مالیہ کی واپس ادائیگی۔ کیا بی بی کو حق وارثت دے کر سابق غلطی سے معذرت طلب کی گئی تھی اور اگر ایسا نہیں ہوا تو بی بی کی رضامندی کیسے؟ یعنی رضامندی کی دو صورتیں ہیں یا اس کے فیصلہ پر رضامندی اور یا اس کے جرم کی معافی فیصلہ پر رضامندی لیکن ہے کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ بی بی نے قمران مجید کے فیصلہ کے خلاف رضامندی کا اظہار کیا جو ان کی عصمت کے منافی ہے اور ان کے جرم کی معافی کی صورت اس لئے نہیں کہ انہوں نے نہ اس جرم کا اقرار کیا اور نہ مال مطلوبہ واپس دے کر معذرت پیش کی۔ جس طرح بی بی پاک کے استدلال کا مدعی علیہم کے پاس جواب نہ تھا اسی طرح بی بی پاک کے مقدمہ کے دکلائے علمائے شیعہ رضوان اللہ علیہم کے استدلال کا جواب مدعی علیہ کے وکیل نام نہاد علامہ رازی کے پاس بھی نہیں تھا لیکن بی بی پاک کے دعووں کی اہمیت کو کم کرنے اور مدعی علیہ کی لاج رکھنے کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ تھا کہ کہہ دیا بس وہ راضی ہو گئیں۔

اب ذرا خاتونِ جنت کی رضامندی ملاحظہ فرمائیے۔ صحیح بخاری کتاب الخمس اور باب غزوہ خیبر میں ہے۔

جب بی بی نے اپنا حق طلب کیا اور اس کے مقابلہ میں وہ مفروضہ حدیث پڑھی گئی اور بی بی کو غالی پٹایا گیا تو بی بی غضبناک واپس پٹی اور پھر مرتے دم تک حضرت ابوبکر سے بائیکاٹ کئے رہیں اور باپ کے بعد کل چھ ماہ زندہ رہیں باپ غزوہ خیبر میں یہ لفظ زیادہ ہیں کہ جب بی بی کا انتقال ہوا تو حضرت علیؑ نے ان کو رات کے وقت دفن کیا۔ اور ابوبکر کو جنازہ و دفن میں شرکت کی اطلاع تک نہ دی؛ تفصیلی بحث تفسیر کی جلد اول یعنی مقدمہ میں ص ۱۵۱ یا ص ۱۵۲ پر ملاحظہ فرمائیے۔ (پہلا ایڈیشن)

نیز ابن قتیبہ و نیوری اپنی کتاب الامامۃ و السیاستہ میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر و حضرت عمر دونوں مل کر بی بی پاک کے پاس برائے معذرت پہنچے تو بی بی نے اپنا منہ دیوار کی طرف پھیر لیا اور جب انہوں نے سلام کہا تو بی بی نے ان کو سلام کا جواب تک نہ دیا (حالانکہ رد سلام واجب ہوا کرتا ہے گویا بی بی ان کو رد سلام کے قابل نہ سمجھتی تھی) اس کے بعد بی بی نے اپنی دراشت کے مقدمہ کو دہرایا اور فرمایا کیا اسلام کی رو سے تیرے قریبی تیرے وارث ہوں اور ہم اپنے باپ حضرت محمد مصطفیٰ کے وارث نہیں؟ لیکن پھر وہی مفروضہ حدیث دہرائی گئی اور بی بی پاک نے ناراضگی کی اور باتیں بھی کہیں اور آخر میں فرمایا کہ میں اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو گواہ کر کے کہہ رہی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے ناراض کیا ہے اور تم نے مجھے راضی نہیں کیا۔ اور اپنے بابا کے پاس پہنچ کر تم دونوں کی شکایت کروں گی اور نیز فرمایا ہر نماز میں میں تمہارے لئے بددعا کروں گی یہ پوری روایت تفسیر کی پہلی جلد یعنی مقدمہ تفسیر میں ص ۱۶۳ یا ص ۱۶۴ پر درج ہے۔ (پہلا ایڈیشن)

اور اسی مطلب کی تائید کرنے والی ایک روایت اسی مضمون کی صحیح مسلم میں بھی موجود ہے کہ یہ معذرت خواہی کے لئے گئے اور بی بی نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ ہر نماز میں یا ہر نماز کے بعد تمہارے لئے بددعا کرتی رہی کاش! دامن خلافت کو بچانے اور بی بی کے دعویٰ کی اہمیت کو باقط کرنے سے قبل تاریخی واقعات کا جائزہ لے لیا ہوتا اور نہیں تو کم از کم صحاح ستہ کا مطالعہ کر لیا ہوتا تاکہ بی بی پاک کی رضامندی کا فیصلہ ہو جاتا۔ ہاں کیوں نہیں مصنف کو اس قسم کی باتیں بھولی ہوئی نہیں ہوتیں اور خصوصاً اس قسم کے مختلف فیہ مسائل زیر نگاہ ہوتے ہیں جیسی تو ایت درایت کی تفسیر میں بی بی پاک کی دراشت کے مقدمہ کو ذکر کر ہی دیا اور اپنی پارٹی کے حق میں فیصلہ بنا کر خاموش ہو گیا۔ ضرور بخاری و مسلم کے یہ مقامات بار بار پڑھے ہوں گے اور اس موقع پر تو گہری نظر سے ان کا مطالعہ کیا ہوگا اور صفحات تاریخ بھی پلٹے ہوں گے کہ کہیں یہ مل جائے کہ بی بی راضی ہو گئی لیکن کہیں ہوتا تو ملتا اور بی بی کی رضامندی کی صورت بھی ہو سکتی تو کوئی لکھتا کیونکہ میں عرض کر چکا ہوں بی بی کی رضامندی محالات میں سے ہے اس لئے کہ غلط فیصلہ پر رضامندی نشان عصمت و طہارت اور صداقت کے منافی ہے اور جرم پر رضامندی بعید از عقل ہے کیونکہ نہ اس نے حق دیا نہ معافی ہوئی لیکن اس نام نہاد علامہ بلکہ امام بے چارے کے پاس اور تو کوئی حیلہ نہ تھا پس لکھ دیا کہ وہ راضی ہو گئی تھیں

لیکن یہ کھٹک دل میں باقی رہی کہ یہ جواب کافی نہیں اس کو تاریخ و حدیث بلکہ عقل و نقل قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تو دل میں سوچا کہ اس سے سُر کا جاؤں پس فوراً دوسری بات کہہ دی کہ چونکہ اجماعِ امت قائم ہے کہ جو کچھ خلیفہ نے کیا ہے وہ درست ہے لہذا اعتراضات سب بے کار ہیں۔

ہاں ! ایسے ہی لوگ تو امام کہلاتے ہیں جن کے نظریہ جات اس قسم کے ہوں کہ حاکمِ وقت کا فیصلہ قرآن کے خلاف ہو، عقل کے منافی ہو اور حقدار کا حق تلف ہوتا ہے اور وہ بیچارہ چیخا چلاتا رہے لیکن اکثریت اس کے حکم کے سامنے دب کر خاموشی اختیار کرے یا اس کی کسی مصلحت کی بنا پر ہاں میں ہاں ملا دے اور پھر کوئی مولوی اور خطبہ علامہ کہہ دے کہ وہ حقدار پہلے چیخا چلاتا رہا اور بعد میں وہ خاموش اور راضی ہو گیا تھا یا یہ کہہ دے کہ خواہ وہ کتنا ہی فریاد کرتا رہے اور روتا رہے لیکن حاکمِ وقت کا جو فیصلہ ہو چکا ہے خلافِ قرآن ہو تو ہو عقل نہ مانے تو نہ مانے لیکن چونکہ عوام نے تسلیم کر لیا ہے اور اجماع ہو چکا ہے تو پس صحیح ہے اب عوام کیوں نہ کہیں اسے علامہ اور کیوں نہ امامت کا لقب لیں یہاں پر ایک حدیث مجھے یاد آتی ہے کہ بہترین جہاد کلمہ حق ہے جو سلطانِ جابر کے سامنے کہا جائے اور اسی حدیث کو تفسیرِ بطلان کی دلیل بنا کر پیش کیا جاتا ہے لیکن جب وہ کلمہ حق اہلیتِ عصمت کے کسی دعویٰ کی دلیل بنتا ہو تو اس وقت یہ جہاد ساقط ہے بلکہ حاکمِ وقت کی ہاں میں ہاں ملانا ہی ایمان ہے۔ حق تو یہ ہے کہ مدعی کی دلیل بھی ناقابلِ تردید ہے اور ماننا بھی نہیں کیونکہ سارے لوگ راضی ہو چکے ہیں۔ پس اکثریت کی ہاں میں ہاں ملانی ہی ہے یہ ہے تحقیق اور بالغِ النظری کی شان۔

ان سے پوچھنے والا کوئی نہیں کہ آیا حضرت علیؑ امت کا فرد نہیں تھا کیا جنابِ بتول معظّمہ امت کی فرد نہیں تھیں کیا حضرت سلیمان مقلد اور ابوذر وغیرہ امت کے افراد نہیں تھے اور کیا مدینہ میں یہ لوگ موجود نہیں تھے کیا یہ لوگ اس فیصلہ پر راضی تھے؟ جب ایسا نہیں تو عوام کو دھوکا دینے کے لئے یہ مہمان کیوں؟

ہاں اس دھاندلی کا پتہ اس وقت چلے گا جب ایک طرف میدانِ مشر میں جنابِ بتول معظّمہ اپنا دعویٰ دائر کریں گی اور دوسری طرف مدعی علیہم ہوں گے اگر اس وقت تم نے یہ کہا کہ بی بی راضی ہو گئی تھی تو ضرور جنابِ بتول معظّمہ حضرت عمن کو پیش فرمادیں گی اور وہ دروازہ خود گواہی دے گا جس پر لکڑیاں جمع کی گئی تھیں۔ نیز قرآن کی میراث والی آیات پکار پکار خاتون کی صداقت کی گواہی دیں گی۔ یقیناً جب اس میدان میں اس مفسرِ قرآن کو جواب دہی کے لئے کھڑا کیا گیا تو سمجھ آ جائے گی کہ اکثریت کی ہاؤ ہو سے دب کر دلیل کا ساتھ چھوڑنا کیسا ہوا کرتا ہے۔

ہاں بی بی تیرا دعویٰ سچا تھا اور تو حق پر تھی۔ جن لوگوں نے تیرا حق چھینا یا تیرے حق پر پردہ ڈالا وہ واقعی قیامت کے روز تیرے جوابدہ ہوں گے اور ہم دنیا و آخرت میں ان سے بری ہیں۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي

یہ اللہ کی حدود ہیں اور جو اطاعت کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی داخل کرے گا اس کو بہشتوں میں کہ

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ

بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو نافرمانی

يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا ۚ

کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی اور تجاوز کرے گا اس کی حدود سے اسے داخل کرے گا جہنم میں کہ ہمیشہ رہنے والا

وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۴﴾ وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ

ہوگا اس میں اور اس کے لئے عذاب ذلیل کن ہوگا اور وہ جو کہیں بدکاری تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ قائم کرو

فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةٌ مِنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا فَاْمُسْكُوهُنَّ

ان پر چار مرد اپنے سے بس اگر گواہی دیں تو روک رکھو ان کو اپنے گمروں

فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّيَهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ﴿۱۵﴾

یہ میان تک کہ لے لے ان کو موت یا مقرر کرے اللہ ان کے لئے کوئی راستہ

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ احکام میراث بیان فرمانے کے بعد ان کو اپنی حدود قرار دیا ہے اور اطاعت گزاروں کو جنت

کی بشارت اور تجاوز کرنے والوں کیلئے جہنم کی وعید کی ہے کیونکہ مال کے حصول کی خاطر بے راہ روی کرنا ابدی عذاب کا مستحق بنا آتا ہے

اور خدا کے بیان کردہ طریق کے مطابق صرف حلال پر صبر کرنا ابدی نعمتوں کا سزاوارکرتا ہے اور عقلمند کو چاہیے کہ عارضی منافع کی

ظاہر ابدی وبال نہ خریدے بلکہ فانی چیز کی قربانی کر کے ابدی راحت کے حصول کی کوشش کرے۔

وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ ۱۔ دو اور اول میں جب عورت کی بدکاری چار گواہوں کے ذریعہ سے ثابت ہو جاتی تھی

تو اسے ایک کو ٹھٹھی میں قید کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ مرجاتی تھی پھر یہ حکم منسوخ ہوا اور شادی شدہ مرد

اورت کا زنا اگر ثابت ہو جائے تو اسے سنگسار کرنے کا حکم ہوا اور کونارے مرد و عورت کا زنا ثابت ہو جائے تو ان کیلئے دہائیوں کی سزا مقرر ہوئی

أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ۚ تفسیر صافی میبرایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ

رکوع نمبر ۱۲

وَالَّذِينَ يَأْتِيْنَهَا مِنْكُمْ فَاذُوْهُمَاۤ اِنْ تَابَاۤ وَاصْلَحَاۤ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْۚ

اور جو دو آدمی کریں بدکاری تم میں سے تو ان کو اذیت دو پس اگر توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں تو درگزر کرو ان سے

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝۱۶ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْۤا

تحقیق اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے سوائے اس کے نہیں کہ توبہ قبول کرنا تو اللہ پر ان کے لئے ہے جو کریں

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍۭ ۚ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَا

برائی جہالت سے پھر توبہ کر لیں جلدی سے پس یہ لوگ توبہ خدا قبول کرتا ہے ان کی

كَانَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ حَكِيْمًا ۝۱۷ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ

ہے اللہ علم و حکمت والا اور نہیں توبہ ان کے لئے جو کریں بدکاریاں یہاں تک کہ جب

حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُۤ اَلَا اِنِّىۡ تَبْتُۤ اِلَیْهِۦ وَلَا الَّذِيْنَ

پہنچ جائے ان پر موت تو کہہ دے کہ میں اب تائب ہوں اور نہ ان کے لئے

يُتُوْبُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌۭ ۚ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۸

جو مرتے ہیں بحالت کفر ایسے لوگوں کے لئے ہم نے تیار کیا ہے دردناک عذاب

ہے اور سبیل سے مراد حدود میں ایک اور روایت میں فرمایا کہ سبیل سے مراد کوڑے اور سنگ سار کرنا ہے۔

بروایت غوالی جناب رسالت مآب سے مروی ہے کہ یہ لوح خانہ سبیل مقرر فرما دیا ہے کہ کنوارا مرد کنواری لڑکی سے زنا کرے تو اس کے لئے ایک سوتازیانہ اور ایک سال کی جلا وطنی کی سزا ہے اور شادی شدہ شادی شدہ سے زنا کرے تو اس کیلئے کوڑے بھی اور سنگسار کرنے کی سزا بھی ہے اور صاحب جمع البیان نے فرمایا کہ اکثر علمائے امامیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ اس پر صرف سنگسار کرنے کی ہی سزا ہوگی وَالَّذَانِیۡنِ ۚ۔ اسلام کے دورِ اوّل میں جب مرد و عورت زنا کرتے تھے تو مرد کو ایذا دی جاتی تھی زبان سے یا جوتوں کی مار سے اور عورت کو ایذا دی جاتی تھی کہ اس کو تادم مرگ جس میں رکھا جاتا تھا لیکن بعد میں یہ حکم آیتِ رجم سے منسوخ ہو گیا۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ ۚ۔ تفسیر مجمع البیان و برہان میں فقیہ سے منقول ہے کہ جناب رسالت مآب نے آخری غلبہ میں فرمایا جو شخص مرنے سے ایک سال قبل توبہ کرے خدا قبول کرے گا۔ پھر فرمایا مہینہ زیادہ ہے جو شخص ایک دن پہلے توبہ کرے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا طَوَّلًا تَعْضُلُوا

اے ایمان والو! تمہیں جائز نہیں کہ وارث بنو عورتوں کے زبردستی سے اور نہ رد کو ان کو اس غرض سے

لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبِينَةٍ وَعَاشِرُ

کہ حاصل کرو بعض وہ جو ان کو دے چکے ہو مگر یہ کہ کریں بدکاری ظاہر اور ان کے ساتھ گداز نہ رکھو ساتھ نیکی کے

بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا

پس اگر تم ان کو ناپسند کرتے ہو تو ممکن ہے کہ تم ناپسند کرو ایک چیز کو اور رکھی ہو اللہ نے اس میں خیر

خدا قبول فرمائے گا پھر فرمایا ایک دن زیادہ ہے جو شخص ایک گھنٹہ پہلے توبہ کرے خدا قبول کرے گا پھر فرمایا ایک گھنٹہ زیادہ ہے پس اپنے ہاتھ سے حلق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا جب روح یہاں تک پہنچ جائے اور توبہ کرے تب بھی خدا قبول فرماتا ہے مروی ہے ابلیس نے کہا تھا کہ میں بنی آدم کو تادم مرگ گمراہ کرتا رہوں گا تو خدا نے فرمایا تھا کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں بھی اس وقت تک توبہ قبول کروں گا جب روح حلق تک پہنچ جائے۔

تفسیر برہان میں عیاشی سے مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جب روح حنجرہ تک پہنچ جائے تو اس وقت عالم کی توبہ قبول نہیں ہوتی اور جاہل کی توبہ اس وقت بھی قبول ہوتی ہے بہر کیف توبہ کو خدا قبول فرماتا ہے۔ لیکن حقوق الناس کی توبہ کے وقت ادائیگی ضروری ہے یا ان معافی لے لے اور حقوق اللہ کی قضا لازم ہے اور وقت کم ہو تو اپنے ورثہ کو وصیت کرے تو غالباً قبولیت توبہ میں عالم و جاہل کے فرق کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص حق کو پہچانتے ہوئے ضد پر ڈٹا رہے اور مرتے وقت خدا کے عذاب کو دیکھ کر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں جیسے فرعون اور جو شخص پہچانتا ہو اور جہالت کی وجہ سے حق کا انکار کرتا رہے لیکن مرنے سے تھوڑا سا قبل بھی اگر وہ حق کی معرفت حاصل کر لے اور اپنی سابقہ غلطی سے توبہ کر لے تو اس کی توبہ مقبول ہے۔ واللہ اعلم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا - تفسیر صحیح البیان میں اس کے شان نزول کے متعلق لکھا ہے کہ ایک شخص ابوقیس مرگیا تو اس کے بیٹے محسن نے ابوقیس کی عورت کبیشہ پر حسب دستور جاہلی اپنی چادر ڈالی اور اس کے نکاح کا وارث بن بیٹھا اس کے بعد نہ اس کے ساتھ مہبستری کی اور نہ اس کو کہیں اور جگہ نکاح کرنے دیا پس وہ عورت حضرت رسالتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی اقا! نہ مجھے شوہر کی وراثت ملی ہے اور نہ مجھے آزادی نصیب ہوئی ہے کہ کہیں اور جگہ نکاح کر سکوں تو یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی یہی مروی ہے اور کہتے ہیں عرب کا جاہلی دستور تھا کہ مرنے

کَثِيرًا ۱۹) وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۖ وَآتَيْتُمْ أَحَدَهُنَّ

کثیر اور اگر تم چاہو تبدیل کرنا ایک عورت بدلے ایک عورت کے۔ اور دے چکے ہو ان میں سے ایک کو

قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ تَأْخُذُ وَنَهَ بَعْثَانَا وَإِثْمًا مِّبِينًا ۲۰

مال کثیر تو نہ لو اس سے کچھ بھی کیا لینا چاہتے ہو باطل اور فاسد باہر گناہ کے طریقے سے؟

وَكَيْفَ تَأْخُذُ وَنَهَ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ ۖ وَأَخَذْتَ مِنْكُمْ

اور کیسے لیتے ہو اس کو حالانکہ مل چکا ہے تمہارا بعض طرف بعض کے اورے چکی ہیں تم سے

مِّبِينًا قَاغْلِيظًا ۲۱) وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ

عہد سخت اور نہ نکاح کرو ان عورتوں سے کہ نکاح کر چکے ہیں تمہارے باپ ان سے گزردہ ہو گزر چکا ہے۔

وائے کا بیٹا یا اس کا دوسرا ولی جس طرح مرنے والے کے باقی مال کا وارث ہوتا تھا اس کی عورت کا بھی وہ وارث ہوتا تھا پس اس پر اپنی چادر ڈال دیتا تھا اگر چاہتا تو اسے متوفی کے ادا کردہ حق مہر سے ہی اپنی زوجہ بنالیتا اور اگر چاہتا تو اس کی دوسری بگہ شادی کر کے اس کا حق مہر خود وصول کر لیتا پس اس آیت نے ان کو اس فعل شنیع سے روک دیا۔

بعض کہتے ہیں کہ ایک شخص کی عورت ہوتی تھی اور اس نے اس کا حق مہر بھی ادا کرنا ہوتا تھا لیکن یہ اس کے ساتھ سہبستری کرنا پسند نہ کرتا تھا تو اس کو اذیت دیتا تھا تاکہ وہ مہر بخش دے پس ان کو اس آیت مجیدہ کے بعد روکا گیا۔

نیز کہتے ہیں مرد جن عورتوں کو ناپسند کرتے تھے ان کو زبردستی اپنے گھروں میں روکے رہتے تھے تاکہ ان کے مرنے کے بعد ان کی وراثت کے حقدار بنیں۔ پس یہ آیت اتری اور حضرت باقر علیہ السلام سے یہ بھی مروی ہے اور آیت کے عموم کے پیش نظر بیان کردہ تمام صورتیں مراد ہو سکتی ہیں اور روایت میں بھی غالباً مصداق آیت کے ایک فرد کو بطور مثال کے پیش کیا گیا ہے۔

إِلَّا أَنْ يَتَيَسَّرَ ۖ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ فاحشہ سے مراد ہر قسم کی نافرمانی ہے تو پس ایسی صورت میں عورت سے پیسے وصول کر کے اسے خلع کر سکتا ہے اور اگر ایسی صورت نہ ہو تو پھر عورت سے اچھے سلوک کے ساتھ بسر کرنا ضروری ہے جس طرح کہ آیت مجیدہ کے مضمون سے ظاہر ہے۔

وَإِنْ أَرَدْتُمْ ۖ اگر ایک عورت کو طلاق دے کر اس کی بجائے کسی دوسری سے نکاح کرنا چاہو تو پہلی عورت کا

إِنَّكَ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿۲۲﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَ

تحقیق یہ برائی اور غضب ہے اور بُرا راستہ ہے؟ حرام کی لگیں تم پر تمہاری مائیں اور

بَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ

بیٹیاں اور بہنیں اور بھوپھیاں اور ماسیاں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں

مال اس سے چھین کر نہ رکھ لو کہ دوسری اس کی مالک بنے کیونکہ یہ بہتان کی طرح گناہ کبیرہ ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جب بھی عورت کو طلاق دے تو اس کو دیا ہوا مال اس سے حاصل کرنے کا حقدار نہیں ہے خواہ کسی دوسری عورت سے شادی کا ارادہ رکھتا ہو یا نہ (مجمع)

مِيثَاقًا غَلِيظًا۔ اس سے مراد وہ ہے جو بزبان حال یا منتال بوقت نکاح کیا جاتا ہے کہ عورت کے ساتھ حسن سلوک سے برتاؤ کیا جائے گا ورنہ احسان اور خوش اسلوبی سے اس کو آزاد کر دیا جائے گا اور ایسا ہی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے (مجمع البیان)

وَلَا تَنْكِحُوا۔ عرب جاہلی میں بیٹے باپ کی منکوحہ عورتوں کے ساتھ نکاح کر لیا کرتے تھے یعنی جوان کی ماں کی سونکین ہوتی تھیں چنانچہ ایک شخص نے اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کی خواستگاری کی تو اس نے جواب دیا کہ میں تجھے اپنا فرزند سمجھتی ہوں اور تو اپنی قوم میں نیک معلوم ہوتا ہے لہذا اس بارہ میں میں رسول خدا سے دریافت کرتی ہوں چنانچہ وہ اُٹی اور دریافت کیا تو یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی۔

مسئلہ۔ باپ کی منکوحہ بیٹے پر حرام موند ہے خواہ باپ نے اس کے ساتھ مجامعت کی ہو یا نہ، لیکن کیا وہ عورت جس کے ساتھ باپ کے ناجائز تعلقات رہ چکے ہوں اس حکم میں داخل ہوگی؟ تو آیت قرآن کا حکم اس کو ناجائز کہہ رہا ہے کیونکہ نکاح کا لغوی معنی ہے مجامعت پس جس عورت سے باپ مجامعت کر چکا ہو وہ بیٹے پر حرام ہوگی۔ اور اس میں علمائے امامیہ متفق ہیں۔

رکوع نمبر ۱۵۔ حُرِّمَتْ۔ حرمت کا متعلق جس نوع سے ہوگا اسی کا مخصوص

محرماتِ ابدیہ | نفع حرام ہوگا مثلاً اگر کھانے والی چیزوں پر اس لفظ کا اطلاق ہو تو مراد ہوگا کھانا حرام ہے اور عورتوں پر اطلاق کی صورت میں مراد ہے کہ ان سے نکاح کرنا حرام ہے کیونکہ حرمت کا تعلق ذات سے نہیں ہوا کرتا بلکہ اس کے منافع سے ہوا کرتا ہے۔ اُمَّهَاتُكُمْ۔ یعنی ہر وہ عورت کہ سلسلہ ولادت میں آپ کی نسبت اس تک پہنچے۔ پس ماں کی ماں اور باپ کی ماں اور میسر جس قدر سلسلہ اوپر چلا جائے گا۔ سب اسی لفظ کی رو سے حرام ہوں گی

وَأَمَّا فِتْكُمُ الَّتِي أَرْضَعُكُمْ وَأَخَوْتُكُمْ مِنَ الرِّضَاعَةِ وَأَمَّا فِتْكُمُ النَّسَائِ

اور وہ مائیں جنہوں نے تمہیں اپنا دودھ پلایا ہے اور دودھ کی بہنیں اور تمہاری عورتوں کی مائیں

وَرَبَائِبُكُمُ الَّتِي فِي حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ الَّتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِنْ لَّمْ

اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری پردرشن میں ہیں جن عورتوں سے تم دخول کر چکے ہو پس اگر تم نے

تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ

دخول نہ کیا ہو ان سے تو پھر کوئی گنہ نہیں تم پر اور عورتیں تمہارے ان بیٹوں کی جو تمہاری صلب

أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

سے ہیں اور یہ کہ اکٹھی دو بہنیں (نکاح میں) کرو مگر وہ جو گزر چکا ہے تحقیق اللہ

غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٦٣﴾

غفور رحیم ہے۔

کیونکہ وہ سب مائیں ہیں بَنَاتُكُمْ۔ یعنی ہر وہ عورت کہ سلسلہ ولادت میں اس کا نسب آپ پر منتہی ہو۔

پس بیٹی کی بیٹی اور بیٹے کی بیٹی اور اس کے بعد جس قدر سلسلہ نیچے چلا جائے گا وہ سب اسی لفظ کا مصداق ہونگی کیونکہ اولاد کی اولاد بھی اولاد کہلاتی ہے۔

عَمَّا تَكُمُ۔ جمع ہے عَمَّةٌ کی یعنی ہر وہ عورت جو بہن ہو ایسے شخص کی جس کی طرف آپ کا سلسلہ نسب پہنچا ہو پس اس لفظ میں باپ دادا پردادا وغیرہ کی بہنیں اور نانا پر نانا وغیرہ کی بہنیں سب داخل ہیں۔

خَلَائِكُمُ۔ جمع ہے خالہ کی۔ یعنی ہر وہ عورت جو بہن ہو ایسی عورت کی جس کی طرف آپ کا سلسلہ نسب پہنچا ہو تو ماں نانی اور پر نانی وغیرہ کی بہنیں سب اس لفظ میں داخل ہیں۔

بَنَاتُ الْأَخِ۔ اس سے مراد بھائی کی موث اولاد کا سلسلہ ہے جہاں تک نیچے چلا جائے گا۔

بَنَاتُ الْأُخْتِ۔ اس سے مراد بہن کی موث اولاد کا سلسلہ ہے جہاں تک نیچے چلا جائے گا۔

پس یہ سات قسم کی عورتیں ہیں جن کی نسبی قرابت نکاح سے مانع ہے۔ ۱، ماں ۲، بیٹی ۳، بہن ۴، بیٹی

۵، خالہ ۶، بھتیجی ۷، بھانجی۔ اور اس کا مختصر طور پر قاعدہ کلیہ یہ سمجھنا چاہیے کہ چار قسم کی عورتیں حرام ہیں ۱، ہر وہ عورت

جو اصول میں داخل ہے، وہ ہر وہ عورت جو فروع کے سلسلہ میں داخل ہے (۳) ہر اصل کی پہلی فرع (۴) پہلی قریبی اصل کی ہر فرع یا یوں کہہ دیجئے کہ قرابت طولیہ کی فوقانی و تحتانی ہر عورت حرام ہے اور قرابت عرضیہ میں قرابت طولیہ فوقانیہ کی پہلی فرع اور پہلی اصل کی ہر فرع حرام ہیں۔

مجمع البیان میں بروایت ابن عباس منقول ہے کہ خداوند کریم نے عورتوں میں سے سات قسموں کو نسب کے حرام قرار دیا ہے اور سات قسموں کو سبب سے حرام کیا اور وہ یہ ہیں ۱، رضاعی ماں ۲، رضاعی بہنیں ۳، دودھ کی ماں ۴، دودھ بدخلہ کی بیٹیاں ۵، منکوحہ فرزند ۶، دو بہنوں کو اکٹھے نکاح میں لانا ۷، گزشتہ آیت میں باپ کی دودھ

جو عورتیں قرابت نسبی کی وجہ سے حرام ہو کر تی ہیں وہی قرابت رضاعی سے بھی حرام ہوں گی۔

رضاعی محرمات | چنانچہ جناب رسالت اکرم کا فرمان ہے **إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ مِنْ الرِّضَاعَةِ مَا حَرَّمَ مِنْ النَّسَبِ** یعنی خدا نے رضاع سے وہی عورتیں حرام کی ہیں جو نسب سے حرام کی ہیں۔

أُمَّهَاتُكُمُ الَّتِي أَرْضَعْنَكُمْ۔ تمہاری وہ مائیں حرام ہیں جنہوں نے تمہیں دودھ دیا ہے پس اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل عورتیں داخل ہیں۔

- ۱۔ وہ عورت جس نے دودھ دیا ہے۔
- ۲۔ وہ عورت جو دودھ پلانے والی عورت کی ماں ہو خواہ نسب سے خواہ رضاع سے اسی طرح اس کی دادیاں اور نانیاں نسبی و رضاعی سب حرام ہوں گی۔
- ۳۔ دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کی (جو اس کا رضاعی باپ ہے) مائیں، دادیاں، نانیاں خواہ نسبی ہوں یا رضاعی
- ۴۔ دودھ پینے والے کی نسبی ماں یا نسبی نانی یا نانی کی رضاعی مائیں اور پھر اوپر کا یہ سب سلسلہ۔
- ۵۔ دودھ پینے والے کے نسبی باپ یا داد سے دادی کی رضاعی مائیں اور ننانی القیاس سے۔

وَأَخَوَاتُكُمُ مِنَ الرِّضَاعَةِ۔ تمہاری رضاعی بہنیں۔ یعنی دودھ پینے والے کے نسبی والدین کی جو رضاعی اولاد ہوگی وہ اس کے بھائی بہنیں شمار ہوں گے اور ان کی نسبی یا رضاعی اولاد اس کے رضاعی بھانجے اور بھتیجے ہوں گے پس ان سب سے اس کا نکاح حرام ہوگا نیز اسی قاعدہ کے ماتحت نسبی بھائی بہنوں کی رضاعی اولاد اور پھر ان کی نسبی یا رضاعی اولاد آخر تک اسی حکم میں ہے اور اس مقام پر چند مسائل اور بھی ہیں جن کا ذکر ضروری ہے۔

مسئلہ۔ رضاعی رگیاں اور ان کی نسبی یا رضاعی اولاد اور یہ سلسلہ نیچے کی طرف جہاں تک چلا جائے۔ اسی حکم میں ہے۔

مسئلہ۔ نسبی فرزند یا بیٹی کی رضاعی رگیاں اور پھر ان کی اولاد۔ خواہ رضاعی خواہ نسبی جہاں تک چلی جائے سب حرام ہے۔

مسئلہ :- رضاعی فرزند کی لڑکیاں خواہ رضاعی ہوں یا نسبی اور اسی طرح ان کی اولاد کا بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ :- رضاعی پھوپھیاں اور رضاعی ماسیاں بھی اسی طرح حرام ہیں جس طرح نسبی سلسلہ میں حرام ہیں پس اس سلسلہ میں باپ دادا پردادا وغیرہ کی رضاعی بہنیں اور ماں نانی پر نانی کی رضاعی بہنیں سب داخل ہیں۔

رضاع کے شرائط

۱۔ دودھ نکاح سے ہو خواہ دائمی ہو یا متعہ ہو۔ بنا بریں اگر دودھ دینے والی عورت نکاح سے خالی ہو تو اس کے دودھ کا کوئی اعتبار نہیں۔ نیز منکوحہ ہونے کے علاوہ وہ حاملہ ہو یا بچے کی ماں ہو پس اگر بچہ جننے کے بغیر اور حمل کے زمانہ کے علاوہ اس کا دودھ ہو جائے تو وہ رضاع نہ بنے گا۔
۲۔ اس قدر دودھ پیئے کہ اس سے بچہ کا گوشت پیدا ہو اور بڑی مضبوط ہو۔ لہذا اس مقدار سے کم کا کوئی اعتبار نہ ہوگا یا ایک دن رات مکمل دودھ پیتا رہے یا پندرہ مرتبہ پے در پے دودھ پیئے چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ رضاع حرمت کا موجب نہیں بنتا جو ایک دن رات سے کم ہو بشرطیکہ پندرہ مرتبہ پے در پے ہو کہ درمیان میں کسی دوسری عورت کا دودھ نہ پیا ہو اور ایک ہی فعل کا دودھ ہو ورنہ اگر ان پندرہ مرتبہ کے درمیان کسی اور عورت کا دودھ پیئے گا تو رضاع محترم نہ ہوگا اور بعض علمائے امامیہ دس مرتبہ پے در پے دودھ پینے کو کافی سمجھتے ہیں نیز دودھ پستان سے منہ لگا کر پیئے۔ اگر دودھ کر پلایا جائے تو وہ بھی حرمت کا موجب نہ ہوگا۔

۳۔ دودھ پینے والا بچہ دو سال کے اندر ہو ورنہ رضاع کی حرمت نہ ہوگی۔

۴۔ فعل ایک ہو۔ یعنی ایک عورت جس قدر لڑکوں کو دودھ پلائے گی۔ بشرط سابقہ وہ سب ایک دوسرے کے

مبھائی بہنیں رضاعی ہوں گے۔ بشرطیکہ عورت اسی ایک ہی شوہر کا دودھ سب کو پلاتی رہی ہو۔ ورنہ جس قدر بچے عورت کا دودھ ایک شوہر کے نکاح کے دوران میں پیئیں گے وہ ایک دوسرے کے رضاعی مھائی بہنیں ہوں گے اور جو بچے اسی عورت کا دودھ دوسرے شوہر کے نکاح کے دوران میں پیئیں گے وہ آپس میں تو رضاعی مھائی بہنیں

نہیں گے لیکن اسی عورت کے پہلے شوہر کی رضاعی اولاد سے ان کا رشتہ ہو سکے گا۔ البتہ اسی عورت کی نسبی اولاد کا رشتہ نہ اس کے پہلے شوہر کی رضاعی اولاد سے ہوگا اور نہ دوسرے شوہر کی رضاعی اولاد سے ہوگا۔

مسئلہ :- جس بچے نے ایک عورت کا دودھ حسب شرائط پیا ہو اس پر اس عورت کی نسبی اولاد سب حرام ہوگی اور رضاعی اولاد صرف وہی حرام ہوگی جو اسی شوہر کے نکاح کے ماتحت اس کا دودھ پی چکی ہو اور اسی طرح اس بچے پر رضاعی ماں کے اس شوہر کی اولاد بھی حرام ہوگی۔ جس کے نکاح میں اس نے دودھ پیا تھا۔ خواہ اس شوہر کی اولاد اسی عورت سے ہو یا کسی اور عورت سے ہو۔

مسئلہ :- دودھ پینے والے بچے کے نسبی مھائی بہنیں بچے کے رضاعی ماں باپ کی اولاد میں رشتہ کر سکتے ہیں

خواہ اس بچے سے بڑے ہوں یا چھوٹے۔

مسئلہ ۱۔ دودھ پینے والے بچے کا نسبی باپ بچے کے رضاعی باپ کی اولاد نسبی و رضاعی میں نکاح نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ اس کے لئے بمنزلہ اولاد کے برچکے ہیں۔ اسی طرح بچے کا باپ دودھ پلانے والی عورت کی نسبی اولاد سے بھی نکاح نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اخبار صحیحہ میں وارد ہے۔

مسئلہ ۲۔ مسئلہ سابقہ کی رو سے اگر انی یا نانے کی منکوحہ بچے کو دودھ پلائے تو چونکہ بچے کی نسبی ماں اس کی رضاعی بہن بن جاتی ہے لہذا بچے کے باپ پر وہ حرام ہو جائے گی۔

مسئلہ ۳۔ جس طرح اگر رضاع پہلے ثابت ہو تو نکاح نہیں ہو سکتا اسی طرح اگر نکاح ہو چکے کے بعد رضاع آجائے تو نکاح باطل ہو جائے گا۔ مثلاً اگر ایک بچے یا بچی کو اس کے باپ کی ساس دودھ پلائے تو اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا اس مسئلہ کی جزئیات بہت نکالی جاسکتی ہیں۔

مسئلہ ۴۔ اگر ایک شخص چھوٹی بچی سے نکاح کرے اور اس کی دوسری مدخولہ عورت اسی بچی کو دودھ پلائے۔ تو وہ عورت چونکہ اس کی چھوٹی منکوحہ عورت کی رضاعی ماں ہو کر اس کی ساس ہو جائے گی لہذا اس پر حرام ہو جائے گی اور چھوٹی بچی بھی حرام ہوگی کیونکہ وہ اس کی رضاعی بیٹی ہو چکی ہے ہاں اگر اس کی دو عورتوں نے اس چھوٹی بچی کو یکے بعد دیگرے دودھ دیا ہو تو پہلی دودھ دینے والی حرام ہوگی اور دوسری حرام نہ ہوگی کیونکہ اس نے رضاعی بیٹی ہو چکے کے بعد اس کو دودھ دیا ہے اور چھوٹی بچی بہر صورت حرام ہو جائے گی۔

وَأُمَّهَاتُ نِسَاءِكُمْ۔ یعنی تمہاری عورتوں کی مائیں (تم پر حرام ہیں) اس میں ہر وہ عورت داخل ہے جس کی طرف زوجہ کا نسب پہنچتا ہو۔ یعنی اس کی مائیں دادیاں نانیاں خواہ نسبی ہوں یا رضاعی وہ سب حرام ہیں۔ اسی میں فرق نہیں کہ عورت سے دخول کیا ہو یا نہ۔

مسئلہ ۵۔ بنا بریں اگر کوئی شخص کسی مرد سے نواط کرے تو اس پر مفعول کی ماں بہن اور بیٹی سے نکاح کرنا حرام ہے وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي أَلْتَمَسْنَ زَوْجَكَ یعنی زوجہ کی وہ اولاد جو تمہاری پردرش میں ہے اور پردرش میں ہونے کا ذکر اس لئے ہے کہ عام دستور یہی ہے کہ زوجہ کی سابق شوہر کی اولاد اس کے ہمراہ ہو کر دوسرے شوہر کے ہاں پردرش باقی ہے ورنہ نکاح کی حرمت میں اس وصف کو کوئی دخل نہیں اگر بالفرض زوجہ کی سابق شوہر کی لڑکیاں اس کی پردرش میں نہ بھی ہوں تاہم اس مرد کا ان سے نکاح کرنا حرام ہے۔ بشرطیکہ اس زوجہ سے دخول کر چکا ہو ورنہ اگر دخول کئے بغیر اس کو طلاق دے دے یا عورت قبل از دخول مرجائے تو اس کی سابق شوہر کی لڑکیاں اس کے نکاح میں آسکتی ہیں نیز زوجہ کی سابق شوہر کی لڑکیاں اور ان کی اولاد اسی طرح زوجہ کی سابق شوہر سے لڑکے کی اولاد (یہ سب رَبَائِبُكُمْ) میں داخل ہیں۔ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ يَسْلَوْنَ بَنِيكُمْ یعنی تمہارے صلیبی لڑکوں کی بیویاں (تم پر حرام ہیں) بیٹیوں، پوتوں، نواسوں کی بیویاں

سب اس میں داخل ہیں خواہ بیٹے یا پوتے و نواسے نسبی ہوں یا رضاعی۔ بنا بریں صلبی قید رضاعی بیٹے کے اخراج کیلئے ہے بلکہ پرورش پانے والے ادعائی بیٹوں کی نفی کے لئے بھی ہے۔ کہتے ہیں چونکہ رسالت اکبر نے زید کی عورت سے نکاح کیا تھا تو مشرکین نے زبان طعن و دزدکی تھی کہ دیکھو رسولؐ نے اپنی بہو سے شادی کر لی ہے تو یہ آیت اتری اور نیز خدا نے فرمایا وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَكُمْ اَبْنَاءَكُمْ۔ خدا نے تمہارے ادعائی بیٹوں کو حقیقی بیٹوں کا مقام نہیں دیا یعنی متبئی ابن نہیں ہوا کرتا اور جس طرح باپ پر بیٹے کی حلیہ (زوجه) حرام ہے اسی طرح بیٹے پر بھی باپ کی۔ اور دادا نانا وغیرہ کی حلیہ (زوجه) سے نکاح کرنا حرام ہے چنانچہ اس سے قبل فرمایا چکا ہے۔ وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ۔

وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ۔ یعنی دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا (حرام ہے) قرآن مجید میں جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ان کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے جو عورتیں اس تفصیل سے باہر ہیں ان سے نکاح کی حرمت نہ ہوگی پس خالہ اور بھانجی اور اسی طرح بھوپھی اور بھتیجی بیک وقت ایک شخص کے نکاح میں جمع ہو سکتی ہیں۔ ماں البتہ بھانجی یا بھتیجی سے پہلے نکاح ہو تو ان کی بھوپھی یا خالہ سے بلا اجازت زوجه نکاح کر سکتا ہے لیکن اگر پہلے خالہ یا بھوپھی سے نکاح ہو تو ان کی بھانجی یا بھتیجی سے نکاح کرنے کے لئے ان سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔ اور مذہب امامیہ کا یہی فتویٰ ہے جو اہلبیت رسالتؑ کے فرامین سے اخذ کیا ہوا ہے اگر یہ بھی حرام ہوتی تو قرآن مجید میں جہاں دو بہنوں کے بیک وقت نکاح میں جمع کرنے سے منع وارد ہوئی ہے ان سے بھی منع ہو جاتی تو چونکہ خدا نے مہرمات ابدیہ کے تفصیلی ذکر میں ان کو ذکر نہیں کیا تو اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ ان کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں صاف طور پر فرما رہا ہے اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَّاءَ ذَٰلِكُمْ یعنی ان بیان شدہ عورتوں کے علاوہ ہر قسم کی عورتیں تم پر حلال ہیں۔

۵۸

۵۹

۶۰

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ

اور (شادی شدہ عورتیں) مگر وہ جن کے مالک ہوں تمہارے ہاتھ یہ فرض اللہ کا ہے تم پر اور

أُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ

حلال کی گئیں تمہارے لئے وہ جو ان کے علاوہ ہیں کہ طلب کرو بذریعہ اپنے مال کے شادی کے لئے مزانالئے

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيهَا

پس جو متعہ کرو بذریعہ مال کے عورتوں سے تو دو ان کو ان کے اجر (حق مہر) فرضی طور پر اور نہیں گناہ تم پر اس میں

تَرْضَيْنَهُ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۴۷﴾

جو باہمی رضامندی سے طے کرو بعد میں مقرر شدہ کے تحقیق اللہ عظیم حکیم ہے

وَالْمُحْصَنَاتُ :- اس کا عطف پیچھے ہے یعنی جو عورتیں مرد پر حرام ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شادی شدہ یعنی منکوحہ عورت سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ پہلا شوہر اسے اپنی قید نکاح سے آزاد نہ کر دے اور اس کی عدت نہ گزر جائے یا پہلے کی عدت کے بعد اس کی عدت نہ گزر جائے اگر کوئی شخص منکوحہ عورت سے زنا کا مرتکب ہو جائے تو وہ عورت اپنے شوہر سے آزاد ہونے کے بعد بھی اس کے نکاح میں نہیں آسکتی اور اس پر حرام موبد ہو جاتی ہے۔ بلکہ عدت کے اندر زنا کرنے سے بھی وہ حرام ہو جاتی ہے۔

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ :- ابن عباس سے منقول ہے کہ اس جگہ استمتاع سے مراد نکاح متعہ ہے اور وہ نکاح جو مہر معلوم کے ساتھ عدت معلومہ تک کے لئے کیا جائے۔ آیت مجیدہ میں اس جگہ نکاح

متعہ کا مراد ہونا مسلمات میں سے ہے کیونکہ یہ سورہ مدینہ ہے اور اس دور میں مسلمانوں میں متعہ کا عام رواج تھا اور عائی و غامی تمام روایات اس کو مستحق طور پر تسلیم کرتی ہیں چنانچہ فخر الدین رازی نے بھی تفسیر کبیر جلد ثالث مطبوعہ مصر ۱۹۶۷ء پر تسلیم کیا ہے کہ واقعی یہ آیت نکاح متعہ کے جواز پر دلالت کرتی ہے اور اس سے ہمارا کوئی انکار نہیں البتہ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم بعد میں منسوخ ہوا ہے اور اس کے نسخ کے قائل بعض کہتے ہیں کہ دوسری آیت قرآنیہ اس کی ناسخ ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ احادیث نبویہ اس کی ناسخ ہیں۔ جو لوگ آیات قرآنیہ کو ناسخ قرار دیتے ہیں ان میں باہمی زبردست اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آیت طلاق اس کی ناسخ ہے کیونکہ بالعموم عورتوں کی علیحدگی کی صورت طلاق ہوتی ہے اور نکاح متعہ

میں طلاق نہیں پس منسوخ ہے بعض کہتے ہیں آیت میراث اس کی ناسخ ہے کیونکہ زوجہ مرد کی وارث قرار دی گئی ہے اور متعہ میں ایسا نہیں ہوتا پس منسوخ ہے اور بعض آیت عدد سے جس میں ہے کہ زیادہ سے زیادہ چار عورتوں تک نکاح کی اجازت ہے اور متعہ اس سے خارج ہے وغیرہ لیکن قائل وغور کرنے کے بعد صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات میں سے کوئی بھی نکاح متعہ کی ناسخ نہیں ہو سکتی قطع نظر اس سے کہ قائلین نسخ خود ایک دوسرے سے اتفاق نہیں رکھتے کہ کس آیت کو ناسخ قرار دیا جائے اسی طرح سنت سے نسخ کی قائل بھی متفق نہیں ہیں بلکہ بعض کہتے ہیں فتح خیبر کے سال اور بعض کہتے ہیں فتح مکہ کے وقت اور بعض حجۃ الوداع کے موقع پر نکاح متعہ کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں اور علاوہ بریں خبر واحد حکم قرآنی کی ناسخ نہیں ہو سکتی بلکہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ اخبار کو قرآن کے سامنے رکھا جائے جو کتاب اللہ کے موافق ہو وہ قابل عمل ہے ورنہ مردود تو دریں حالات کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ اس قسم کے اخبار کو ایسے حکم قرآنی کا ناسخ قرار دیا جائے جو ایک عرصہ دراز تک معمول رہا ہو۔ اور تواتر سے اس پر عمل ثابت ہو۔

پہنچا پھر علامہ محمد بن حنفیہ رازی اس مقام پر قائلین متعہ کے استدلال کو اس طرح نقل کرتے ہیں (اس میں شک نہیں کہ متعہ اسلام میں جائز تھا البتہ اس کے منسوخ ہونے میں شک ہے تو ہم کہیں گے کہ اس کا نسخ تواتر سے ثابت ہے یا خبر واحد سے اگر تواتر سے ثابت ہوتا تو حضرت علیؑ اور ابن عباسؓ جیسے بزرگوار کیسے اس سے بے خبر رہتے؟ اور اگر خبر واحد سے نسخ مانا جائے تو غلط ہے کیونکہ حکم متعہ کا ثبوت قطعی ہے اور خبر واحد ظنی ہوا کرتی ہے اور قطعی کو ظنی کے ذریعہ سے منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔

نیز جن روایات میں ہے کہ حضرت رسالتؐ نے یم خیبر متعہ کی حرمت کا حکم دیا تھا وہ اس لئے ناسخ نہیں بن سکتی۔ کہ اکثر روایات میں یہ ہے کہ حضورؐ نے حجۃ الوداع یا فتح مکہ کے وقت متعہ کی حرمت کا فرمان صادر کیا تھا۔

نیز حضرت عمرؓ کا کہنا ہے کہ دو متعے جناب رسالتؐ کے زمانہ میں جائز تھے اور میں ان کو حرام قرار دیتا ہوں ایک متعہ حج اور دوسرا متعہ نساء گویا ان کا صاف اقرار ہے کہ رسالتؐ کے زمانہ میں یہ حلال تھا اور منسوخ نہ تھا اور میں ہی اس کو منسوخ کر رہا ہوں اور عمران بن حصینؓ نے یہی دلیل پیش کی تھی جب اس پر متعہ کے متعلق اعتراض کیا گیا تھا کہ حضرت رسالتؐ نے ہمیں متعہ کا حکم دیا تھا اور ہم کرتے رہے اور آخر تک آپؐ سے منع نہ فرمایا۔ پھر ایک شخص نے اپنی مرضی سے جو چاہا کر دیا یعنی حضرت عمرؓ نے اس سے منع کیا ہے (مخفاً) علامہ رازی نے ان روایات اور اعتراض کو بلا جواب چھوڑ دیا۔ گویا دینی زبان سے دلائل جواز متعہ کو تسلیم کر لیا لیکن انہوں نے یہ کہہ دیا کہ چونکہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کے سامنے متعہ کی حرمت کا اعلان کیا اگر یہ منسوخ نہ ہو چکا ہوتا تو صحابہ پر اس سے جہاد کرنا واجب تھا اور چونکہ انہوں نے چپ اختیار کر لی لہذا حضرت عمرؓ کا کہنا درست ہے۔ اور یہ اس سے کاشف ہے کہ حضورؐ نے ضرور منع کیا ہو گا (مخفاً) تفسیر میزان میں کنز العمال سے منقول ہے کہ ایک شخص شام سے مدینہ میں وارد ہوا اور ایک عورت سے متعہ کر کے کچھ مدت مقیم رہا بعد میں حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو اس کو بلایا گیا اور پوچھا گیا کہ کیا تو نے ایسا کیا ہے؟ اس نے کہا ہاں! سوال کیا گیا کہ تو نے ایسا کیوں کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ ہم نے جناب رسالتؐ کے زمانہ میں کیا ہے اور کرتے رہے ہیں اور حضورؐ نے تادم

وفات منع نہیں فرمایا۔ پھر حضرت ابوبکر کے زمانہ میں بھی کرتے رہے ہیں اور آپ کے دور خلافت میں بھی آج تک ہوتا رہا ہے اور آپ نے منع نہیں کیا تو حضرت عمر نے قسم کھا کر فرمایا کہ اگر اس سے پہلے میں منع کر چکا ہوتا تو ضرور تجھے سنگسار کرتا۔ نیز حرمت متعہ کو جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں ادلیات عمر میں سے لکھا ہے اور اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے حرام نہ تھا ورنہ متعہ کی حرمت ادلیات عمر سے کیوں کر بن سکتی۔

صحیح مسلم اور مسند احمد سے بروایت عطاء منقول ہے کہ جابر بن عبد اللہ عمرہ کے لئے آیا تو ہم اس کے پاس جمع ہو گئے پس لوگوں نے مختلف موضوعات پر کلام کرنے کے بعد متعہ کی بحث کو چھیڑا تو جابر نے جواب دیا کہ ہم جناب رسالتاًؐ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے زمانہ میں خود کرتے رہے ہیں ایک اور روایت میں جابر سے مروی ہے کہ ہم نے رسالتاًؐ کے زمانہ اور حضرت ابوبکر کے زمانہ اور حضرت عمر کے نصف دور خلافت تک متعہ کیا ہے اور اس کے بعد حضرت عمر نے منع کیا ہے۔

محاضرات راعب سے منقول ہے کہ عبد اللہ بن عباس چونکہ متعہ کے جواز کا فتوے دیا کرتے تھے تو عبد اللہ بن زبیر نے ابن عباس پر اس بارہ میں طعن کیا تو ابن عباس نے کہا کہ اپنی ماں سے دریافت کرو چنانچہ جب اس نے اپنی ماں سے دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے تجھے متعہ سے جانتا تھا (عبد اللہ بن زبیر کی والدہ حضرت ابوبکر کی صاحبزادی تھی اور حضرت عائشہ کی بہن تھی اور اس کا حضرت زبیر (جو عشرہ مبشرہ میں سے شمار ہوتا ہے) سے متعہ تھا اور اسی سے حضرت عبد اللہ بن زبیر پیدا ہوئے نیز صحیح ترمذی میں بھی ہے ایک شخص نے ابن عمر سے متعہ کے متعلق سوال کیا تو اس نے جواز کا فتویٰ دیا تو اسلئے کہ کہا کہ تیرا باپ تو حرمت کا حکم دیتا ہے اس کے جواب میں ابن عمر نے کہا کہ جس چیز کو جناب رسالتاًؐ نے سنت قرار دیا ہو اگر میرا باپ اس سے روکے تو کیا تم سنت رسول پر عمل کرو گے یا میرے باپ کا کہا مانو گے؟

پس روایات صاف بتاتی ہیں کہ نکاح متعہ نہ کتاب سے منسوخ ہے نہ سنت سے بلکہ حضرت عمر ہی نے اس کو حرام قرار دیا تھا اور متعہ کرنے والوں کو سنگسار کرنے کی دھمکی دی تھی۔

تفسیر میزان میں مستدرک حاکم سے مروی ہے کہ ابو نعزہ کہتا ہے میں نے ابن عباس کے سامنے آیت متعہ تلاوت کی تو ابن عباس نے کہا فَمَا اسْتَنْتَعْتُمْ بِهِمْ وَنُفِقْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسْتَقَرٍّ رَادٍّ کہتا ہے ہم تو ایسا نہیں پڑھا کرتے تو ابن عباس نے کہا خدا کی قسم اسی طرح نازل ہوئی ہے غالباً مقصد یہ ہے کہ جناب رسالتاًؐ کے زمانہ میں اس آیت کو اس تفسیر کے ساتھ پڑھا کرتے تھے اور جبرئیل اس کا یہی مطلب لے کر آیا تھا بہر کیف نصف مزاج انسان کے لئے تو ان روایات کو دیکھنے کے بعد کوئی شک و شبہ کی گنجائش تک نہیں رہتی کہ متعہ جناب رسالتاًؐ کے زمانہ میں جائز اور مروج تھا اور قطعاً منسوخ نہیں ہوا تھا۔ لہذا آپ کے بعد کسی آپ کے جانشین کو حق نہیں پہنچتا کہ شریعت مقدسہ کے کسی حکم میں ترمیم یا تنسیخ کرے اور اسی بنا پر حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ عمر نے متعہ کو حرام نہ کیا ہوتا تو کوئی بد نصیب ہی زمانہ کا مرتکب ہوتا اور اس روایت کو تفسیر کبیر میں محمد بن جریر طبری کی تفسیر سے نقل کیا گیا ہے۔

متعہ کے جواز بلکہ سنت ہونے کے متعلق اہلبیت اطہار علیہم السلام سے احادیث بحدوث اور موجود ہیں اور شہید ثانی اعلیٰ الشہادۃ فرماتے ہیں کہ اگرچہ تقیہ کے پیش نظر ہماری احادیث میں بسا اوقات اختلاف رونما ہو جایا کرتا ہے لیکن متعہ کا حکم اگرچہ باقی فرق اسلامیہ میں سے شیعہ کا امتیازی فتویٰ ہے لہذا اس بارے میں احادیث میں اختلاف کا ہونا بعید نہ تھا اور بایں ہمہ ایک حدیث بھی ائمہ الطاہرین علیہم السلام سے ایسی منقول نہیں جس میں متعہ کی حرمت کا فتویٰ دیا گیا ہو۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ۔۔۔ بروایت تفسیر عیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر متعہ کی میعاد ختم ہو جائے اور زن و مرد اس کو بڑھانا چاہیں تو مرد مہر کو بڑھا دے اور عورت مدت کی زیادتی کی اجازت دے پس میں؟ بَعْدَ الْفَرْصَةِ کا مطلب یہ ہے کہ مدت ختم ہو جانے کے بعد مرد کی رضا مندی سے مہر اور مدت میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ البتہ متعہ کی حرمت کا فتویٰ دینے والے ایک عذر پیش کرتے ہیں کہ جس وقت جناب رسالتؐ نے متعہ کی اجازت دی تھی اس وقت ضرورت لاحق تھی یعنی صحابہ گھروں سے دُور ہونے کی وجہ سے مزید صبر نہیں کر سکتے تھے پس اس ضرورت کو رفع کرنے کیلئے یہ حکم عارضی طور پر دیا گیا اور بعد میں منسوخ کیا گیا اس کا جواب تغیر میزان نے یہ دیا ہے کہ اگر متعہ کو زنا سے تعبیر کیا جائے تو کیا ایسی صورتوں میں زنا کی اجازت دی جاسکتی ہے؟ اور نیز کیا جناب رسالتؐ کے دور کے بعد وہ ضرورت برطرف ہو گئی تھی جبکہ ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں کی فوجیں مشرق سے مغرب تک جایا کرتی تھیں اور کافی عرصہ کیلئے مجاہدوں کو گھروں سے غائب رہنا پڑتا تھا اور نیز حضرت عمر کی ابتدائی خلافت اور اس کے آخری عہد میں ضرورت کس طرح تبدیل ہو گئی۔

اور پھر زمانہ حاضر میں ضرورت کا جائزہ لیجئے جب کہ جذبات شہوانیہ کے مظاہرے ناموس انسانیت کو داغدار کر رہے ہیں اور دن بدن روز افزوں ترقی پر ہیں یہاں تک کہ نوجوان طبقہ میں بدکاری اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ خدا کی پناہ یہ زنا اور لواط کیوں ہمہ گیر ہو رہا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ زیادہ شادیاں کرنا بعض ملکوں میں تو قانوناً ممنوع ہیں اور جہاں ممنوع نہیں وہاں نکاح دائمی کے خواہات کے بوجھ برداشت کرنے کی طاقت کم ہے یا ایسی رکاوٹیں موجود ہوتی ہیں مثلاً تحصیل علم یا ملازمتیں وغیرہ کہ انسان شادی نہیں کر سکتا۔ پس جذبات کے مقابلہ سے عاجز ہو کر زنا کاری اور لواط کاری کو ہی باعث تسکین سمجھ لیا جاتا ہے۔

ان ضروریات کے پیش نظر اگر متعہ جائز ہوتا تو کیوں یہ بدکاری ہمہ گیر طوفان بن کر اہل عالم پر چھا جاتی؟ نیز یہ اعتراض بھی ہوتا ہے کہ عورت و مرد کی ازدواجی زندگی صرف نسل انسانی کو برقرار رکھنے کے لئے ہے نہ کہ خواہشات کا اوسیدہ جانے کے لئے اور نکاح متعہ چونکہ صرف جذبات شہوانیہ کی تسکین کے لئے ہوتا ہے لہذا یہ غرض خلقت کے منافی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی احکام شرعیہ مصلحتوں کے ماتحت ہو کرتے ہیں اور نکاح کی مصلحت حقیقہ ہے نسل انسانی کو برقرار رکھنا لیکن اس سلسلہ کو جاری کرنے کیلئے جب تک عورت و مرد میں ایک دوسرے کی طرف کشش نہ ہو یہ خواب کیونکر مشرئذہ تعبیر ہو۔ پس خداوند کریم نے عورت و مرد میں کشش پیدا کرنے کے لئے ان کو اپنی حکمت تامہ کی رُو سے قرب شہوانیہ عطا فرمائی تاکہ ان کا باہمی تجارب سلسلہ نسل انسانی کا پیش خیمہ ہو۔ پس فطری طور پر انسان بقا نسل کی طرف اقدام

کرتا ہے لیکن شہوانی کشش کے ماتحت ورنہ اگر یہ کشش نہ ہوتی تو قطعاً یہ غرض پوری نہ ہو سکتی۔ دیکھئے نکاح سنت ہے اور خداوند کریم کی طرف سے انسان پر عائد شدہ احکام واجبات و محرمات جن کو شریعت مقدسہ نے رائج فرمایا ہے کس قدر زیادہ ہیں اور انسان اور خصوصاً مسلمانوں کا طبقہ ان پر کس حد تک عمل پیرا ہے؟ اور یہ اس لئے کہ ان پر عمل کرنے سے انسان کو لذت نہیں آتی اور جن چیزوں میں نفس لذت محسوس کرتا ہے خواہ خدا ان کو حرام بھی کہے ان سے باز نہیں آتا اور نکاح باوجودیکہ سنت ہے لیکن چونکہ اس میں لذت ہے اس لئے اس کی طرف خوشی سے بلکہ لطمہ بھر کر اقدام کرتا ہے بلکہ اس راہ میں ہزار روکا دیں ہوں تب بھی ان کے دفع کرنے کیلئے سہم تن تیار ہوتا ہے بلکہ اس کی خاطر جان و مال تک کی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔ پس یقینی بات ہے کہ اگر خواہش و شہوت نہ ہوتی نسل انسانی کی برقراری کی غرض صرف عورت و مرد کی خلقت پوری نہیں ہو سکتی تھی۔

پس عورت و مرد کی ازدواجی زندگی صرف نسل انسانی کی بقا کے لئے نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ انسان حیوانیت کے بے راہ روی سے بچ سکے اور افراط و تفریط سے یکسو ہو کر تمدن انسانی کا ضامن ہو جس کے لازمی نتیجہ میں نسل انسانی کی بقا سے زمین آباد ہو اور عالم سکون و اطمینان کا گہوارہ ہو۔ پس خواہشات کا پورا کرنا غرض خلقت انسانی کے منافی نہیں۔ ہاں ان کی آوارگی اور بے راہ روی منافی فطرت بھی ہے اور مصادم غرض بھی۔

یہ مزدوری نہیں کہ ہر شادی کرنے والا جوڑا صاحب اولاد ہو۔ تو کیا ایسی صورت میں ان کا شادی کرنا ناجائز قرار دیا جائے؟ کیونکہ ان کی شادی سے نسل انسانی پر کچھ اثر نہیں پڑتا اسی طرح بانجھ عورت سے شادی کرنا اور اسی قسم کی ہزاروں شقیں لئے لائی جاسکتی ہیں۔ مہر کیف شہوت کی تکمیل حرام نہیں بلکہ تکمیل شہوت میں بے راہ روی اور آوارگی شریعت مقدسہ نے ناجائز قرار دی ہے۔ بنا بریں نکاح متعہ کو شریعت مقدسہ نے اسی آوارگی اور بے راہ روی کے سد باب کیلئے ایجاد کیا تھا جہی تو مولا نے کائنات فرمایا کرتے تھے اگر متعہ کو حرام نہ کیا گیا ہوتا تو بد نصیب ہی بدکاری کا مرتکب ہوتا۔ پس اس باب میں اتنا لکھنا کافی ہے اس کے بعد یہ سمجھنا ضروری ہے کہ متعہ انہی عورتوں سے ہو سکتا ہے جن سے نکاح دائمی ہو سکتا ہے اور متعہ کی مدت ختم ہو جانے کے بعد اس کو بڑھایا بھی جاسکتا ہے۔ مدت ختم ہو جانے کے بعد عورت کے لئے طلاق کی نصف مدت تک انتظار کرنا ضروری ہے اس کے بعد وہ کسی دوسرے سے نکاح متعہ یا نکاح دائمی کر سکتی ہے نیز متعہ کی اولاد اس مرد کی صبیح اولاد ہوگی اور وہ اپنے ماں باپ کی وارث ہوگی جس طرح دوسری اولاد وارث ہو کرتی ہے۔ نیز متعہ کے صبیح نکاح کے صبیحوں کی طرح پڑھے جاتے ہیں اور مجبوری کی صورت میں ان کے اپنی زبان میں ترجمہ سے بھی متعہ ہو سکتا ہے۔ اور متعہ میں تعداد کی کوئی پابندی نہیں حتیٰ کہ اگر چار منکوحہ عورتیں گھر میں ہوں تب بھی ایک یا زیادہ عورتوں سے متعہ کیا جاسکتا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْحَصْنَتِ الْيَوْمِ فَبِنْ قَامَلَكْتُ

اور جو طاقت نہ رکھے تم سے مال کی کہ نکاح کرے پاک دامن مومن عورتوں سے تو ان سے کہ مالک ہوں تمہارے

أَيُّهَا النَّكْرُ مِنَ قَتِيلِكُمُ الْيَوْمِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَيُّهَا نِكْرُكُمْ بَعْضُ فَاذِنْ

ہمہ کنیزیں مومنہ اور اللہ جانتا ہے تمہارا ایمان کہ تمہارا بعض بعض سے ہے پس ان سے نکاح

بِأَذْنِ أَهْلِيهِمْ وَأَتَوْهُنَّ أَجُورَهُنَّ بِالْعُرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرِ مُسَفِّحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ

کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور دو ان کو ان کے مہر ساتھ نیکی کے جو پاک دامن ہونہ ظاہر بدکار اور نہ بدلتے

أَخْذِينَ فَإِذَا أَحْصَيْنَ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْحَصْنَتِ

والی ہوں پوشیدہ یا پس جب شادی شدہ ہر جائیں تو اگر کریں بدکاری تو ان پر اُدھی ہوگی اس کی جو آزاد شادی شدہ عورتوں

مِنَ الْعَذَابِ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَأَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ

پس سزا یہ (کنیزوں سے شادی) اس کے لئے ہے جو ڈرے زنا سے تم میں سے اور اگر صبر کرو تو تمہیں اچھا ہے اور اللہ غفور

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ، یعنی اگر آزاد عورت کے حق مہر اور اخراجات کا بوجھ برداشت نہ کر سکو تو کنیزوں سے شادی کر لو کیونکہ ان

کے مہر و اخراجات میں تخفیف ہوتی ہے یعنی دوسروں کی کنیزوں سے ان کی اجازت کے ماتحت ورنہ اپنی کنیز تو بغیر نکاح کے

علا ہوا کرتی ہے اور شرط یہ ہے کہ کنیز بھی مومنہ ہو معلوم ہوا کہ کافرہ سے نہیں ہو سکتا۔

بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ۔ اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ تم سب بنی آدم ہو اور ایک ہی جنس سے ہو۔

یایہ کہ تم سب آپس میں ایمانی بھائی ہو۔ لہذا کنیزوں سے شادی کرنا عار نہ سمجھو

وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ۔ عرب جاہلی میں بعض لوگ ایسے تھے جو اعلانیہ زنا کو گناہ سمجھتے تھے اور خفیہ زنا کو وہ جائز جانتے

تھے اس لئے خداوند کریم نے ان دونوں کو الگ الگ ذکر کر کے منع فرمایا نہ وہ مسافحات ہوں یعنی اعلانیہ زنا کرنے والی اور نہ مخدّات

افغان ہوں یعنی خفیہ یار رکھنے والیں۔

نِصْفُ مَا عَلَى الْحَصْنَتِ۔ یعنی اگر آزاد و منکوحہ عورت زنا کرے تو اس کی سزا کی نصف سزا کنیز کو دی جائے گی۔ اگر زنا بابت

ہو جائے یعنی بچاس کوڑے۔

لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ۔ یعنی اگر غلبہ شہوت سے عبور ہو کر زنا میں پڑنے کا ڈر ہو تو کنیزوں سے شادی کرے ورنہ اگر صبر کر سکے تو

رَحِيمٌ ۱۵) يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذَيِّبَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ

رحیم ہے چاہتا ہے خدا کہ بیان کرے تمہارے لئے (احکام) اور بتائے رستے ان لوگوں کے جو تم سے پہلے تھے اور رجوع

عَلَيْكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۱۶) وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ

رحمت کرتا ہے پر اور اللہ جانتے والا ہے اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر رجوع رحمت کرے اور چاہتے ہیں وہ لوگ

يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَسِيلُوا مَیْلًا عَظِيمًا ۱۷) يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ

جو پیچھے پڑتے ہیں شہوتوں کے یہ کہ تم کچ روئی کرو زیادہ چاہتا ہے اللہ کہ تخفیف کرے تم سے اور پیدا ہوا ہے

الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ۱۸) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ

انسان کمزور اسے ایمان والو! نہ کھاؤ ایک دوسرے کے مال آپس میں غلط طریقہ سے مگر یہ کہ

تَكُونُوا تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۱۹)

تجارت ہو باہمی رضامندی تمہاری سے اور نہ قتل کرو آپس میں تحقیق اللہ تم پر رحم کرنے والا ہے

اور زیادہ بہتر ہے۔

یُرِيدُ اللَّهُ ۱۷) یعنی خدا چاہتا ہے کہ گزشتہ نیک لوگوں کے طریق پر چلو تاکہ جس طرح وہ انجام کار خدا کی رحمت سے حاصل ہوئے اسی طرح تم بھی انہی جیسی نعمات حاصل کرو لیکن خواہش پرست لوگ تمہیں خدا کی رحمت سے

رکوع نمبر ۲

دور کرنے پر آمادہ ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ تم خدا کی حدود شکنی کر کے مستحق عذاب ہو جاؤ۔

أَنْ يُخَفِّفَ ۱۸) یعنی آزاد عورتوں سے نکاح نہ کر مکنے کی صورت میں اس نے کنیزوں سے نکاح کر لینے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ انسان کمزور ہے اور وہ صبر نہ سکے گا یا یہ کہ تمہارے گناہوں کے بعد اس نے توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ کیونکہ وہ انسان کی کمزوریوں کو جانتا ہے۔

بِالْبَاطِلِ ۱۸) مجمع البیان میں اس سے مراد سود خوری، ہوا، دھوکہ اور ظلم ہیں اور یہی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے لَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۱۹) یعنی خدا کی نافرمانی سے اپنے نفسوں کو ہلاک نہ کرو یا بعض بعض کو قتل نہ کرو اور قتل نفس سے باز رکھنے کا حکم خدا کا رحم ہے ورنہ اگر اس کی طرف سے منع نہ ہو تو انسان بلکہ انسانیت تباہ ہو جائے گی۔

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدُوًّا وَإِنَّا وَظَلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ

اور جو ایسا کرے ازراہ سرکشی دظلم تو عنقریب اس کو جلائیں گے ہم دوزخ میں اور یہ اللہ پر

لَيْسَ بِكَ ۝۳۰ إِنَّ تَجَنَّبُوا كَبِيرَ مَا تُشْفَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلَكُمْ مُدْخَلَ

اُسان ہے اگر بچو گناہ نہ کیوے جن سے منع کئے گئے ہو تو ہم دور کر دیں گے تم سے برائیاں تمہاری اور داخل کریں گے پاکیزہ

گناہانِ کبیرہ سے بچنے کا حکم | اِنْ تَجْتَنِبُوا الْكِبَاۓِرَ۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس کے

متعلق خداوند کریم نے قرآن مجید میں جہنم کی وعید کی ہے اور اس دنیا میں اس کے لئے حد مقرر فرمائی ہے اور ابن عباس سے منقول ہے کہ ہر وہ چیز جس سے خدا نے منع فرمایا ہے اس کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے صاحب مجمع البیان فرماتے ہیں ہمارے علماء کا مسلک یہی ہے کہ گناہ سب کبیرہ ہیں لیکن چونکہ بعض بعض سے اکبر ہیں اس لئے ان کو صغیرہ و کبیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے نیز آیت کا ترجمہ کیا گیا ہے کہ اگر تم گناہان کبیرہ سے باز رہو گے جو نکاح میراث اور یتیموں کے اموال اور سود و خواروں وغیرہ کے متعلق اسی سورہ میں بیان کئے جا چکے ہیں تو اس سے پہلے کی اس قسم کی تمہاری برائیاں معاف کر دی جائیں گی اسی بناء پر ابن مسعود سے منقول ہے کہ اس سورہ میں اول سے لیکر آیت ۳۲ تک جن چیزوں سے خدا نے فرمایا ہے ان کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور علامہ طبرسی نے اسی کو پسند فرمایا ہے لیکن میرے خیال میں اس کو مخصوص کرنے کی ضرورت نہیں جبکہ آیت کے عمومی الفاظ بھی اس سے انکاری ہیں پس مقصد یہ لیا جاتا کہ اگر انسان گناہان کبیرہ سے روک جائے تو اس کے گناہان صغیرہ معاف کر دیئے جائیں گے تو بہتر ہوگا اور روایات ائمہ بھی اس کی موید ہیں۔ ہاں علامہ طبرسی کے نزدیک چونکہ گناہ سب کبائر ہیں اس لئے انہوں نے شاید اس معنی کو اختیار نہ فرمایا ہو لیکن وہ بھی اپنے مقام پر گناہوں میں فرق تو کرتے ہیں اور معنی ان کے مختار کے مطابق اسی منہج پر ہو سکتا ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے گناہان کبیرہ کی فہرست یہ نقل کی گئی ہے کہ عمرو بن عبید بصری نے آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی اور چپ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا خاموش کیوں ہوا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ حضور گناہان کبار میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ پس آپ نے فرمایا ① سب کبار سے اکبر گناہ ہے شرک کرنا چنانچہ اس کے متعلق فرماتا ہے وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ خَذَمَ اللّٰهَ عَلَيْهِ الْجَنَّةُ وَمَا ذُلُّ النَّارِ جَوْشَرًا ۚ وَهُوَ شَرُّ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ② اللہ کی رحمت سے ناامیدی چنانچہ فرماتا ہے لَا يَأْتِيَنَّكَ مِنَ الْإِسْلَامِ تَمَنٍّ وَلَا بَغْيٌ وَلِلّٰهِ الْفَتْحُ وَالْكَافِرُونَ ③ اللہ کی گرفت سے بے خوف فرماتا ہے لَا يَأْمُرُ مَلَكَ اللّٰهِ إِلَّا أَنْ يَقُولَ الْخَاسِرُونَ ④ والدین کی نافرمانی ⑤ نفسِ عمرہ کا قتل ⑥ پاک و امن شادی شدہ عورتوں کو زنا کی تہمت دینا ⑦ یتیم کا مال کھانا ⑧ جہاد سے بھاگنا ⑨ سود کھانا ⑩ عباد و کرنا ⑪ زنا ⑫ بھوٹی قسم کھانا ⑬ دھوکا ⑭ زکوٰۃ ادا نہ کرنا ⑮ بھوٹی گواہی دینا ⑯ شہادت حق پر پردہ ڈالنا ⑰ شراب پینا ⑱ نماز ادا نہ کرنا ⑲ کوئی دوسرا فرض نہ ادا کرنا ⑳ عہد شکنی ㉑ قطع رحمی اور آپ نے ان

تمام گناہوں کے اثبات میں آیات قرآنیہ تلاوت فرمائی جن کو ہم نے اختصار کے پیش نظر چھوڑ دیا ہے پس جب عمرو بن عبیدہ نے سنا تو جی نہیں مارتا ہوا باہر نکلا اور یہ کہہ رہا تھا کہ جو شخص اپنی رائے سے کچھ کہے یا آپ سے فضل میں برابر ہو گا دعویٰ کرے تو وہ ہلاک و برباد ہے۔ تفسیر برہان میں فقیہ سے منقول ہے کہ امام رضا علیہ السلام سے حاکم جائز کی ملازمت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے سلیمان راوی - حدیث سے فرمایا (۳۴) اے سلیمان ان کے اعمال میں داخل ہونا۔ ان کی امداد کرنا اور ان کے حوائج میں جہد و کد کرنا کفر برابر ہے۔ (۳۵) اور ان کی طرف عداوت نگاہ اٹھا کر دیکھنا گناہ کبیرہ ہے جس سے انسان دوزخ کا سزاوار ہو جاتا ہے (ممكن ہے اس کے مصادیق اس زمانہ کے سلاطین بنی عباس ہوں جو ائمہ اہلبیت اور جملہ سادات بنی فاطمہ کے قتل و آزار کیلئے ہر وقت آمادہ تھے پس چونکہ ان کے کاروبار میں شریک ہونا اور ان کی امداد کرنا قتل ائمہ اور انیاء سادات میں شرکت کا موجب تھا اس لئے معصوم نے اسے کفر سے تعبیر فرمایا واللہ اعلم ایک روایت میں حضرت امیر المؤمنین سے منقول ہے (۳۶) مطلق نشہ اور سستی گناہ کبیرہ ہے (۳۷) اور اسی طرح وصیت میں باقی دربار پر زیادتی کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔

تفسیر برہان میں بروایت فقیہ اور تہذیب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ تمام گناہان کبیرہ میں سے اگر کبھی سات ہیں (۱) شرک (۲) قتل نفس (۳) مالی یتیم کا کھانا (۴) والدین کی نافرمانی (۵) پاکدامن عورت پر تہمت (۶) جنگ سے فرار (۷) اللہ کی نازل کردہ چیز کا انکار (۸) شرک کے متعلق تو تم لوگ سن چکے ہو کہ کیا کچھ خدا و رسول نے ہمارے حق میں فرمایا لیکن لوگوں نے اس بارے میں خدا و رسول کو جھٹلایا پس وہ شرک کے مرتکب ہوئے) (۹) قتل نفس کے بارے میں امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کا قہقہہ اظہر من الشمس ہے (۱۰) یتیم کا مال سوہم یتیم میں اور ہمارا مال فتنہ ہم کیا گیا (۱۱) والدین کی نافرمانی تو رسول بفرمان خدا امت کا باپ تھا تو اس کی ذریت کے حق میں اس کی نافرمانی کی گئی (۱۲) پاکدامن پر تہمت۔ سوانہوں نے جناب فاطمہؑ کے متعلق منبروں پر بہت کچھ کہا (۱۳) جہاد سے فرار۔ تو حضرت امیر علیہ السلام کی بیعت کر کے فرار کر گئے (۱۴) خدا کی نازل کردہ اشیاء کا انکار تو ہمارا حق ہے جس کا انکار کیا گیا اور یہ وہ گناہ ہیں جن سے کسی کو معاف نہ کیا جائے گا اور پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی مقصد یہ ہے کہ جو شخص ان گناہوں سے بچ جائے اس کے باقی گناہ عفو کے قابل ہوا کرتے ہیں لیکن ان کا یہ مطلب ہرگز نہ سمجھنا چاہیے کہ صرف اہلبیت عصمت کی ولایت و محبت کافی ہے اور باقی اعمال کی ضرورت نہیں درنہ ایسے لوگوں سے ائمہ طاہرین بری الذمہ ہیں۔

چنانچہ ہم نے تفسیر کی جلد اول میں بھی اس کی کافی وضاحت کی ہے۔ پہلی روایت میں جن گناہان کبیرہ کا ذکر تھا وہ تھی آیت مجیدہ کی ظاہری تفسیر اور آخری حدیث میں گناہان کبیرہ کے جن افراد اور ان کے ارتکاب کرنے والوں کا تذکرہ ہے اس سے مراد ہے آیت مجیدہ کی باطنی تاویل اور قرآن کے ظاہر پر جس طرح عمل کرنا واجب ہے اسی طرح قرآن کے باطن پر بھی ایمان رکھنا واجب ہے اور نیز معصوم کی اس باطنی تاویل کو صرف انہی افراد تک محدود بھی نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ تاویل کا سلسلہ تاقیامت جاری ہے اور قیامت تک کے لئے جو لوگ اس قسم کے کام کریں گے وہ بھی اسی ایہ مجیدہ کے ماتحت گناہ کبیرہ کے مرتکب ہو کر سزاوار جہنم ہوں گے۔ پس دورِ اقول کے بعض لوگوں پر آیت کو چسپاں کر کے اپنے اعمال و کردار کو فراموش کرنا شیطانی دھوکا ہے۔

كَرِيْمًا ۝ وَلَا تَتَّبِعُوا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهِۦ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا

جگہ میں اور نہ خواہش کرو اس کی کہ زیادتی دی ہے اللہ نے اس شے کی بعض کو بعض پر مردوں کے لئے ہے حصہ اس

اَلْكُتُبِ ۝ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اَكْتَسَبْنَ ۚ وَسُئِلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ

سے جو کتابیں اور عورتوں کے لئے ہے حصہ اس سے جو کتابیں اور مانگو اللہ سے اس کی زیادتی تحقیق اللہ ہے ہر شے

وَلَا تَتَّبِعُوا ۝ یعنی دوسرے کے پاس مال نعمت اور خوبصورت عورت دیکھ کر یہ نہ کہنا چاہئے کہ کاش یہ میری ہوتی کیونکہ یہ حد ہے۔ ہاں یہ کہنا چاہئے کہ میرے اللہ مجھے بھی اس جیسی عطا فرما۔ مجمع البیان۔ عن الصادق علیہ السلام

لِّلرِّجَالِ۔ کہتے ہیں اُم سلمہ نے عرض کی تھی یا رسول اللہ مردوں کے لئے جہاد ہے جو عورتوں پر نہیں اور میراث میں بھی عورت کا حصہ ادا ہے کاش ہم مرد ہوتے تاکہ مردوں کی طرح فضیلت ہمیں ملتی تو یہ آیت اتری کہ اعمال صالحہ میں سے جو مرد کمانے گا وہ مرد کو ملے گا اور جو عورت کمانے گی اس کا بدلہ عورت کو ملے گا۔ اللہ کے نزدیک جزا و سزا کے لحاظ سے عورت و مرد برابر ہیں۔ گویا عورت و مرد کے درمیان احکام میں جو فرق کئے گئے ہیں وہ ظاہری دنیاوی نظام کے قائم کرنے کے لئے مبنی بر مصلحت ہیں۔ ورنہ بعد از مرگ جزا و سزا دونوں کی یکساں ہے۔

وَأَسْأَلُوا اللّٰهَ۔ احادیث میں مردی ہے کہ خداوند کریم نے ہر شخص کے لئے رزق کا ایک معیار مقرر فرمایا ہے پس جو شخص اپنے رزق میں حرام کی ملاٹ کرے اسی قدر اس کے رزق حلال سے اس کو کم کر دیا جاتا ہے اگر وہ شخص حرام نہ ملاتا تو اسے اپنا پورا حلال ملتا۔ تفسیر برہان میں بروایت ابن شہر آشوب حضرت باقر و حضرت صادق علیہما السلام سے مردی ہے کہ یہ آیت حضرت علی کے حق میں اتری ہے۔

مَوَالِیٰ۔ مولیٰ کی جمع ہے اور اس جگہ اس سے مراد قریبی اور وارث ہے چنانچہ حضرت صادق علیہ السلام سے بھی یہی منقول ہے وَالَّذِينَ عَقَدَتْ ۙ اکثر مفسرین یہ کہتے ہیں کہ یہ جملہ علیحدہ ہے اور پھر اس کے معنی کے متعلق اقوال چند ہیں آیام جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ دو شخص آپس میں ہم قسم ہو کر یہ باہمی عہد کرتے تھے۔ تیرا خون میرا خون۔ تیری جنگ میری جنگ۔ تیری صلح میری صلح اور تو میرا وارث اور میں تیرا وارث ہوں گا اور تو میری اور میں تیری دیت ادا کروں گا۔ پس اس صیغہ کے جاری ہونے کے بعد جب ان میں سے ایک پہلے مرتا تھا تو دوسرا اس کا حلیف اس کی جائداد میں سے ہر حصہ کا وارث قرار دیا جاتا تھا پس یہ آیت اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ ان کو اپنا مقررہ حصہ دے دو لیکن اس کے بعد آیت لَوْلَا الَّذِیْ خَافَ کے ذریعہ سے یہ حکم منسوخ ہو گیا (۲) وہ لوگ مراد ہیں کہ مدینہ میں آنے کے بعد جناب رسالتؐ نے ان کے درمیان صیغہ موافقات جاری فرمایا تھا پس وہ ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے تھے اور بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ (۳) لوگ جاہلیت کے زمانہ میں متبنی بناتے تھے جیسے کہ زید جناب رسالتؐ کا متبنی تھا پس ان کے متعلق حکم تھا کہ بوقت ان کیلئے کچھ نہ کچھ وصیت کر جایا کر و اور یہ آیت اسی حکم پر عمل کرنے کا امر دہرا رہی ہے کہ انہیں اپنا حق دے دو (مجمع البیان)

شَيْءٌ عَلَيْهِمْ ۝ وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَلِلَّذِينَ عَقَدْتَ

کو جاننے والا اور ہر ایک کے لئے بنائے ہم نے وارث اس کے جو چھوڑ جائیں ماں باپ اور صاحبانِ قرابت اور وہ لوگ جو

أَيُّكُمْ فَأَتَوْهُمْ نَصِيحُهُمْ إِنْ اللَّهُ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۝ ۳۲ ۚ الرِّجَالُ قَوَّامُونَ

تھارے ہم قسم ہو چکے ہیں پس دو ان کو حصہ تحقیق اللہ ہر شے پر حاضر ناظر ہے مرد بلا دست ہیں عورتوں

عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِأَمْوَالِهِمْ ۚ فَالصَّلَاتُ

پر بوجہ اس کے کہ فضیلت دی اللہ نے بعض کو بعض پر اور بوجہ خرچ کرنے ان کے اپنے مالوں میں سے پس نیک

یہ آیت مجیدہ بھی جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے دعویٰ مذکور کی تصدیق کر رہی ہے کیونکہ آیت مجیدہ کے الفاظ عمومی ہونگے وہی کہہ رہے ہیں کہ ہر شخص کے لئے وارث و اقربین ہوا کرتے ہیں جو اس کے متروکہ کے مالک ہوا کرتے ہیں خواہ وہ نبی ہوں یا غیر نبی۔

پس حدیث مفروضہ کہ نبیوں کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ محض جھوٹ اور بے حقیقت بیہانہ تھا

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ :- خداوند کریم نے مردوں کو عورتوں پر بلا دستی علانیہ فرمایا ہے اور اس آیت مجیدہ میں اس کی

رکوع نمبر ۳

دو وجہیں بیان فرمائی ہیں ایک تو یہ کہ مرد کو عورت پر خدا نے فضیلت دی ہے اور وہ علم و عقل اور عزم و تدبیر

کہ عورتوں میں یہ صفات بنسبت مرد کے یقیناً بہت کم ہوتی ہے اور خانگی نظام میں جب تک مرد کو بلا دستی حاصل نہ ہو کبھی تدبیر

منزل میں کامیابی نہیں ہو سکتی اور دوسری وجہ مرد کی بلا دستی کی جو خدا نے بیان کی ہے وہ ہے مرد کا خرچ کرنا یعنی عورت کے حق مہر کی

اداگی اور اس کے بعد اس کے جملہ اخراجات بذمہ مرد کے ہوا کرتے ہیں لہذا بلا دستی کا حق بھی اسی کو حاصل ہونا چاہیے اس کی مزید

وضاحت تیسری جلد میں ہو چکی ہے۔ ص ۶۳ تا ص ۶۶ و ص ۹۵ تا ص ۱۰۵

حَفِظْتُ ۚ - یعنی مرد کی غیر حاضری کے زمانہ میں بھی وہ اپنی ناموس اور مرد کے اموال کی محافظ رہتی ہے جس طرح

خداوند کریم نے ان کے حقوق کو محفوظ فرمایا ہے کہ ان کے جملہ اخراجات کا بوجھ مردوں کے کندھوں پر رکھ دیا ہے۔

وَاللَّيْثُ تَخَافُونَ ۚ - یعنی جن عورتوں سے نافرمانی کے آثار نمودار ہونے لگیں اور تمہیں خطرہ محسوس ہو کہ یہ اور اگے بڑھ کر

فساد کا پیش خیمہ بنیں گی تو ابھی سے ان کو نصیحت کرو اگر زبانی نصیحت کارگر نہ ہو تو سونے میں ان کے ساتھ یکسوئی کرو کیونکہ اگر عورت کی مرد کے

ساتھ محبت ہوگی تو قطعاً اس مفارقت پر صبر نہ کر سکے گی اور اگر محبت کم ہوگی تو وہ پڑاؤ تک نہ کر سکے گی اور جب عورت اس نسبت سے اگے بڑھ جائے

تو پھر اس کو سزا ہے یعنی کم سزا سے رفتہ رفتہ زیادہ کی طرف قدم بڑھائے اور مارتے وقت اتنا بھی نہ مارے کہ اس کو زخمی کر دے۔

فَاتَّبِعُوا حُكْمًا :- جمع البیان میں اس امر کا مخاطب سلطان وقت ہے جس کی طرف عورت و مرد نے اپنا مقدمہ پہنچا یا ہو چنانچہ صائدین

علیہا السلام سے ایسا ہی مردی ہے۔

قَتَلَتْ حِفْظًا لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ وَلَئِنْ تَخَاَفُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ

عورتیں اطاعت گزار (جان مال کی) پاسدار ہیں پیٹھ پیچھے بوجہ پاسداری اللہ کے اور جو عورتیں ڈرتے ہو تم ان کی ناف رانی سے تو ان کو

وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْبُصَاحِ وَاصْرَبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا

نفسیت کرو اور ان سے یکسوئی کرو سونے میں اور ان کو مارو پس اگر اطاعت کر لیں تو نہ طلب کرو ان پر کوئی زانو الزام

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا كَبِيرًا ۝۳۷ وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ

تحقیق اللہ بلند بزرگ ہے اور اگر ڈرو ان کے باہمی اختلاف سے تو بھیجو ایک مرد مرد کے خاندان سے

وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ۝۳۸

اور ایک عورت کے خاندان سے اگر چاہیں گے وہ دونو اصلاح تو میل دے گا خدا ان دونوں کو تحقیق اللہ دانا بینا ہے

تفسیر یہ ان میں کافی سے مروتی ہے کہ سائل نے دریافت کیا کہ دونو حکم اگر عورت و مرد سے صاف اجازت لے لیں کہ کیا تم دونوں نے اپنا معاملہ ہمارے سپرد کر دیا ہے اگر ہم چاہیں تو تمہیں ملا دیں اور اگر چاہیں تو تمہیں الگ کر دیں؟ پس عورت و مرد اجازت دے دیں اور اس پر گواہی قائم ہو جائیں تو کیا اب یہ دونوں حکم عورت و مرد کے درمیان طلاق واقع کر کے ان کو جدا بھی کر سکتے ہیں؟ اپنے فرمایا ہاں لیکن شرط یہ ہے کہ عورت حیض میں نہ ہو اور اس میں عورت و مرد نے ہمسری نہ کی ہو پھر سائل نے پوچھا اگر ایک حکم ان میں بدلتی کرنا چاہے اور دوسرا ان کو ملنا چاہے تو یہ جواب نے فرمایا بدلتی نہ ہوگی جب تک دونوں کا اتفاق بدلتی پر نہ ہو۔

پس روایات معصومین علیہم السلام میں بکثرت وارد ہے کہ دونوں فیصل مرد و عورت کی تفریق کا حکم نہیں دے سکتے جب تک کہ عورت و مرد سے اجازت نہ حاصل کر لیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ دونو حکم خود مختار ہیں خواہ ان میں تفریق کا فیصلہ کریں خواہ ان کو ملا دیں لیکن یہ مذہب امامیہ کے فیصلہ کے خلاف ہے جیسا کہ بعض روایات کا مضمون گزر چکا ہے۔

محمد بن مسلم نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا جب تک عورت و مرد سے اجازت نہ لیں حکمین کے لئے ان کی تفریق جائز نہیں۔ نیز زید شحام نے بھی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے جس کے الفاظ مثل حدیث سابق کے ہیں اور اس قسم کی بہت سی احادیث خانوادہ عصمت سے صادر ہوئی ہیں اور اجازت حاصل کرنے کے بعد وہ حکم وکیل طلاق ہو جائیں گے لہذا ان کی تفریق جائز ہوگی اور آیت مجیدہ قرآنیہ میں صرف یہ ہے کہ وہ دونوں اصلاح کی کوشش کریں اور اگر دونوں کی نیت درست ہوگی تو ممکن ہے کہ خدا توفیق صلح دے دے۔ اب آیا مرد و عورت کے درمیان صلح نہ ہو سکے تو دونوں خود بخود ان میں طلاق کا حکم بھی نافذ کر دیں تو آیت قرآن اس سے خاموش ہے پس اس سلسلہ میں بجائے قیاس کرنے کے ناطق قرآن کے فیصلہ کو دیکھنا چاہیے اور وہی قرآنی نکات کو تمام امت سے بہتر سمجھنے والے ہیں اور ان کے فرمانین ذکر ہو چکے ہیں

مردوں کی حکومت پر ایک منظر

آیت مجیدہ السَّجَّالُ قَوَّامُونَ۔ علی الاطلاق عورتوں پر مردوں کی بالادستی

کا اعلان کر رہی ہے تدبیر منزل میں بھی اور سیاست مدینہ میں بھی عورت

مرد کی جدا جدا وضع ساخت بھی اسی کی متقاضی ہے۔ ہاں ان خودی سزا دہا میں عورت و مرد مساوی ہیں اور اللہ کے نزدیک اگر وہ ہے جو متقی ہو خواہ مرد ہو یا عورت چنانچہ تفسیر میزان میں تفسیر درمنثور سے مروی ہے کہ ایک روز جناب رسالت مآب جمع اصحاب میں رونق افروز تھے کہ اسما بنت یزید انصاریہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کی حضور میرے ماں باپ آپ پر نذاہوں۔ میں صنفِ نساء کی طرف سے بصورت و خدمت بابرکت میں حاضر ہوئی ہوں اور میں جو کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں مشرق سے لے کر مغرب تک کی تمام عورتیں میری آواز سے متفق ہیں۔

آپ کو خداوند حکیم نے مردوں اور عورتوں کی طرف رسولی بالحق بنا کر بھیجا ہے۔ پس آپ کی رسالت اور آپ کے بھیجنے والے خدا کی الوہیت پر ہمارا ایمان ہے ہم عورتیں گھروں میں پابند۔ مردوں کی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ اور تمہاری اولاد کی حامل ہیں اور تم مردوں کو جمع جماعت بیمار پرسی جنازہ خوانی اور حج وغیرہ کے لئے خدا نے ہم پر فضیلت دی اور جہاد ایک افضل عمل ہے وہ بھی مردوں کے حصہ میں ہے لیکن جب مرد حج عمرہ اور جہاد وغیرہ کے لئے گھر سے باہر جائے تو ہم ان کے لباس کی اصلاح اور مال کی تربیت میں مصروف رہتی ہیں تو کیا اجر میں ہم مردوں کے ساتھ شریک نہیں۔

حضور یہ سنتے ہی صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا امور دنیویہ کے متعلق تم نے کبھی کسی عورت کو اس سے بہتر سوال کرتے سنا ہے انہوں نے عرض کی نہیں حضور! ہمیں تو خیال ہی نہیں پڑتا تھا کہ کبھی کوئی عورت اس سنجیدگی سے ایسی بات کرے پس آپ اس عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اسے عورت تو واپس جا اور باقی عورتوں کو بھی میرا پیغام پہنچا دے کہ تم میں سے کسی عورت کا مرد کے ساتھ حسن سلوک اور اس کی امور خانہ داری میں فرمانبرداری اور رضا جوئی مردوں کے ان تمام امور خیر کے برابر ثواب رکھتی ہے پس وہ عورت یہ سنتے ہی خوشی سے نعرۂ تکبیر پڑھتی اور ہنستی ہوئی واپس چلی گئی۔

بے شک اسلامی عورت ہمیشہ سے اس طریق اور دیدن پر کاربند رہی ہے اور امور خانہ داری کی اصلاح اور مرد کی اطاعت کو ہی بہترین جہاد سمجھتی ہے اور کبھی عورت کو مردوں کے دوش بدوش گھر سے باہر نکل کھڑے ہونے کا خیال تک نہیں آیا اور اپنی عفت و حیا کو روزِ ناز عورت اپنے لئے منافی شرافت سمجھتی رہی ہے لیکن جب سے مغرب کی جانب سے نام نہاد نسوانی آزادی کی مسموم ہوا چلی ہے اس نے اپنی ہمہ گیر تباہ کن لہروں سے اسلامی عورت کو بھی متاثر کر دیا ہے جس کی بدولت حسن اخلاق و عفت اور شرم و حیا کا جنازہ نکل گیا اور مردوں نے عورتوں کی لاجبانی کو اپنی شہوت رانی اور نفس پرستی کا آلہ کار بناتے ہوئے اس تحریک کو اور اچھالا اور ان دونوں کی آزادانہ میل جول کی حیا سوز روش نے انسانیت کے پاک و صاف چہرہ کو ایسا داغدار کیا۔ کہ روح حیوانی بھی اپنے مقام پر دم بخود نظر آتی ہے خداوند کریم مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات کی توفیق دے تاکہ ان کے ماتحت اپنے کردار کی اصلاح کر سکیں۔

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ

اور عبادت کرو اللہ کی اور نہ شریک کرو اس کا کسی شے کو اور ماں باپ سے احسان کرو اور قربت دار سے اور یتیموں

وَالْبُسُلَىٰ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا

اور مسکینوں اور ہمسایہ قربت دار اور ہمسایہ اجنبی اور پہلو کے ساتھی اور مسافر اور اپنے غلاموں کنیزوں کے

مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَلًا فِخْوَلًا ۝۳۶ ۝ الَّذِينَ يَخْلَوْنَ

ساتھ تحقیق اللہ نہیں دوست رکھتا ہے اترانے والے فخر کرنے والے کو جو بخل کرتے ہیں

وَالَّذِينَ إِحْسَانًا ۝ اس آیت مجیدہ کے ذیل میں تفسیر برہان میں متعدد
نبی و علی امت کے باپ ہیں احادیث خانوادہ عصمت سے مروی ہیں کہ جناب رسالتا کی اور حضرت علی

تمام امت کے باپ ہیں اور جناب رسالتا کی سے بھی مروی ہے کہ اَنَا وَ عَلِيٌّ أَبْنَا هَذِهِ الْأُمَّةِ۔ اور کتاب مناقب محمد بن جریر سے مروی ہے کہ جناب رسالتا کی نے حضرت علی سے فرمایا کہ منادی کرو جو شخص اپنے اہل بیت کے متعلق ظلم کرنے لگا اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جو اپنے مولیٰ کے علاوہ کسی اور کی ولا رکھے گا۔ اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جو اپنے ماں باپ پر سب کرے گا اس پر اللہ کی لعنت ہے پس حضرت امیر نے منادی کی تو صحابہ کی ایک جماعت جن میں حضرت عمر بھی تھے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور منادی کے ان کلمات کی تفسیر دریافت کی۔ آپ نے آیت مودت پڑھ کر فرمایا جو اس بارہ میں ہم پر ظلم کریگا وہ اللہ کی لعنت کا حقدار ہے پھر آیت اُولَیِّیَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ الخ۔ آیت پڑھ کر حدیث غدیر میں کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیْ مَوْلَاہُ پڑھی اور فرمایا جو اس کی اور اس کی ذریت کی ولا چھوڑ کر کسی اور کو مولا بنائے گا اس پر لعنت ہے اس کے بعد فرمایا اَنَا وَ عَلِيٌّ أَبْنَا الْمُؤْمِنِیْنَ یعنی میں اور علی مومنوں کے باپ ہیں جو ہم میں سے ایک کو سب کرے گا اس پر اللہ کی لعنت ہے جب باہر نکلے تو حضرت عمر نے باقی صحابہ سے فرمایا کہ غدیر خم یا دوسرے مقامات کی بہ نسبت ولا علی کے متعلق حضور کا آج کا تاکید فرمان بہت شدید ہے۔ حسان بن ثابت کہتے ہیں کہ یہ واقعہ جناب رسالتا کی وفات سے سترہ روز پہلے کا ہے۔

وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ۔ تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالتا کی سے مروی ہے کہ ہمسائے تین قسم کے ہوتے ہیں ① وہ جن کے حقوق تین ہوتے ہیں ہمسائیگی کا حق۔ قربت کا حق اور اسلام کا حق ② وہ جن کے حقوق دو ہوتے ہیں ہمسائیگی اور اسلام کا حق ③ جن کا حق صرف ایک ہوتا ہے اور وہ ہے حق ہمسائیگی اور ان سب سے احسان کرنے کا حکم ہے بعض روایات میں اپنے گرد کے چالیس گھروں تک اور بعض روایات میں اپنے گھر سے ہر طرف چالیس ذراع تک ہمسائیگی کا حق ہوتا ہے۔

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ۔ پہلو کا ساتھی خواہ رفیق سفر ہو خواہ زوج ہو خواہ کوئی دوسرا اجنبی غلام ہو اور خواہ مہمان نووارد ہو آیت کے عموم کے لحاظ سے اس میں سب داخل ہیں اور ان سے حسن سلوک کرنے کا حکم ہے۔

الَّذِينَ يَخْلَوْنَ۔ یہ آیت عام ہے اور اس کا ربط پچھلی آیت کے ساتھ ہے اگر عالم علم کا بخل کرے یا کوئی صاحب

وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ

اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو بخل کا اور چھپاتے ہیں اس کو جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور ہم نے تیار کیا ہے

عَذَابًا مُهِينًا ۝ وَالَّذِينَ يَنْفَقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا

کافروں کے لئے عذاب ذلیل کن اور ان کے لئے جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال دکھلا دے لوگوں کے لئے اور نہیں ایمان رکھتے اللہ اور

بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا ۝ وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا

یوم قیامت پر اور جس کا ہو شیطان ساتھی تو وہ بُرا ساتھی ہے۔ اور کیا نقصان تھا ان کو اگر ایمان لاتے

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ۝ إِنَّ

اللہ اور یوم قیامت پر اور خرچ کرتے اس سے جو رزق دیا ان کو اللہ نے اور اللہ ان کو خوب جانتا ہے تحقیق

اللَّهُ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكَ حَسَنَةً يَّضْعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا

اللہ نہیں ظلم کرتا ذرہ برابر اور اگر ہو نیکی تو اس کو چند در چند کرتا ہے اور اپنی جانب سے اجر عظیم عطا

عَظِيمًا ۝ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَاكَ عَلَى هَؤُلَاءِ

فرمان ہے پس کیا حال ہوگا جب لائیں گے ہم ہر امت سے گواہ اور آپ کو لائیں گے اور ان کے

نعت اس عطا شدہ نعت کا بخل کرے تو اس آیت کا مصداق ہوگا یعنی ایسوں کو خدا دوست نہیں رکھتا۔

وَيَكْتُمُونَ۔ یہ بھی عام ہے یعنی خدا کو نہیں پسند کہ وہ جسے اپنی نعمت عطا کرے وہ اسے پوشیدہ کرے خواہ علم ہو یا دولت یا کوئی

اور نعمت چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ جب خدا اپنے بندے پر کوئی نعمت بھیجتا ہے تو وہ اپنے بندے پر اس کا اثر دیکھنا چاہتا ہے۔

مَا ذَا عَلَيْهِمْ۔ اس سے عقیدہ جبر کا بطلان ظاہر ہے کہ خدا فرماتا ہے انہیں کیا نقصان ہے اگر ایمان لائیں تو معلوم ہوا کہ

انسان ایمان لانے اور نہ لانے میں مختار ہے جیسا تو ایمان نہ لانے والوں کی مذمت فرما رہا ہے۔

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ۔ مثقال نقل سے ہے اور اس کا معنی ہے مقدار اور ذرہ سرخ رنگ کی چھوٹی جیونٹی کو کہتے ہیں جو بیشکل نظر آتی ہے

یاد یہ کہ مکان میں سورج کی شعاع پڑتے وقت جو اس میں چھوٹے چھوٹے اجزاء دکھائی دیتے ہیں ان کو ذرہ کہتے ہیں یعنی خدا اس قدر بھی اپنے

بندوں پر ظلم روا نہیں رکھتا۔

فَكَيْفَ إِذَا۔ یعنی ہر نبی اپنی امت پر گواہ ہوگا اور حضرت رسالت اکرم اپنی امت پر گواہ ہوں گے۔ بلکہ اس وقت ہر انسان

کے اپنے اعضاء و جوارح بھی گواہ ہوں گے اور مطابق روایات کے زمان و مکان بھی گواہ ہوں گے اور ابن مسعود سے روایت ہے کہ

شَهِيدًا ۴۱) يَوْمَئِذٍ يَوْمَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصُوا الرَّسُولَ كُتِبُوا بِهَمِّ الْأَرْضِ وَلَا

گواہ اس دن خواہش کریں گے وہ جہنم نے کفر کیا اور نافرمانی کی رسول کی کاش ان کو برابر کیا جاتا زمین سے اور نہ

يَكْتُمُونَ اللَّهُ حَدِيثًا ۴۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ

چھپائیں گے اللہ سے کوئی بات اسے ایمان والو نہ نزدیک جاؤ نماز کے بحالت بے ہوشی یہاں تک

جب آپ کے سامنے یہ آیت میں نے پڑھی تو آپ کے افسوس بھریں پس جب شاہد کی یہ حالت ہے کہ اس مقام کی ہولناکی کو یاد کر کے روتے ہیں تو جن کے خلاف گواہی ہوگی۔ ان کا کیا حال ہوگا؟ (مجمع البیان)

تفسیر برہان میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیت بالخصوص امت محمدیہ کے حق میں ہے اور ہر زمانہ میں ہم میں سے ایک امام ہوگا جو اپنے زمانہ والوں پر شاہد ہوگا اور جناب رسالت اکرم پر شاہد ہوں گے اور حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اوصیاء صراط پر موجود ہوں گے اور جنت میں ان کا عارف ہی داخل ہوگا اور فرمایا خدا نے انہی کے متعلق فرمایا: يَوْمَئِذٍ يَكُونُ كَلَامُ سَيِّدَانَا یعنی وہ گواہ اپنے دوستوں کو پہچانتے ہوں گے۔ الحدیث۔

اور بروایت عیاشی امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہر نبی کی امت پر اس نبی کا وحی گواہ ہوگا اور اس امت پر حضرت علی گواہ ہوں گے یَوْمَئِذٍ يَوْمَئِذٍ الخ۔ تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے کہ جن لوگوں نے حضرت امیر علیہ السلام کو ناراض کیا وہ تنہا کریں گے۔ کاش جس دن ہم نے علی کو ناراض کیا تھا اس دن ہمیں زمین تلگ گئی ہوتی اور فرمان رسول کو نہ چھپایا ہوتا۔

تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ خواہش کریں گے کہ کاش تمام اہل محشر ہمیں اپنے قدموں سے روندیں جس طرح زمین کو روند جاتا ہے اور اس کا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہول محشر میں اپنی کرتوتوں کا عذاب سامنے دیکھ کر وہ تنہا کریں گے کہ ہمیں زمین کے برابر اور زمین جیسا کر دیا جاتا اور نیز مروی ہے کہ چوپاؤں کو قیامت کے دن مشورہ کر کے پھر انہیں موت دیکر مٹی کر دیا جائے گا تو یہ لوگ بھی کہیں گے کاش ہمارے ساتھ بھی یہی سلوک ہوتا اور دائمی عذاب سے بچ جاتے۔ (مجمع البیان)

وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهُ ۴۱) اس کے معنی میں کئی قول ہیں ① ایک معنی تو یہی ہے جو آیت کے نیچے موجود ہے اور وہ اس لئے نہ چھپا سکیں گے کہ ان کے اعضاء و جوارح بھی گواہی دیں گے ② اس کا عطف کُتِبُوا پر ہو یعنی کاش اللہ کے ساتھ معاملہ کھرا کھرا کیا ہوتا اور منافقت نہ کی ہوتی ③ اللہ کا دین نہ چھپایا ہوتا اور جناب رسالت اکرم کے فرمان پر پردہ نہ دیا ہوتا۔

وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ الخ۔ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہاں بے ہوشی سے مراد نیند کی غشی ہے یعنی اچھی طرح ہوشیار ہو کر نماز پڑھو اور تفسیر برہان میں متعدد احادیث اکرمہ طاہرین علیہم السلام سے اسی مضمون کی وارد ہیں۔

رکوع نمبر ۴

زمخشری سے ربیع الاوّل میں مروی ہے کہ خداوند کریم نے شراب کی حرمت کے متعلق قرآن مجید میں تین آیات نازل فرمائیں پہلی دفعہ نازل فرمایا

تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنْبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّى تَغْتَسِلُوا وَإِنْ كُنْتُمْ

کہ جان سکو وہ جو کہتے ہو اور نہ حالت جنب میں مگر یہ کہ راہ عبور کرنے والے ہو یہاں تک غسل کرو اور اگر ہو

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ الْخمر الہ۔ تو بعض مسلمان پیتے رہے اور حضرت عمرؓ نے بھی ایک دفعہ پایا اور نشہ کے عالم میں عبدالرحمن بن عوف کا سر پھوڑ دیا اور پھر بدر کے مقتولین پر بیٹھ کر نوہ پڑھنے لگا اور اسود بن یعفر کے اشعار پڑھے۔ جب یہ خبر حضرت رسالتؐ تک پہنچی تو غضبناک ہو کر روانہ ہوئے کہ آپ کی ردا مبارک زمین پر خط دے رہی تھی اور یہ آیت نازل ہوئی اِنشَاءً يَذُكُّ الشَّيْطَانُ اِلَى قَوْلِهِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ۔ جب آپ نے پڑھی تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ بس اکتدہ میں نہ بیٹوں گا اور تفسیر کبیر جلد ۳ میں فقر الدین رازی نے ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ افضل ترین صحابہ کی عبدالرحمن بن عوف نے دعوت کی اور شراب اس زمانہ میں جائز تھا اس نے بھی طعام کے ساتھ شراب تیار کیا۔ چنانچہ سب نے خوب کھایا اور پایا جب حالت نشہ میں آئے تو ادھر مغرب کا وقت پہنچا تو انہوں نے ایک کو آگے کھڑا کر دیا تاکہ امامت کے فرائض انجام دے تو اس نے قرأت میں سورہ کافرون کی تلاوت کی اور اس طرح پڑھی۔ اَعْبُدُوا مَا تَعْبُدُونَ وَ اَنْتُمْ عَاكِدُونَ مَا اَعْبُدُ۔ تب یہ آیت اتری کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھی جائے چنانچہ اسی کے بعد نمازوں کے اوقات میں شراب نہ پیتے تھے اور عشاء کی نماز کے بعد شراب پی لیا کرتے تھے کیونکہ نماز صبح تک اس کا نشہ اتر جاتا تھا۔ اس واقعہ کے بعد مطلقاً شراب کی حرمت کا حکم آیا۔ سبحان اللہ! جب ہم سب ایسے ہوں تو مقتدیوں کا کیا مقام ہوگا۔

تفسیر برہان میں بروایت عیاشی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے جلی نے نقل کیا ہے کہ میں نے آپ سے اسی آیت کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا اس بے ہوشی سے مراد نیند کی بے ہوشی ہے یعنی جب تمہیں نیند آکر ہی ہو اور تم اونگھ رہے ہو اور تمہیں پتہ نہ ہو کہ رکوع سجد تکبیر وغیرہ میں کیا کچھ کہہ رہے ہو تو ایسی حالت میں نماز نہ پڑھی کرو اور اس سے وہ معنی ہرگز مراد نہیں ہو لوگ کہتے ہیں کیونکہ مومن شراب نہیں پیا کرتا اور نہ مومن نشہ دار چیز استعمال کرتا ہے اور اسی کی تائید حضرت عائشہ سے نقل شدہ ایک روایت بھی کرتی ہے آپ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا جب تم اونگھ رہے ہو تو نماز چھوڑ کر چلے جایا کرو کیونکہ شاید بے شعوری کے عالم میں اپنے لئے بدعا ہی نہ کر رہے ہو۔ بہر کیف اہلبیت عصمت سے وارد شدہ روایات میں اس جگہ بے ہوشی سے مراد نیند کی بے ہوشی ہے لیکن چونکہ دوسرے مسلمانوں کے نظریہ کے ماتحت صحابہ کرام دور اول میں خوب شراب کے عادی تھے اور شراب کی منع کے بعد بھی نوش فرمایا کرتے تھے۔ لہذا وہ کہتے ہیں کہ اس جگہ شراب کا نشہ مراد ہے چنانچہ فقر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں کہا ہے کہ تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ اس جگہ نشہ سے مراد شراب کا نشہ ہے۔

وَلَا جُنْبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ۔ یعنی جنبی حالت میں بھی نماز ادا نہ کرو مگر یہ کہ مسافر ہو اور پانی دستیاب نہ ہو تو پھر تیمم کر کے نماز ادا کی جاسکتی ہے اور بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ الصَّلَاةُ سے مراد مَوْضِعُ الصَّلَاةِ ہے یعنی مسجد پس معنی یہ ہوگا کہ نماز کے لئے حالت بے ہوشی میں بھی مسجد میں نہ جاؤ اور نہ جنبی حالت میں مسجد میں جاؤ مگر صرف عبور کے لئے یعنی ایک

مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ

بیمار یا سفر میں یا آیا ہو کوئی تمہارا پیشاب یا غائط سے یا جامع کیا ہو عورتوں سے پس

تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

نہ پاؤ پانی تو قصد کرد زمین پاک کا پس مس کرد اپنے منہ کا اور ہاتھوں کا تحقیق اللہ معاند نہ

جانب سے دوسری جانب کی طرف عبور کرنے کے لئے مسجد سے جاسکتا ہے اور مسجد میں ٹھہر نہیں سکتا اور امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی ایسا ہی مروی ہے تفسیر برہان میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام نے مروی ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کیا جتنی آدمی مسجد میں بیٹھ سکتے ہیں آپ نے فرمایا نہیں۔ البتہ مسجد سے گزر سکتا ہے لیکن مسجد الحرام اور مسجد النبی سے گزر بھی نہیں سکتا

تیمم کا بیان | اَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ۔ اس مقام پر اَوْ بمعنی واؤ کے ہے۔ آیت کا مقصد یہ ہے کہ اگر انسان بیمار ہو اور پانی کا استعمال اس کے لئے باعث ضرر و نقصان ہو یا انسان سفر پر ہو اور پانی دستیاب نہ ہوتا ہو اور ہر دو صورت میں پیشاب یا غائط پھر چکا ہو یا عورت سے ہمبستر ہو چکا ہو تو نماز کے لئے مٹی سے تیمم کرے۔

پیشاب یا غائط پھرنا اسباب وضو میں سے ہے یہاں ایک سبب کو بطور مثال ذکر کیا گیا ہے یعنی تمہیں وضو کرنا ہو اور پانی کے استعمال سے بیماری یا نایابی کی مجبوری ہو تو وضو کے بدلے تیمم کر لیا کرو۔ اور اسباب غسل میں سے لمس فساء کو ذکر کیا گیا ہے اور مراد یہ ہے کہ اگر تمہیں غسل کرنا ہو اور پانی کے استعمال سے وجہ بیماری یا اس کی نایابی کی معذوری ہو تو غسل کے بدلے تیمم کر لیا کرو۔

نیز پانی کے نہ ملنے کی قید سفر کے ساتھ لگائی گئی ہے کیونکہ عام طور پر مسفروں میں ہی پانی کی نایابی کا شکوہ ہوا کرتا ہے ورنہ اگر گھر میں ہوتے ہوئے بھی ایسا اتفاق ہو جائے تو وہاں بھی تیمم قائم مقام وضو یا غسل کے ہوگا۔

صَعِيدًا طَيِّبًا۔ سے صعید کا معنی مطلق روئے زمین ہے اور طیب کا معنی پاک ہے۔ بنا بریں مطلقاً روئے زمین جو پاک ہو سے تیمم کرنا جائز ہے بشرطیکہ ایسی چیز نہ ہو جس پر استمالہ کی وجہ سے زمین کا نام صادق نہ آتا ہو جیسے سینٹ چونا، پختہ اینٹ، راکھ کوئلہ اور شورہ وغیرہ۔

فَامَسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ۔ دونوں ہاتھوں کو ملا کر اگر انگوٹھی پھیلا وغیرہ ہو تو اتار کر اکٹھے زمین پر مارے اور پھر ایسے ہی ہاتھوں کو جھاڑ کر پہلے منہ کا مسح کرے۔ باسی طور کہ دونوں ہاتھوں کو ملا لے اور انگوٹھے پھیلا لے اور پیشانی کے اوپر سر کے بال اُگنے کی جگہ پر رکھے کہ انگوٹھے پیشانی کی دونوں طرفوں کو گھیر لیں۔ پھر دونوں ہاتھوں کو نیچے کی طرف سر کاٹے اس طرح کہ ہتھیلیاں بلکہ ہاتھوں کا باطنی حصہ پیشانی کے چڑے سے جُدا نہ ہو جائے پس ابرو تک ہاتھوں کو لائے پھر اس کے نیچے کا حصہ تیمم میں داخل نہیں۔

البتہ دونوں چوٹی انگلیوں کو ناک کی بلند جگہ تک لے آئے اس کے بعد بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کی پشت کا کلائی سے لے کر انگلیوں کے سرے تک مسح کرے اور پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی پشت کا انگلیوں کے سرے تک مسح کرے اور ہاتھوں کی کھوپڑیوں کی طرف سے دائیں ہاتھ کی پشت کا کلائی سے لے کر انگلیوں کے سرے تک مسح کرے اور پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی پشت کا انگلیوں کے سرے تک مسح کرے۔ زمین پر دوسری مرتبہ کی ضرورت نہیں نیز وضو

عَفْوًا غُفُورًا ۝۴۲ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الصَّلٰةَ وَ

کرنے والا بخشنے والا ہے کیا تم نہیں دیکھتے ان کو جو دیئے گئے ایک حصہ کتاب سے خرید کرتے پھرتے ہیں گڑبازی کو اور

يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصِلُوْا السَّبِيْلَ ۝۴۳ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَاكُمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا وَكَفٰى بِاللّٰهِ

چاہتے ہیں کہ تم بھی رستہ بٹک جاؤ اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور کافی ہے اللہ دلی اور کافی ہے اللہ

غسل کے تیمم میں کوئی فرق نہیں بعض علماء تیمم بدلے غسل کے اگر ہو تو دوسری ضرب ہاتھوں کے لئے کہتے ہیں یعنی سابقہ طریق سے پہلی ضرب سے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرے اور پھر ایلیہ ضرب زمین پر مار کر صرف ہاتھوں کا مسح کرے اور بعض فرماتے ہیں کہ اس احتیاط میں بھی وضو اور غسل برابر ہیں لہذا ہر تیمم میں اس طریق کو اختیار کرے تو خوب ہے۔

مسئلہ تیمم کر لینے کے بعد حکمی طہارت حاصل ہو جاتی ہے پس انسان تمام وہ کام انجام دے سکتا ہے جو طہارت سے مشروط تھے لیکن پانی دستیاب ہونے کے بعد یا ضرر رفع ہونے کے بعد تیمم خود بخود باطل ہو جائے گا اور اس سے حاصل شدہ حکمی طہارت باطل ہو جائے گی۔

مسئلہ اگر پانی نہ ملنے یا پانی کے استعمال میں ضرر کی صورتوں کے علاوہ پانی تنگناٹنے کی صورت میں جبکہ اس کی قیمت ادا نہ کر سکتا ہو یا پانی موجود ہو لیکن وہاں جا کر لانے میں عزت جان مال وغیرہ کا خطرہ ہو یا پانی نکالنے کا اکلہ موجود نہ ہو یا یہ کہ پانی استعمال کر سکتا ہو لیکن وضو یا غسل کرنے سے نماز فریضہ کے قضا ہو جانے کا ڈر ہو اس قسم کی صورتوں میں بھی وضو یا غسل کے بدلہ میں تیمم کرنے کا حکم ہے۔

تنبیہ تیمم کی آیت وضو میں پاؤں کے مسح کو خوب ثابت کرتی ہے کیونکہ پانی دستیاب ہونے یا بے ضرر ہونے کی صورت میں جہاں وضو کا حکم ہے وہیں مجبوری اور معذوری کی حالت میں تیمم اس کے قائم مقام ہے یعنی مٹی پانی کا بدل ہے۔ پس وضو میں جن جن اعضاء کے پانی سے دھونے کا حکم تھا۔ مٹی کی قائم مقامی کی صورت میں انہی اعضاء کا مسح چاہیے اور وہ خدا نے صرف دو بتلائے ہیں ایک منہ اور دوسرے ہاتھ اور اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اگر وضو میں پاؤں کا دھونا واجب ہوتا تو پانی کی عدم موجودگی میں پاؤں کا تیمم میں بھی حصہ ہوتا پس پاؤں کا تیمم میں نہ داخل ہونا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ وضو میں پانی کا دھونا واجب نہ تھا بلکہ وہاں پاؤں کا مسح تھا کیونکہ وضو میں جو مسح کے اعضاء تھے وہ تیمم میں مستثنیٰ قرار پائے ہیں اور جو دھونے کے اعضاء تھے وہ تیمم میں مسح کے نیچے لائے گئے ہیں

مسئلہ تیمم چونکہ وضو یا غسل کا قائم مقام ہے۔ لہذا جو عبادات تیمم سے واقع کی جائیں ان کی قضا واجب نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے مقام پر صحیح شمار ہوتی ہیں۔

اَلَمْ تَرَ ۝۴۴ تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے کہ میاں ضلالت سے مراد حضرت علیؑ کی ولادت سے انحراف ہے یعنی وہ لوگ خود بھی حضرت علیؑ سے منحرف ہیں اور لوگوں کو بھی ان کی ولادت سے انحراف کی ترغیب دیتے ہیں۔

يَسْتَوُوْنَ ۝۴۵ چونکہ یہودی علماء کے عوام کی جانب سے وفائف مقرر تھے پس یہ لوگ ان کی مرضی کے مطابق تورات کی

نَصِيرًا ﴿٥٥﴾ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ

مردگار یہودیوں میں سے بعض ایسے ہیں جو بدل دیتے ہیں لفظوں کو اپنی جگہ سے اور کہتے ہیں

سَبْعًا وَعَصِيْنَا وَاسْمِعْ غَيْرَ مُسْمِعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِالسِّنِّهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ ط

ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور سن نہ سنئے پائے اور راعنا مڑتے ہوئے اپنی زبانوں کو اور طعنہ زنی کرتے ہوئے دین میں

وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَبْعًا وَأَطَعْنَا وَاسْمِعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمًا

اور اگر وہ کہتے ہم نے سنا اور اطاعت کی اور سن اور نظر کر ہم پر تو خوب تھا ان کے لئے اور بہتر

وَلَكِنْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٥٦﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا

لیکن ان پر اللہ کی لعنت ہے بوجہ ان کے کفر کے پس وہ ایمان نہیں لاتے مگر کم اے وہ لوگ جو دیئے گئے

الْكِتَابِ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّن قَبْلِ أَنْ تَطْغَىٰ وُجُوهًُا

کتاب ایمان لاؤ ساتھ اس کے جو ہم نے نازل کی کہ تصدیق کرنے والی ہے اس کی جو تمہارے پاس ہے پہلے اس سے کہ

فَتُرَدَّهَا عَلَىٰ أَذْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعْنَا أَصْحَابَ السَّبْتِ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ

مٹا دیں ہم پھر ان کو کہ کر دیں ان کو پیٹھ کی طرف یا ان پر لعنت کریں جس طرح ہم نے لعنت کی اصحاب سبت کو اور اللہ کا امر

آیات میں رد و بدل کر لیا کرتے تھے چنانچہ جناب رسالتؐ کی جو تعریف تو رات میں موجود تھی صرف اپنے وظائف کے طمع کی خاطر ان کو ظاہر نہ کرتے تھے کیونکہ خواہ عوام یہود مسلمان ہوں یا نہ ہوں دونوں صورتوں میں ان کے وظائف پر اثر پڑتا تھا اگر وہ مسلمان ہو جاتے جناب رسالتؐ کی تعریفیں تو رات میں دیکھ کر تو پھر ان کو کیا ضرورت تھی کہ ان کو پیسہ دیتے اور اگر وہ مسلمان نہ ہوتے تو پھر بھی ان کے وظائف بند ہو جاتے کیونکہ اس صورت میں یہ لوگ ان کے ناکام مناظر ثابت ہوتے اور عوام میں مناظر کا کمال یہ ہے کہ مجمع میں دوسرے کو جھوٹا ثابت کرے اور اپنا جھوٹا ہونا قطعاً تسلیم نہ کرے پس ایسے لوگ ہی عوام کے مدح و ثنا کے قابل اور ان کی عطا کے سزاوار ہوا کرتے ہیں اور ان کی نظروں میں عالم کہلانے کے مستحق بھی صرف وہی ہوتے ہیں۔

وَاسْمِعْ غَيْرَ مُسْمِعٍ یہ بددعا کا کلمہ ہے جس طرح کسی کو کہا جائے یہ بات سن خدا تجھے سننے کی توفیق نہ دے اور تو نہ سنئے پائے۔ اسی طرح رَاعِنَا آپ کی طرف متوجہ ہو کر کہتے تھے اور مراد گالی لیتے تھے اور بولتے وقت زبان کو موڑ دیتے تھے تاکہ اس کا انصاف اس طرف کوئی نہ سمجھے یہ سب ان یہودیوں سے متعلق ہیں جو اطراف مدینہ میں رہتے تھے اور جناب رسالتؐ اور مسلمانوں کے لئے باعثِ اذیت بنے رہتے تھے۔

مَقُولًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ

جو کہ رہتا ہے تحقیق اللہ نہیں بخشتا شرک کو اور بخشتا ہے وہ جو علاوہ ہر اس کے

مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ افْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝

جسے چاہے اور جو شرک کرے ساتھ اللہ کے تحقیق اس نے افتراء یعنی باندھا گناہ عظیم کا

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ بِاِلٰهِ مِثْلِ مَنْ يَّشَاءُ وَلَا يَرْوُوْنَ

کیا تم نہیں دیکھتے طرف ان کے جو پاکیزگی بیان کرتے ہیں اپنی بلکہ اللہ پاک کرتا ہے جسے چاہے اور نہ ظلم کئے جائیں گے

فَاَكْذَبُوْا عَلٰى اٰذِ بَارِئِهٖا۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے اس کا معنی یہ منقول ہے کہ اس کو ہدایت سے منحرف کر دے جس طرح اور مقام پر فرمایا کہ ان پر ہر لگ گئی اور یہ ان کی اپنی سرکشی اور بے اعتدالی کا ہی نتیجہ ہوا کرتا ہے اور تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک طویل روایت میں منقول ہے کہ یہ عذاب حضرت حمزہ اللہ علیہ السلام کے ظہور کے وقت ہو گا اور دشمنانِ خدا اس عذاب میں ظاہر ہوں گے۔

اَصْحَابُ السُّبُّتِ۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں چھیل کے شکار سے سینچ کے روز منع کیا گیا تھا اور پھر انہوں نے حیلہ ساز کی تھی جس کے بدلہ میں بشکل بندر ان کو مسخ کیا گیا۔ چنانچہ تفسیر کی دوسری جلد میں اس کو ذکر کیا جا چکا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ۔ آیت مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں کبھی سے منقول ہے کہ حضرت حمزہ کے قاتل غلام سے مشرکین نے وعدہ کیا تھا کہ ہم تمہیں قتل حمزہ کے بدلہ میں آزاد کر دیں گے لیکن

جب واپس مکہ پہنچ کر انہوں نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا تو وہ اپنے فعل پر نادم ہوا اور حضرت رسالت کی طرف اپنی ندامت کا پیغام بھیجا اور اسلام کی خواہش ظاہر کی اور کہلا بھیجا کہ چونکہ اسلام میں شرک اور قتل نفس اور زنا کا جرم قابلِ بخشش نہیں ہے ہم اسی دوسے اسلام نہیں لاتے تب تو براہِ عمل صالح والی آیت نازل ہوئی اور آپ نے ان کو مجبوری تو انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ عمل صالح کی شرط بھی سخت ہے شاید ہم پر نہ نہ اتر سکیں تو یہی آیت اُتری کہ شرک کے علاوہ خدا چاہے تو باقی تمام گناہ بخش دے تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ شاید ہم مشیتِ خداوندی سے باہر ہو جائیں۔ لہذا میں اطمینان نہیں ہے تب آیت اُتری لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا۔ یعنی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو خدا سب گناہ بخش دے گا جب یہ آیت ان کے پاس پہنچی تو وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور مشرفِ زیارت ہوئے اور حضرت نے قاتل حمزہ سے حمزہ کے قتل کی کیفیت پوچھی جب اس نے واقعہ بیان کیا تو حضور نے فرمایا میری آنکھوں سے دُمدر ہو جاؤ چنانچہ وہ شام چلا گیا اور وہاں ہی اس کا انتقال ہوا۔ مخلصاً۔

قرآن مجید کی یہ آیت گنہگار مومنین کے لئے بخشش کا سہارا ہے کیونکہ فرماتا ہے شرک کے علاوہ باقی تمام گناہ بخشے جا سکتے ہیں۔

فَتِيلًا ۝ أَنْظُرْ كَيْفَ يَقْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَكَفَى بِهِ إِثْمًا مُبِينًا ۝ ع

کچھ بھی دیکھئے کیسے انٹری باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ کے اور کافی ہے یہ گناہ صریح

پس مومن کو کسی صورت میں بخشش خداوندی سے مایوس نہ ہونا چاہیے چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے اگر مومن کی امید مغفرت اور خوف عذاب کو تولا جائے تو وہ مجوز ہوں گے کیونکہ نا امید ہونے والے کے متعلق فرماتا ہے وَمَنْ يَتَّقُنْثِ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ۔ یعنی رحمت پروردگار سے صرف گمراہ ہی مایوس ہوا کرتے ہیں اور عذاب خدا سے نڈر لوگوں کے متعلق فرماتا ہے۔ وَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ۔ یعنی اللہ کی گرفت سے خسارہ پانے والے ہی نڈر ہوا کرتے ہیں۔

آیت مجیدہ سے مغفرت عامہ کا استدلال اس طرح کیا جاتا ہے کہ خدا اگر چاہے تو تمام گناہ بلا توبہ کئے ہی بخش دے کیونکہ توبہ کے بعد تو شرک کا گناہ بھی معاف ہو سکتا ہے اس آیت میں شرک اور دوسرے گناہوں کے درمیان فرق کرنے کا مطلب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ اگر انسان بغیر توبہ کئے مر جائے تو شرک کے علاوہ جس قدر گناہ ہوں گے اگر وہ چاہے گا تو بخش دے گا اور شرک کا گناہ قطعاً قابل بخشش ہی نہیں اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ شرک کے علاوہ جو گناہ ہیں وہ ہر ایک کے معاف نہ ہوں گے بلکہ بعضوں کے معاف ہوں گے کیونکہ اگر سب کے معاف ہوتے تو فرماتا کہ ہر ایک کے بخش دوں گا یہ نہ فرماتا کہ جس کے چاہوں گا معاف کروں گا اور یہ بات عدل کے منافی بھی نہیں کیونکہ بلا استحقاق کسی کو سزا دینا۔ منافی عدل ہوتا ہے لیکن بلا استحقاق کسی کو انعام و اکرام کرنا منافی عدل نہیں بلکہ عین تفضل ہے اور وہ اپنے انعام میں مجبور نہیں جس پر اپنا فضل و کرم بانا چاہے اسے کوئی پابندی نہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے فضل و کرم کے لئے کوئی ترجیح کی بھی تو وجہ ہوگی کیونکہ فعل حکیم حکمت سے خالی نہیں ہوا کرتا تو اس کے متعلق تفسیر برہان میں فقیر سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ مومن جس حال میں مرے جس دن مرے اور جس ساعت میں اس کی روح قبض ہو۔ وہ صدیق اور شہید ہو کر مرتا ہے۔ میں نے اپنے حبیب جناب رسول خدا سے سنا ہے آپ نے فرمایا اگر لوگوں دنیا سے کوچ کرے درحالیہ کہ اس کے اوپر اہل زمین کے گناہوں کے برابر بوجھ ہو تو موت اس کے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائیگی پھر فرمایا کہ جو شخص غلوں کے ساتھ کلمہ توحید زبان پر جاری کرے وہ شرک سے بری ہوگا اور جو بھی شرک سے بری ہو کر دنیا سے جائے وہ داخل جنت ہوگا پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذَالِكَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ مُّجِبَتِكَ وَيَسْتَعِيْكَ يَا عَلِيّ۔ یعنی اے علی یہ تیرے شیعوں کے لئے ہے۔ حضرت فرماتے ہیں میں نے عرض کی حضور! یہ میرے شیعوں کے لئے ہے تو آپ نے فرمایا ہاں مجھے اپنے پروردگار کی قسم یہ تیرے شیعوں کے لئے ہے۔ اور وہ لوگ قبروں سے نکلیں گے یہ کہتے ہوئے کہ لا اِلهَ اِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ عَلِيٌّ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ حُجَّاتُ اللَّهِ۔ پس جنت کے سبز عتقے ان کی خدمت میں لائے جائیں گے پس وہ پہنیں گے اور تاج ملک اور دستار کرامت سر پر رکھیں گے اور ناتمہ لائے جنت پر سوار ہوں گے جو انہیں پروردگار کے جنت میں پہنچائیں گی۔ لَا يَخْزِيْهُمْهُمُ الْفَرْحُ اَنْ كَبُرُوْا وَتَلَقَّوْهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُوْنَ۔ ان کو قیامت کی سخت گھبراہٹ محزون نہ کرے گی اور ملائکہ ان کا استقبال کریں گے اور کہیں گے یہ تمہارا

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ

کیا نہیں دیکھتے ان لوگوں کو جو دیئے گئے حصہ کتاب سے ایمان رکھتے ہیں جبت اور طاغوت پر

وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ﴿٥١﴾

اور کہتے ہیں کافروں کے متعلق کہ یہ لوگ زیادہ پائے داسے ہیں بہ نسبت مومنوں کے راہ ہدایت کو

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿٥٢﴾

ایسے لوگوں کو لعنت کی ہے اللہ نے اور جس کو لعنت کرے اللہ تو ہرگز نہ پاؤ گے اس کا کوئی مددگار

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذَا يُوتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿٥٣﴾

کیا ان کا حصہ ہے سلطنت سے؟ پھر تودہ نہ دیں گے لوگوں کو نقیر برابر بھی

دہی دن ہے جس کا تم وعدہ کئے گئے تھے۔ اسی بنابر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے شرک سے مراد لیا ہے کفر ولایت علی اور یغیر مَادُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ کَمَا مَصْدَاقُ دَہِ لُؤْگِ ہِیْ جُو حضرت علی علیہ السلام سے دلا رکھتے ہیں۔

أَلَمْ تَرَ مَثَٰٓلَ یٰہُودِ وَنَصَارَیْ اِیْنِے متعلق کہتے تھے کہ ہم اللہ کے دوست اور خالص جنتی ہیں۔ آیت مجیدہ نے ان کے قول کی تردید کر دی ہے۔

فَتِیْلًا ۝ فِتیل کھجور کی گٹھلی پر اندر کی طرف بونگاف ہوتا ہے اور نقیر گٹھلی پر جو پشت کی طرف درمیان میں ایک نکیر ہوتی ہے اور نقیر جو گٹھلی کے اوپر باریک سی جھلی ہوتی ہے اور بعض کہتے ہیں بدن پر انگلیوں کے رگڑنے سے جو بدن کی میل باریک تاگوں کی طرح آجاتی ہے اسے فتیل کہتے ہیں۔

أَلَمْ تَرَ ۝ تفسیر مجمع البیان میں اس آیت کے شان نزول کے متعلق ہے کہ کعب بن اشرف یہودی ستر آدمیوں کے ہمراہ واقعہ احد کے بعد مکہ پہنچا تاکہ جناب رسالتؐ کے ساتھ منعقدہ معاہدہ کو توڑ کر ان کے

رکوع نمبر ۵

خلافت کفار قریش سے معاہدہ قائم کرے۔ پس کعب ابوسفیان کے ہاں ٹھہرا اور باقی یہودی دوسرے قریشیوں کے ہاں فروکش ہوئے ابوسفیان نے اس کی اچھی طرح مہمان نوازی کی۔ جب آپس میں بات چیت ہوئی تو اہل مکہ نے کہا کہ اے گروہ یہود تم بھی اہل کتاب ہو اور حضرت محمدؐ کا بھی صاحب کتاب ہونے کا دعویٰ ہے ممکن ہے تمہارا آپس میں گٹھ جوڑ ہو اور دھوکا آپس میں پھینانا چاہتے ہو پس اگر تم واقعی طور پر ہمارے ساتھ ہو تو ہمارے ساتھ چل کر ان دو بتوں کا سجدہ کر لو تو کعب بن اشرف نے ان بتوں کا سجدہ کر لیا۔ جس کے متعلق قرآن فرما رہا ہے کہ وہ جبت اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس کعب نے کہا۔ اے اہل مکہ تیس تیس آدمی ہم اور تم میں سے دیوار کعبہ کے ساتھ چھاتی ملا کر حضرت محمدؐ کے برخلاف آپس میں جنگی اور فوجی معاہدہ کریں اور رب بیت کے

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ۝۵۳ فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ بِهِ

بلکہ حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس پر کہ دیا ہے ان کو اللہ نے اپنے فضل سے تو تحقیق دی ہم نے آل ابراہیم

إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ۝۵۳ فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ بِهِ

کو کتاب اور حکمت اور دیا ہم نے ان کو ملک عظیم تو بعض ایمان لائے اس پر اور بعض

وَمِنْهُمْ مَنْ صَدَّ عَنْهُ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ۝۵۴ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا

نے اس سے روگردانی کی اور کافی ہے ان کو جہنم جو جلتی آگ ہے تحقیق جو لوگ کفر کرتے ہیں ہماری آیات سے

ساتھ عہد کریں چنانچہ ایسا کیا گیا۔ رحم معاہدہ کے بعد ابرہہ نے کعب سے کہا کہ تو کتاب کا عالم ہے اور ہم لوگ جاہل ہیں ہمیں سچ بتاؤ کہ ہم سچے ہیں یا محمد تو کعب نے کہا میرے سامنے تم اپنے دین کی وضاحت کرو۔ ابرہہ نے کہا ہمارا دین یہ ہے کہ ہم عاجیوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ ان کو پانی پلاتے ہیں۔ قیدیوں کو رہا کرتے ہیں اور صلہ رحمی کرتے ہیں اور بیت اللہ کی تعمیر اور اس کا طواف کرتے ہیں اور اہل حرم بھی ہیں اور حضرت محمدؐ نے آبائی دین کو چھوڑ کر قطع رحمی کی اور حرم کو چھوڑ کر چلا گیا۔ نیز ہمارا دین پرانا اور محمد کا دین نیا ہے۔ یہ سن کر کعب بن اشرف بولا خدا کی قسم محمدؐ کے دین سے تم لوگ بدرجہا بہتر ہو اور تم راہ ہدایت پر ان کی نسبت زیادہ قائم ہو جس کے متعلق قرآن کے الفاظ اشارہ کر رہے ہیں۔

تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد ظالم امام ہیں جو لوگوں کو جبت اور طاغوت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور آل محمدؐ سے ان کو اچھا جانتے ہیں بہر کیف قیامت تک آیت زندہ ہے اور اس کے مصداق ہوتے رہیں گے۔ معصوم نے تادیل کے طور پر ایک کلی قاعدہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ۔ باعتبار ظاہر یہودیوں کے حسد کی حکایت ہے کیونکہ وہ حضرت رسالتؐ کی نبوت و سلطنت سے حسد کرتے تھے پس خدا فرماتا ہے آل ابراہیم میں یہ نبوت کوئی پہلی بار تو نہیں اس سے پہلے بھی تو آل ابراہیم میں نبوت و مملکت رہی ہے حضرت داؤد صاحب نبوت و سلطنت تھے جن کی ۹۹ بیویاں اور حضرت سلمان نبی اور بادشاہ جن کی ۱۰۰ یا ایک ہزار تک زوجات تھیں تو ان پر حسد کیوں نہیں کرتے؟ اور چونکہ جناب رسالتؐ تمام لوگوں کی طرف رسولؐ تھے لہذا ان کا حسد تمام لوگوں کے حسد کے برابر ہے اسی لئے کہا گیا کہ یہ لوگ ناس سے یعنی تمام لوگوں سے حسد کرتے ہیں اور باعتبار باطن ہر وہ شخص اسی کا مصداق ہے جو خدا کے کسی منتخب بندے پر حسد کرے۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہاں فضل سے مراد نبوت و امامت ہے اور ناس سے مراد نبی و آل نبی ہیں اور تفسیر عیاشی سے مروی ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا ہم وہ ہیں جن کی اطاعت اللہ نے فرض کی اور انفال وغیرہ کے حقدار ہم ہیں اور راسخین فی العلم بھی ہم ہیں اور ہم وہ معبود ہیں جن کے متعلق خدا نے فرمایا کہ وہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں یعنی جن پر حسد کیا گیا ہم ہیں (مجمع البیان)

سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كَمَا نَصَجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا

ان کو جلائیں گے ہم آگ میں جب جل جائیں گے ان کے چمڑے تو ان کو تبدیل کر دیں گے دوسرے چمڑے

لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۵۷﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

تاکہ چمکیں عذاب کو تحقیق اللہ غالب حکمت والا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے

پچھلی آیتیں جو اس رکوع میں ہیں اور یہ ان کے بعد کی آیتیں سب کا ربط ایک ہے اور آئمہ طاہرین علیہم السلام سے بذریعہ احادیث متواترہ مروی ہے کہ دشمنان آل محمد کی مذمت میں اور آل محمد کی مظلومی کے باب میں ہیں۔ تفسیر برہان میں منقول ہے امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جب کہ اولوالامر والی آیت کی تفسیر دریافت کی گئی۔ سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کیا تم لوگوں کو دیکھتے نہیں ہو جو جنت اور طاعت پر ایمان رکھتے ہیں اور فلاں اور فلاں کو آل محمد سے افضل قرار دیتے ہیں اگر ان کو ملک و خلافت مل جائے تو آل محمد کو ایک ذرہ برابر بھی اس میں سے حصہ نہیں دیتے (یعنی وہاں بھی ناس سے مراد آل محمد ہیں) اور یہ لوگ ان سے حسد کرتے ہیں جن کو خدا نے فضل یعنی امامت عطا فرمائی ہے۔ پس وہ محمود ہیں۔ اور خدا فرماتا ہے ہم نے تو آل ابراہیم کو کتاب و حکمت اور ملک عظیم دیا اور تعجب ہے کہ ان پر حسد نہیں کرتے اور مان لیتے ہیں اور آل محمد کے فضل کا انکار کرتے ہیں اور اس مضمون کی روایات تفسیر برہان میں تیس سے زائد ہیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ مِنْهُمْ مَنْ آمَنَ بِہِ کے مصداق سلمان، مقداد، ابوذر اور عمار ہیں اور پہلے کی ضمیر حضرت علی کی طرف راجع ہے یعنی تفسیر باطنی کے طور پر معصوم نے مصداق آیت کے بعض افراد کی طرف اشارہ فرمایا ہے ورنہ ہر دو جانبین کے مصداق تاقیامت ہونے چاہئیں۔ پس محسود بھی قیامت تک اور عابد بھی قیامت تک آل محمد سے سلسلہ امامت چونکہ قیامت تک جاری رہے گا۔ لہذا ان کے ماننے والے اور حسد کرنے والے بھی تاقیامت موجود ہیں اور آیت کا مصداق ہر دور میں قائم رہے گا کیونکہ قرآن قیامت تک زندہ ہے۔

بَدَلْنَاهُمْ۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مجرم انسان کے اصلی چمڑے کو جلانا تو درست ہے لیکن جب وہ جل جائے تو دوسرا بے قصور چمڑا کیونکہ مبتلائے عذاب ہوگا؟ تو اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ عذاب درحقیقت روح کو ہوگا اور چمڑا یا دوسری چیزیں ان کو بھی تکلیف اسی وقت ہوتی ہے جب ان میں روح ہو ورنہ اگر روح نہ ہو تو ان کو کوئی درد ہوتا ہی نہیں۔ لہذا چمڑے کی تبدیلی عذاب روح کے لئے ہے اور حقیقی مجرم بھی وہی ہے اور نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسی چمڑے کو پہلی حالت میں پٹایا جائے گا۔ جس طرح ایک انگوٹھی ٹوٹ جانے کے بعد اسی چاندی کو پھر انگوٹھی کے سانچے میں ڈھال دیا جائے تو دوسری انگوٹھی بغیر پہلی انگوٹھی بھی ہے اور پہلی کے بغیر بھی اس کو کہنا درست ہے اسی طرح ان چمڑوں کو جب نیا کیا جائے گا تو ہوں گے اگرچہ بعینہ وہی پہلے لیکن ان کو ان کا غیر بھی کہا جاسکتا ہے اور تفسیر برہان

سَدَّ خَلْمَهُمْ جَنَّتْ تَجَرَّى مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا لَهُمْ

عقرب انہیں داخل کریں گے بہشتوں میں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں کہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں

فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدِينَ ۝۱۰۰ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ

ان کے لئے وہاں بیویاں پاکیزہ ہوں گی اور داخل کریں گے انہیں ٹھنڈی چھاؤں میں تحقیق اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ادا کرو

تُؤَدُّوْا الْأَمْنَآتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ

امانتیں اپنے مالکوں کو اور جب حکم کرو لوگوں میں تو حکم کرو انصاف سے

میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی یہی معنی مروی ہے۔

أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ - تفسیر بر ان میں نقیبہ سے مروی ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام سے ازواج مطہرہ کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا مطہرہ سے مراد یہ ہے کہ وہ عورتیں حیض اور ہر قسم کی آلائشوں و نا پاکیزوں سے پاک و صاف ہوں گی۔

ادائے امانت کا حکم

إِنَّ اللَّهَ - آیت مجیدہ میں بالعموم تمام امانتوں کی ادائیگی کا حکم ہے۔ چنانچہ صادقین علیہا السلام سے بھی ایسا ہی مروی ہے اور نیز یہ قول بھی ہے کہ یہ آیت خاص طور پر اولی الامر کے لئے ہے یعنی جو حاکم اور صاحب امر ہوں ان پر واجب ہے کہ رعایا کے حقوق ادا کریں اور ان کے درمیان عدل و انصاف کا حکم کریں اور صادقین علیہا السلام سے یہ بھی مروی ہے کہ خدا نے ہر امام کو حکم دیا ہے کہ وہ امانت دلی امانت بعد دے امام کو پہنچا دے اور اسی قول کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بعد والی آیت میں رعایا کو حکم دیا گیا ہے۔ کہ تم اللہ اور رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو اور ائمہ سے بھی مروی ہے کہ ان دونوں آیتوں میں سے ایک ہمارے لئے ہے اور دوسری تمہارے لئے ہے۔ بہر کیف چونکہ امانت کی ادائیگی کا حکم عام ہے تو یہ بھی امانت کا ایک فرد ہے اور اس میں داخل ہے۔ کیونکہ ایک روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: نماز، زکوٰۃ، روزہ حج سب امانتیں ہیں اور انہیں میں سے اولی الامر کو بھی حکم ہے کہ صدقات و غنائم اور رعایا کے دوسرے حقوق ان تک پہنچا دے۔

بعض کہتے ہیں کہ جناب رسالتؐ نے فتح مکہ کے دن کلید بیت اللہ عثمان بن طلحہ سے لے کر عباس کے حوالہ کرنے کا ارادہ کیا تھا اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان کی امانت اس کو واپس کر دی جائے لیکن بالفرض اگر شان نزول کے وقت وہ واقعہ بھی رونما ہوتا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آیت کو وہیں بند کر دیا جائے لہذا اس کا عمومی معنی اختیار کرنا بہتر ہے (مخلص از مجمع البیان)

إِنَّ اللَّهَ نِعْمَ بِعِظْمَارِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿۵۸﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

تحقیق اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تمہیں تحقیق اللہ سننے دیکھنے والا ہے اسے وہ لوگ جو ایمان لائے ہر

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ

اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور صاحبان امر کی جو تم سے ہیں پس تمہیں اگر جھگڑا ہو کسی شے میں

فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ

تو اسے رد کرو طرف اللہ اور رسول کے اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ اور روز قیامت پر یہ بہتر اور خوب تر ہے

وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿۵۹﴾

اور دسے انجام

اَنْ تَجْعَلُوْا بِالْعَدْلِ - جناب رسالت اکبر نے حضرت امیر سے فرمایا یا علی! آپس میں جھگڑا کرنے والوں کو ایک نظر سے دیکھا کرو اور ایک جیسے لہجے میں ان سے خطاب کیا کرو۔ نیز وارد ہے کہ ایک مرتبہ دو بچے حضرت امام حسن علیہ السلام کے پاس اپنا لکھا ہوا خط لائے اور امام حسن سے فیصلہ کی خواہش کی کہ ان میں سے کونسا خط خوب ہے۔ حضرت علی نے دیکھ لیا۔ تو فرمانے لگے۔ بیٹا فیصلے میں خیال کرنا۔ یہ بھی حکم ہے اور خدا بروز محشر اس کے متعلق بھی باز پرس کرے گا۔

بہر کیف تفسیر برہان اور تفسیر صافی وغیرہ میں احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ یہ آیت مجیدہ ائمہ طاہرین کے حق میں ہے اور ان کو حکم ہے کہ اہل امانت یکے بعد دیگرے دوسرے امام کو سپرد کرتے چلے جائیں اور پھر علی العموم یہ آیت ہر امانت کو بھی شامل ہے اور تفسیر صافی میں ہے کہ معصومین علیہم السلام سے متعدد روایات میں پہنچا ہے کہ کسی شخص کے لیے رکعت اور لمبے سجدوں کو نہ دیکھو کیونکہ یہ پجز ہمیشہ دیکھنے میں آتی ہے ہاں تم سچائی اور امانت کو دیکھا کرو اور فرمایا اگر علی کا تاق میرے پاس کوئی شے امانت رکھتے اور میں قبول کر لوں تو عند الغلب اس کو بھی واپس دے دوں گا۔

فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں ایک بات خوب کہی ہے کہ اس مقام پر خداوند کریم نے ادلی الامر کی اطاعت کا حکم جزئی اور قطعی طور پر دیا ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ ادلی الامر وہی ہر کتے ہیں

اولو الامر کی تشخص

جو معصوم ہوں کیوں کہ اگر معصوم نہ ہوں تو ان سے غلطی کا امکان ہوگا اور ان کی غلط باتوں میں بھی ان کی اطاعت کرنا پڑے گی۔ کیونکہ سنی طور پر بلا استثناء اولو الامر کی اطاعت کا حکم ہے لیکن غلط کاریوں سے بھی منع فرماتا ہے۔ لہذا ایسے مقام پر اطاعت

ساقط ہونی چاہیے تو آیت اولی الامر سے اس کی اطاعت کے وجوب کا حکم اور غلطی سے بچنے کے عمومی اور امر کے ماتحت اس کی عدم اطاعت کا حکم متاقص ہے اور محال ہے پس ثابت ہوا کہ میاں اولوالامر سے مراد معصوم ہے لیکن اس کے بعد کہتا ہے کہ وہ معصوم امت میں سے کوئی خاص آدمی ہوں گے یا اس سے مراد مجموع امت ہوگی۔ پہلی صورت باطل ہے کیونکہ اگر خاص افراد مراد ہوتے تو ہمیں ان کی نشاندہی کی جاتی اور تعارف کرایا ہوتا کیونکہ بغیر تعارف کے ان کی اطاعت کا حکم ناجائز ہے اور چونکہ ہمیں بتلائے نہیں گئے تو معلوم ہوا کہ خاص افراد مراد نہیں ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ اس سے مراد مجموع امت ہے تو مقصد یہ ہے کہ امت کے ارباب حل و عقد جب ایک بات طے کر دیں تو اس کی اطاعت واجب ہے اور آیت مجیدہ اجماع کی جیت پر دلیل ہے۔

دیکھئے عداوت اہل محمد کا مبوت کس طرح دل و دماغ کو معطل کر دیتا ہے کہتا ہے اگر خاص افراد مراد ہوتے تو ان کی نشاندہی کرائی گئی ہوتی اور ہمیں اس کی نشاندہی نہیں کرائی گئی کس قدر صریح ٹھوٹ اور غدا و رسول پر کس قدر متہان عظیم ہے۔ ۱۔ آیت مجیدہ تطہیر اٰہل البیت اللہ (الایہ) اس کے متعلق ابن حجر مکی نے مواہق عرقہ میں ذکر کیا ہے کہ اکثر مفسرین اس کے قائل ہیں کہ یہ آیت حضرت علی اور فاطمہ اور حسن و حسین کے حق میں نازل ہوئی۔ مسلم نے باب فضائل اہلبیت میں حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسالتا نے حسین فاطمہ اور علی کو ردائے اندر اکٹھا کر کے آیت تطہیر پڑھی جلال الدین سیوطی نے درمنثور میں بھی اسے نقل کیا ہے۔ حاکم نے مستدرک میں اس حدیث کو نقل کر کے اسے صحیح علی شرط البخاری قرار دیا ہے۔ نیز ترمذی باب مناقب اہلبیت میں عمر بن ابی سلمہ سے مروی ہے کہ جب آیت تطہیر نازل ہوئی تو اس وقت جناب رسالتا ابم سلمہ کے گھر میں تشریف فرما تھے پس علی فاطمہ اور حسن و حسین علیہم السلام کو جمع کر کے ان پر چادر ڈال دی اور دعا مانگی۔ اللہم هؤلاء اہلبیتی فاذهب عنہم الرجس و طہرہم تطہیراً۔ نیز مستدرک اور ترمذی اور مسند احمد میں انس سے مروی ہے کہ اس کے پچھ ماہ بعد تک جناب رسالتا جب صبح کی نماز کے لئے مسجد کی طرف تشریف لے جاتے تھے تو دروازہ فاطمہ سے گزرتے ہوئے آیت تطہیر کی تلاوت فرماتے تھے اور درمنثور میں ابوالحمراد سے منقول ہے کہ مجھے یاد ہے کہ پورے آٹھ ماہ بعد جب حضور صبح کی نماز کے لئے گھر سے نکلتے تھے تو علی کے دروازہ پر پہنچ کر اپنے دونو ہاتھ مبارک دروازہ کے دونو پہلوؤں پر رکھتے تھے اور فرماتے تھے الصلوۃ الصلوۃ اور پھر آیت تطہیر پڑھتے تھے۔ اور ابن عباس نے نقل کیا ہے کہ پورے نو ماہ بعد تک حضور ہر نماز کے وقت علی کے دروازہ پر کھڑے ہو کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اہل البیت اور آیت تطہیر پڑھتے تھے اور ہر روز پانچ مرتبہ ایسا کرتے تھے (مخمس از دلائل الصدق) بہر کیف اس باب کی تمام روایات کو جمع کرنے کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے اور علماء نے اس موضوع پر انفرادی طور پر کتابیں بھی لکھی ہیں۔ مثنیٰ کہ اس کے تو اتر میں کوئی ذی شعور شک و شبہ نہیں کر سکتا اور اس کے خلاف جن لوگوں نے اس آیت مجیدہ کے شان نزول کو ازواج سے خاص کرنے کی کوشش کی ہے تو صرف اہلبیت کی خاص فضیلت کو

پوشیدہ کرنے یا ان کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے ہی ان کی رگ عصیت تڑپی ہے لیکن بایں ہمہ ان نقول متواترہ کے مقابلہ میں ان کو لانا فضول ہے۔

اب جائے غور ہے کہ خداوند کریم اس آیت تطہیر میں ان ذوات مقدسہ کی علی الاطلاق تطہیر کا اعلان فرما رہا ہے۔ اور ہر قسم کے رجس کی دوری کی تصریح فرما رہا ہے اور ظاہر ہے کہ ہر وہ فعل جو منشاء خدا کے خلاف ہو وہ جس ہے اور ہر وہ نظریہ جو غلط اور غلط ہو وہ جس ہے پس جب خدا نے مطلقاً اہمیت عصمت سے رجس کو دور فرمایا اور ان کی ہر جس سے تطہیر کا اپنی پاک کتاب میں اعلان فرمایا تو معصوم کی نشاندہی اور اس کا تعارف اس سے زیادہ واضح اور کھلے لفظوں میں اور کس طرح ہوگا جس کا عذر فخر الدین رازی بیان کر رہا ہے کیا اسے آیت تطہیر یاد نہیں تھی کیا وہ ان روایات کو نہیں جانتا تھا؟ سب کچھ تھا اس کی نظر سے یہ باتیں اوجھل نہ تھیں البتہ علی کی دشمنی اس کو ان حقائق کے اظہار کی اجازت نہیں دے سکتی تھی۔ لہذا وہ مجبور تھا کہ یہ بہانہ بنائے۔

۲۔ آیت مباہلہ: تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ مباہلہ میں رسول کے ساتھ جانے والے افراد یہ زہر گوار تھے جو آیت تطہیر کا مصداق تھے اور پیچ اور جھوٹ کے امتیاز کا یہ آخری اور چوٹی کا مقابلہ تھا چنانچہ اس کی نشانی یہ تھی کہ جھوٹوں پر لعنت کی بددعا کی جائے پس نصرانیوں کی تسلیم نے یہ مسلمانوں پر بھی ثابت کر دیا کہ رسول اور رسول کے ہمراہ جانے والے سچے ہیں اور صداقت جس طرح قول میں ہوتی ہے اسی طرح فعل میں ہوتی ہے اور اسی طرح عقلی نظریوں میں ہوا کرتی ہے اور علی الاطلاق سچا وہ کہے جانے کا مستحق ہے جو قول فعل اور اعتقاد میں ہر پہلو سے سچا ہو اور مطلب اس کا یہ ہے کہ اس کے قول عمل اور اعتقاد میں غلطی کا شائبہ نہ ہو اور اسی کو معصوم کہا جاتا ہے پس آیت مباہلہ میں معصوم کی نشاندہی نہیں تو اور کیا ہے اور کونوَامَعَ الصَّادِقِينَ کَاَمْرٍ اَطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَادِیْ الْاَمْرِ کی دوسری تعبیر ہے لیکن چونکہ علی کو بچھے ہٹانا ہے لہذا کچھ بھی ہر ماننا نہیں۔

۳۔ آیت صلوٰۃ یعنی اِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ الخ۔ صحیح مسلم سے منقول ہے کہ حضور سے صلوٰۃ کا طریقہ دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس طرح کہا کہ رُوَدِ اللّٰهُ صَلَّی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ وَآلِ اِبْرٰہِیْمَ۔ اور ظاہر ہے جس پر خدا کا درود و سلام ہو اور مومنین کو بھی درود و سلام کا حکم دے وہ معصوم ہوگا چنانچہ بعد میں سَلِّمُوا تَسْلِیْمًا کا حکم دے کر ان کی اطاعت کو بھی لازم و واجب قرار دے دیا اور آل محمد کے متعلق آیت تطہیر کے شان نزول نے وضاحت کر دی کہ وہ کون لوگ ہیں۔

۴۔ آیت ولایت اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ الخ اور مفسرین کا اجماع ہے کہ حالت رکوع میں زکوٰۃ دینے والا سوائے حضرت امیر کے اور کوئی نہیں تھا پس اللہ اور رسول کی طرح حضرت علی بھی ولایت مطلقہ کا مالک ہے تو جس قسم کی ولایت اللہ در رسول کو حاصل ہے حضرت علی بھی اس میں شریک ہیں اور خدا کسی کو ولایت مطلقہ نہیں دیتا جبکہ معصوم نہ ہو۔

بہر کیف اس قسم کی آیات اور بھی بہت ہیں جو اس مقام پر گنواٹی جاسکتی ہیں۔ جن کے ذکر سے طول ہو جائے گا۔ اور منصف مزاج انسان کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ اب جناب رسول خدا کی نشاندہی کا جائزہ لیں تو ان احادیث کی طویل فہرست ہے جو اس ذیل میں ذکر کی جاسکتی ہیں۔ البتہ مناسبت مقام سے بعض کا ذکر ناگزیر ہے۔

۱۔ حدیث منزلت جو صحیح بخاری صحیح مسلم اور مسند احمد وغیرہ میں بھی منقول ہے کہ حضور نے حضرت علی کو فرمایا۔ اَمَّا تَرْضٰی اَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ بِدَنْ لِّهٖ هَارُوْدٌ مِنْ مُّؤْمِنِيْ اِلَّا اَنْتَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ حضرت رسالتؐ نے حضرت علی کو ہارون سے مشابہت دے کر فرمایا کہ حضرت ہارون کے لئے جو خصوصیات تھیں وہ تجھ میں ہیں سوائے نبوت کے اور باتفاق علماء اسلام حضرت ہارون معصوم تھے اور روایت مذکورہ کو فضل بن روز بہان سے متعصب نے بھی تسلیم کیا ہے۔

۲۔ بروز خندق حضرت علی کے متعلق فرمایا بَدْنَا اِلٰہِيْمَا تَكْلٰہٗ اِلَى الشُّرَکَیْہِ کہ سارے کا سارا ایمان سارے کے سارے شرک کے مقابلہ میں جاری ہے کیا غیر معصوم کو عین ایمان کہا جاسکتا ہے؟ اور عمرو بن عبدود کے مارے جانے کے بعد حضور نے فرمایا علیؑ کی میریت ثقلین کی عبادت سے افضل ہے یا میری امت کے قیامت تک کے اعمال سے افضل ہے کیا یہ عصمت نہیں تو اور کیا ہے؟ حدیث مذکورہ کو فضل بن روز بہان نے بھی تسلیم کیا ہے۔

۳۔ حضرت علی کے متعلق فرمایا لَا يُحِبُّكَ اِلَّا الْمُؤْمِنُ وَلَا يُغَضُّكَ اِلَّا مُنَافِقٌ جس کو امام احمد بن حنبل نے مسند میں ذکر کیا ہے اور فضل بن روز بہان نے بھی اسے تسلیم کیا ہے کیا خطا کار کی محبت ایمان کی نشانی ہو سکتی ہے یا خطا کار سے بغض رکھنا منافق کی علامت ہے؟ کئی لفظوں نہ سہی التزاماً یہ حدیث حضرت علیؑ کی عصمت کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟ ۴۔ حدیث طبر جو کتب صحاح میں موجود ہے اور مسند احمد بن حنبل میں بھی مذکور ہے کہ حضرت کے پاس ایک بھونٹا ہوا پرندہ آیا تو آپ نے دعا مانگی اَللّٰهُمَّ اٰمِنْتِنِیْ بِاَحَبِّ النَّاسِ اِلَیْكَ یَا کُلُّ مَعِیْ فَجَاءَ عَلِیٌّ فَاَکَلَ مَعَهُ۔ یعنی اے اللہ تو وہ بندہ بھیج جو تیری مخلوق میں سے تیرا محبوب ترین ہو۔ پس آپ کی دعا مقبول ہوئی اور حضرت علیؑ آئے اور حضرت رسالتؐ کے ساتھ وہ پرندہ نوش فرمایا۔ یہ حدیث متواترات میں سے ہے اور صاف ظاہر ہے کہ خدا کا محبوب ترین بندہ غیر معصوم نہیں ہو سکتا۔

۵۔ ترمذی اور مستدرک حاکم اور دیگر کتب صحاح میں موجود ہے۔ حضور نے فرمایا اَلْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ وَعَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ لَنْ یَفْتَقِرَا الْخَبْرَ کیا یہ الفاظ حضرت علیؑ کی عصمت کا کھلا اعلان نہیں کر رہے۔ کیا خطا کار بھی حق سے جدا نہیں ہو سکتا؟

اس باب کی حدیثیں کافی جمع کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً حدیث نور حدیث ثقلین حدیث سد الباب حدیث روانۃ وغیرہ ان تصریحات کے بعد کیا کوئی منصف مزاج انسان کہہ سکتا ہے کہ معصوم پر نفس وارد نہیں اور یہی معصوم کا تعارف نہیں کر لیا گیا؟ البتہ فخر الدین اور اس کے ہمراہ جن لوگوں کی عصمت کے خواہش مند ہیں اگر ان کے متعلق تصریحاً تو بجائے خود تلویحاً بھی کوئی ایسی منقبت مذکور ہوتی جس سے ان کی عصمت کا شائبہ ہو سکتا تو یقیناً اسے بائگ دہل اچھالتے لیکن عصمت کی نفوس ان لوگوں

کے متعلق ہیں جن کو یہ لوگ پیچھے ہٹانے کے درپے ہیں اور اگر انہیں معصوم تسلیم کر لیں تو انہیں آگے لانا پڑتا ہے۔ پس یہ عذر ہی سوچا کہ کسی کے متعلق عصمت کی نص ہے نہیں لہذا اولوالامر کے مصداق افراد معینہ نہیں ہو سکتے۔

اب ذرا ان سے پوچھا جائے کہ حضور ابن ارباب حل وعقد کا فیصلہ حجت قرار دیا جا رہا ہے اور آیت اولوالامر کا ان پر انطباق کیا جا رہا ہے۔ آیا ان کے متعلق کہیں عصمت کی نص آپ کے پاس پہنچ چکی ہے اور کیا ان کی نشاندہی جاتا رسالتاً نے کر دی تھی۔

تہافت اور تناقص گوئی کی یہ حد کہ ایک دفعہ تو کہا کہ معصوم مجموع امت یا فرد پھر دلیل میں فرد کی نفی کر کے ارباب حل وعقد کو سامنے لے آئے ثابت تو کرنا تھا۔ مجموع امت کی عصمت کو جس کے لئے افراد کی عصمت کو راستہ سے ہٹایا لیکن جب مجموع امت کے کردار پر نظر ثانی کی تو بجائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ افراد کو پھر پیش کیا جائے لیکن الفاظ تبدیل کر دیئے اور کہہ دیا ارباب حل وعقد سبحان اللہ؟ عجیب منطق لڑائی اور خوب علمی طریق سے بحث کی۔

کیا میں دریافت کر سکتا ہوں؟ کہ مجموع امت اولوالامر کی مصداق ہے تو اطیعوا کا حکم ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں یا یہودیوں وغیرہ کو ہو رہا ہے اور ارباب بست و کشاد اگر اس کا مصداق ہیں تو کیا یَاٰیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اطِيعُوا اللّٰہَ وَاطِيعُوا الرَّسُوْلَ وَادِیْ الْمَرْسِلِمْ کُمْ کے خطاب سے وہ خود باہر ہوں گے یا وہ بھی کسی صاحب الامر کی اطاعت کے نیچے ہوں گے اور نیز اگر باقی امت ہی اس خطاب سے مخصوص ہے تو وہ ارباب حل وعقد کون ہیں اور کون معصوم ارباب حل وعقد گذرے ہیں اور موجودہ زمانہ میں کون کون ہیں؟

اگر یہ کہا جائے کہ ہر روز کے ارباب حل وعقد اگرچہ انفرادی طور پر ہر ایک غیر معصوم ہوتا ہے لیکن ان کا متفق علیہ حکم واجب الاتباع ہوتا ہے پس ان کا متفقہ فیصلہ ہی اولوالامر کا مصداق ہے جیسا کہ فخر الدین رازی بھی اسے اجماعی فیصلہ کی حیثیت کو دلیل بنا رہا ہے تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ جب انفرادی طور پر ارباب حل وعقد میں سے ہر ایک سے غلطی کا امکان ہے تو یہ سمجھ میں نہیں آسکتا کہ چند غلط کاروں کا مجموعی اتفاقی فیصلہ کیسے عصمت کی صفت سے متصف ہو سکتا ہے؟ اور مشاہدہ حال بتلاتا ہے کہ ارباب حل وعقد کا فیصلہ جو آج ہوا ہے کل وہی ارباب حل وعقد اپنے فیصلہ کے خلاف ہو رہے ہیں کیا عصمت اسی کا نام ہے؟

اگر تاریخ و حدیث کا جائزہ لیا جائے تو اسلام کے دورِ اول میں صحابہ کرام کے فیصلوں میں کبھی اتفاق نہیں ہو سکا چنانچہ گذشتہ ابحاث میں گذر چکا ہے حضرت ابن عباس حضرت ابن مسعود اور حضرت علی وغیرہ جواز متعہ کے قائل تھے۔ اور حضرت عمر نے اس کی حرمت کا اعلان فرمایا۔ ماہ رمضان کی تاریخ حضرت ابو بکر کے زمانہ میں باجماعت نہیں تھیں اور حضرت عمر نے ان کو باجماعت پڑھنے کا حکم دے دیا۔ اور اس قسم کے ہزاروں مسائل ہیں۔ جن میں صحابہ کو باہمی طور پر اتفاق نہ تھا پھر یہی اختلاف فتاویٰ تابعین اور تبع تابعین میں چلا آتا رہا اور آئمہ اربعہ حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام شافعی، حضرت

امام احمد بن حنبل اور حضرت امام مالک اور اس دور کے باقی مفتیان کے فتاویٰ کا جائزہ لیجئے بہت کم ایسے مسائل ہیں گئے جن میں ائمہ کا اختلاف نہ ہو بلکہ میرے خیال میں تو ہر مسئلہ اختلاف کا شکار ہے تو دریں صورت ارباب حل و عقد کی اطاعت کیسے ہوگی اور ان کے فیصلہ پر عصمت کا سبیل کس طرح چسپاں ہوگا؟

ہاں یہ سب کچھ نتیجہ ہے رسولؐ کی وصیت کو بھلا دینے کا اور اہلبیت عصمت کو پیچھے ہٹانے کا اور یقیناً اگر وصیت رسولؐ کے مطابق مسلمانوں نے تلقین یعنی کتاب اور عترت طاہرہ ہر دو سے تمسک کیا ہوتا تو اس تاریکی میں پھنسنے اور اس غار وار وادی میں الجھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی اور اسلام کا شیرازہ منتشر نہ ہوتا۔ حضورؐ نے حجت تمام کر دی۔ اِنِّی تَارِکٌ فِیْکُمْ الثَّقَلَیْنِ کِتَابِیْ اَہْلِیْ وَعِتْرَتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِہِمَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِیْ۔ یہ حدیث احادیث متواترہ میں سے ہے اور اس کی نقل پر شیعہ سنی متفق ہیں۔ ہم نے تفسیر کی جلد اول یعنی مقدمہ تفسیر میں بعض عبارتیں درج کر دی ہیں اور اس تمام بحث کے بعد یہ چیز اظہر من الشمس ہے کہ اولوالامر کا مصداق سوائے خاندان عصمت کے اور کوئی نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور یہی وہ ہستیاں ہیں جو صفت عصمت سے متصف ہیں اور جن کی عصمت پر آیہ تطہیر خداوند کریم نے بطور مہر ثبت کر دی ہے اور اس آیت مجیدہ میں تمام ایمان والوں کو دعوت دی ہے کہ انہی کی اطاعت کرو اور انہی کو خدا اور رسولؐ کے بعد اپنا حاکم اور مقتدا سمجھو اور جناب رسالتؐ نے مقام غدیر خم پر ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں بازو سے پکڑ کر اعلان فرمایا مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیْ مَوْلَاہُ جو کہ تواتر سے ثابت ہے۔

جن لوگوں کی اطاعت کا حتمی طور پر خدا حکم دے ان کا کوئی معیار ہونا ضروری ہے۔ چونکہ

اولوالامر کا معیار | دین اسلام بنی نوع انسان کی دینی و دنیاوی فلاح و بہبود کا ضامن ہے پس وہ اولوالامر جن کی اطاعت اللہ کی طرف سے واجب ہو وہ ایسے ہوں جو دین و دنیا کی انسانی کامیابی میں انسان کے پیش رو بن سکیں جناب رسالتؐ چونکہ بنی نوع انسان کے دین و دنیا کے ہر دو شعبوں میں رہبر کامل تھے اور معصوم تھے اور نیز اولوالامر کی اطاعت کو بھی رسولؐ کی اطاعت کے برابر کہا گیا ہے تو گویا اولوالامر رسولؐ کی عدم موجودگی میں رسولؐ کے قائم مقام کی حیثیت سے انسانوں میں فرائض قیادت انجام دینے والے ہوں گے اور جس طرح رسولؐ انسانوں کے رہبر کامل تھے اسی طرح اولوالامر کو بھی رہبر کامل ہونا چاہیے اور رہبر کامل کے لئے جن جن اوصاف کا ہونا ضروری ہے وہ اولوالامر میں ہونی ضروری ہیں۔ اس لحاظ سے تمام انسان بحیثیت شاگرد کے اور رہبر کامل بحیثیت استاد کے ہوں گے۔

مکول کے لڑکے اپنی رہنمائی کے لئے اور کورس میں عبور اور کامیابی کے لئے خود اپنے میں سے کسی کو بحیثیت مدرس منتخب نہیں کر سکتے اور ایسا کرنے کے بعد قطعاً وہ کامیابی کے امیدوار نہیں ہو سکتے اور نہ لڑکوں میں ان کے ارباب حل و عقد یہ فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ سب کے سب محتاج ہی تعلیم حاصل کرنے کے اور قاعدہ ہے کہ فاقد الشیء معطی الشیء نہیں ہو سکتا۔ یعنی جس کے پاس ایک شئی موجود نہیں وہ اس شے کا دوسرے کے لئے داتا نہیں ہو سکتا۔ پس

مدرس سکول کے لئے ضروری ہے کہ اس میں ایک جوہر ہو اور اس کا ایک معیار ہو جس کے ماتحت وہ ان لوگوں کی تعلیم تربیت کے لئے اہل قرار دیا جاسکے۔ اسی طرح بیماروں کے علاج کے لئے ان ہی میں سے اربابِ حل و عقد ان کی بیماری کے علاج کے لئے کافی نہیں اور نہ ان کا اجماع کسی صحیح اور کامیاب پروگرام مرتب کرنے پر قادر ہو سکتا ہے بلکہ ان کے علاج کے لئے ایک ڈاکٹر کی ضرورت ہے جو ایک معیار پر فائز ہو۔ علیٰ ہذا القیاس تمام بنی نوع انسان بحیثیت روحانی مریض کے سمجھے یا انسانیت کی صحیح فطری تعلیم کے طالب علم سمجھے جنہیں خدا و رسول کی اطاعت کے بعد اولوالامر کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے اور دین و دنیا کی کامیابیوں کے لئے ان سے درس حاصل کر کے ان پر عمل پیرا ہونے کا ارشاد ہے۔

بعض جہال کہہ دیا کرتے ہیں کہ اگر اولوالامر سے مراد علی اور کچے بعد دیگرے ان کی نسل سے ائمہ طہرین ہوتے تو خدا نے ان کا نام بیان کر دیا ہوتا۔ یہ بات صرف عقل و فکر کے اندھے ہی کہہ سکتے ہیں کیونکہ جب ایک چیز کا معیار قائم ہو اور ان معیار کی صفات میں صرف چند افراد ہی امتیازی حیثیت کے حامل ہوں اور پھر کہا جائے کہ فلاں معیار والوں کی اطاعت واجب ہے تو کیا اب بھی کوئی شک و شبہ کی گنجائش ہے اور کوئی کہہ سکتا ہے کہ نام کیوں نہیں لیا گیا۔ مثلاً جب کہا جائے کہ جس کے پاس ڈاکٹری کی سند ہو علاج کے لئے اس کی طرف رجوع کرو اور پورے ملک میں سند صرف ایک ہی شخص کے پاس ہو تو کیا کسی صاحبِ انصاف کو کہنے کی مجال ہے کہ اس کا نام نہیں لیا گیا۔ بڑا سوال یہ ہے کہ نشاندہی نہیں کرائی اور نام نہیں لیا گیا۔ کیا جب یہ اہمیت نازل ہوئی تھی تو اس وقت صحابہ کو اس کے مصداق کی تعیین کی ضرورت نہ تھی۔ بلا ضرورت امور کے متعلق سوال کرتے تھے۔ مثلاً چاند کیا چیز ہے؟ اور رُوح کیا چیز ہے؟ وغیرہ تو اولی الامر کی تعیین کے متعلق کیا کسی نے سوال نہ کیا ہو گا کہ اربابِ حل و عقد کو اس کے حل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی؟ ہاں ضرور سوال کیا ہو گا بلکہ کیا تھا اور نشاندہی بھی کرائی گئی تھی۔ نیز خیم غدیر کا فرمان اسی سوال کا جواب تھا جو متواتر منقول ہے لیکن چونکہ منشاء کے مطابق نہ تھا اس لئے دبانے کی کوشش ہے اور زبان پر رٹ جاری ہے کہ حضور نے نشاندہی نہیں کرائی لیکن کیا اربابِ حل و عقد کی نشاندہی کرائی تھی تو چپ۔ ہاں نشاندہی بھی کرائی تھی نام بھی بتلائے تھے اور معیار بھی بیان کیا تھا لیکن ماننے کون؟

قرآن مجید میں اطاعت کے لئے جو خدا کی طرف سے معیار مقرر ہے وہ خدا نے ایک مقام پر اہل اسلام کے متنبہ کرنے کے لئے ذکر فرما دیا ہے۔ چنانچہ طاوت اور جالوت کا قصہ اس کا بین شاہد موجود ہے۔ جب نبی سے استدعا کی گئی کہ ہمارے لئے ایک واجب اطاعت حاکم مقرر کیا جائے تو نبی نے جواب دیا خدا نے اس معاملہ میں طاوت کو منتخب کیا ہے انہوں نے بل جُل کر طاوت کے خلاف محاذ قائم کیا اور اس کے انتخاب پر نکتہ چینی کی تو نبی نے معیار انتخاب واضح کر دیا کہ چونکہ وہ علی اور حسانی حیثیت سے ممتاز ہیں۔ لہذا وہ ہی اس عہدہ کے اہل و سزاوار ہیں۔ وہاں بھی اربابِ حل و عقد نے اجماع کیا اور نبی سے اپنے اجماعی فیصلہ کے منوانے کی سعی ملین کی لیکن نبی نے ان کی ہر بات کو ٹھکرا کر رکھ دیا اس کی تفصیلی بحث تفسیر کی تیسری جلد میں گذر چکی ہے۔

جب نبی نے کھلے لفظوں اور بابِ حل و عقد کے اجماعی فیصلہ کو رد کر دیا اور خدائی معیارِ انتخاب ان کے گوشِ گزار کر کے انہیں خاموش کر دیا اور خدا نے قرآن مجید میں اس واقعہ کو دھراتے ہوئے نبی کے اس فعل پر نکتہ چینی کرنے والوں کو مذمت کے لہجہ میں یاد فرمایا تو کیا یہ واقعہ خدا نے صرف قصہ خوانی کے طور پر قرآن مجید میں بھرتی کیا ہے اور کیا قرآن کی ہر ہر آیت اور اس کا پیش کردہ ہر مضمون اسلام والوں کی ہدایت کے لئے نہیں؟

اسی پارہ کے دوسرے رکوع کی پہلی آیت میں ارشاد ہے۔ **يُزَيِّدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سَبِيلَ** **الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ** الخ۔ یعنی خدا چاہتا ہے کہ تمہارے لئے بیان کرنے اور تمہیں چلائے ان لوگوں کے راستے پر جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں تو کیا طاقت کا انتخاب اور اربابِ حل و عقد کے اجماع کی تردید اور مذمت پہلے لوگوں کا قصہ نہیں جو ہمارے لئے ایک اسوۂ حسنہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت آدمؑ کی خلافت کا اعلان ہوتے ہی ملائکہ کا مقدس اجماع ان کی خلافت کے متعلق بارگاہِ رب العزت میں عرض گزار نہیں ہوا تھا جب ان کے سامنے معیارِ انتخاب پیش کیا گیا اور وہ تھا علم تو ملائکہ نے فوراً اپنا سوال واپس لے لیا تھا اور آدمؑ کے سامنے سرسجود ہو کر اپنی غلطی کی تلافی کی تھی۔ کیا قرآن کے اس قسم کے واقعات سے ہم درس عبرت نہیں لے سکتے کہ اولوالامر کے عہدہ کے لئے بھی وہی معیار ہونا ضروری ہے جو کسی خدا کی طرف سے واجب الطاعت انسان کے لئے ہونا ضروری ہے۔ آیت مجیدہ میں چونکہ رسولؐ کی اور اولوالامر کی اطاعت کا حکم مطلق ہے اور بلا قید ہے یعنی یہ نہیں کہ اگر جائز حکم دیں تو اطاعت کرنا ورنہ اطاعت ساقط ہے جس طرح والدین کی اطاعت کا حکم دیا لیکن پابندی لگادی کہ اگر ان کا حکم خدا کے دین کے خلاف ہو تو اس میں اطاعت ساقط ہے پس اولوالامر کی اطاعت میں یہ قید نہ لگانا اس امر کی دلیل ہے کہ دلی امر معصوم ہوگا ورنہ یہ قید ضرور لگادی گئی ہوتی تو آیت سے ثبوت ہوا کہ اولوالامر بھی رسولؐ کی طرح معصوم تھے ہیں اسی آیت مجیدہ سے پہلی آیت میں امانتوں کی ادائیگی اور رعایا کے درمیان عادلانہ فیصلے کا حکم ہے جس سے اولوالامر کا معیار خود بخود واضح ہو جاتا ہے اور اندازِ آیت بتلاتا ہے کہ اس آیت کا مخاطب وہ ہے جس کو حکومت تفویض ہوئی ہے پس اس میں ان صفات کا ہونا از بس ضروری ہے۔

- ۱، صفتِ عدل رکھتا ہو اور یہ صفت کما حقہ معصوم میں ہی ہو سکتی ہے جس سے غلطی کا امکان نہ ہو۔
- ۲، حکم کی نوعیت کو سمجھتا ہو اور خدائی فیصلہ کے ماتحت ان کے درمیان حکم کر سکتا ہو لہذا علم میں کمال رکھنا ضروری ہے۔
- ۳، فیصلہ کرنے میں جرأت سے کام لے سکتا ہو۔ اگر فیصلہ کسی کے خلاف ہو تو اس سے دب کر حق کو چھوڑنے والا نہ ہو پس صفت شجاعت ضروری ہے۔

۴، لوگوں کو اس پر اعتماد رکھی ہو۔ خائن نہ ہو۔ جیسی تو پہلے امانتوں کے ادا کرنے کا ذکر فرمایا ہے بلکہ خود فیصلہ و حکم کرنا بھی ایک امانت ہے۔

اس آیت کے بعد فوراً حکم دے دیا کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور اولوالامر کی اطاعت کرو تو سابق آیت صاف بتلاتا ہے اور قرآن مجید میں تھوڑا سا تدبیر اور فہم رکھنے والا انسان خود سمجھ سکتا ہے کہ یہاں اولوالامر سے مراد وہ انسان ہے جو گذشتہ آیت کا مصداق ہوتے ہوئے ان صفات مذکورہ بالا کا حامل ہو۔

صفت عدل کے متعلق آیت مبالغہ آیت تطہیر۔ آیت ولایت اور آیت صلوة وغیرہ پر مختصر عرض کیا جا چکا ہے کہ امت محمدیہ میں سے سوائے علیؑ اور اس کی یکے بعد دیگرے معصوم اولاد کے کوئی بھی اس صفت سے کما حقہ متصف نہیں ہے اور صفت امانت خود بخود اس ضمن میں آجاتی ہے۔

علم کے متعلق بحثیں کی جلد اول یعنی مقدمہ ص ۸۸، ۸۹ میں ہم نے بہت کچھ لکھا ہے جو منصف مزاج انسان کے لئے کافی ہے اور یہاں بھی احادیث کا دھرانا خالی از فائدہ نہیں۔

علامہ نے مسند احمد بن حنبل اور صحیح مسلم سے نقل کیا ہے کہ

لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ يَقُولُ سَلُونِي إِلَّا عَلَى بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا۔

جناب رسالتؐ کے صحابہ میں سے سلونی کا دعویٰ کرنے کی کسی کو جرأت نہ تھی سوائے علی بن ابی طالب کے اور جناب رسالتؐ نے فرمایا تھا میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔

اس پر فضل بن روز بہان جو ایک متعصب انسان گذرا ہے۔ کہتا ہے یہ حدیث حضرت علیؑ کے کثرت علم پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ کہ حضرت کو دلائل مختلفہ کے جوابات معلوم تھے اور متفرق علوم و معارف پر ان کو اطلاع تھی اور یہ سب باتیں مسلم ہیں لیکن یہ چیزیں حضرت علیؑ کی خلافت پر نص نہیں ہو سکتیں کیونکہ خلیفہ کے لئے علم ہونا ضروری نہیں بلکہ خلیفہ وہ ہونا چاہیے جو حوزہ اسلامیہ کو محفوظ رکھے اور امت کے لئے اصلح ہو اور اگر حضرت ابوبکر امت کے لئے اصلح نہ ہوتا تو لوگوں نے اس کو منتخب نہ کیا ہوتا۔

بریں عقل و دانش باید گریست۔ میں اس بے ہودہ قول کا جواب نہ دینا بہتر سمجھتا ہوں۔ سابق قرآنی معیار حکومت کے سامنے اس نظریہ کو رکھ کر صاحبان انصاف خود اندازہ کر لیں کہ عالم کے مقابلہ میں جاہل سے اصلاح کی توقع کیا ہو سکتی ہے اور کیا امت کا ایک بے علم کو انتخاب کر لینا خدا تعالیٰ کے معیار کو منسوخ کر سکتا ہے۔ حضرت طاہر علوی کے انتخاب پر نظر رکھیں۔ اور امت جن کو چننا چاہتی تھی۔ ان کی مذمت کو بھی ملحوظ رکھیں۔

۲۔ علامہ نے صحیح ترمذی سے نقل کیا ہے۔ أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا اور بعض روایات میں ہے۔ أَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا۔ اس کے نیچے فضل بن روز بہان کہتا ہے اس میں شک نہیں کہ علیؑ امت کے علماء میں سے تھے اور لوگ ان کی طرف علم میں محتاج تھے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ وہ متفائق و معارف اور علم کے پہنچانے میں جناب نبی

علیہ السلام کے دسی تھے (لیکن بایں ہمہ وہ خلافت کے حقدار نہیں تھے کیونکہ خلافت کے لئے علم کی ضرورت نہیں)
۳۔ سیوطی سے لکالی مصنوعہ میں حاکم سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔

مَنْ أَسَادَا أَنْ يَنْظُرَ إِلَى أَدَمَ فِي عِلْمِهِ وَنُوحَ فِي فَهْمِهِ وَإِبْرَاهِيمَ فِي جَلِيلِهِ وَيَحْيَىٰ فِي زُهْدِهِ وَمُوسَىٰ فِي بَطْشِهِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى عَلِيٍّ - جو دیکھنا چاہے آدم کو علم میں نوح کو فہم میں ابراہیم کو علم میں یحییٰ کو زہد میں اور موسیٰ کو طاقت میں تو علیؑ کو دیکھے۔

اس حدیث کی تردید فضل بن روز بہان جیسے متعصب سے بعید نہیں اس لئے کہ حضرت کی فضیلت اس کی آنکھ کا خار ہے اور ہم نے ثابت کیا ہے اپنے مقام پر کہ جب جناب رسالتؐ تمام عالمین کے رسول ہیں اور انبیاء سے افضل ہیں تو جو بھی ان کا صحیح قائم مقام اور جانشین ہوگا وہ عالمین کا امام ہوگا اور عالمین سے افضل ہوگا۔ مقدمہ تفسیر میں حدیث ثقلین کے بیان میں ملاحظہ فرمائیے۔

اس کے علاوہ حضرت عمرؓ نے متعدد مرتبہ اعتراض کیا کَوْلَا عَلِيٍّ لَهَذَاكَ عُمَرُ اور ابن عباس جبر الامت کا قول ہے مَا عَلَيَّ وَعِلْمُ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ فِي عِلْمِهِ عَلَىٰ إِلَّا كَقَطْرَةٍ فِي سَبْعَةِ أَبْحُرٍ کہ میرا اور جملہ اصحاب رسالتؐ کا علم حضرت علیؑ کے علم کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا سات سمندروں کے مقابلہ میں ایک قطرہ آب۔

صفت شجاعت۔ اسی جلد میں جنگ اُحد کے بیان میں بہت کچھ گزر چکا ہے۔ جنگ خندق میں انہیں کی ایک ضربت کو تمام امت کی یا ثقلین کی عبادت سے افضل قرار دیا گیا اور بروز خیبر حضرت علیؑ کے متعلق ہی رسولؐ نے فرمایا جس کو صحیح مسلم بخاری اور مسند احمد بن حنبل وغیرہ سے نقل کیا گیا ہے اِنِّي دَافِعُ الشَّيْطَانِ غَدَا إِلَى رَجُلٍ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيُحِبُّهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ كَسَرِ الْغَيْوَ فَسَارٍ لَا يَرْجِعُ حَتَّىٰ يَفْتَحَ اللَّهُ لَهُ۔ یعنی کل علم اس مرد کو دوں گا۔ جو اللہ و رسولؐ کا محب اور محبوب ہوگا جو کرار غیر فرار ہوگا اور نہ پلٹے گا جب تک کہ خدا اس کو فتح نہ عطا کرے گا۔ اسی حدیث کے متعلق فضل کہتا ہے یہ حضرت امیر علیہ السلام کے فضائل میں ایسی فضیلت ہے جس میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں اور اس قسم کے اور بھی بہت سے فضائل ہیں الخ

احادیث میں سیر کرنے والا اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والا خود بخود اس نظریہ پر پہنچ سکتا ہے کہ حضرت علیؑ امت محمدیہ میں تمام افراد امت سے افضل تھے۔ اور جملہ صفات کمالیہ میں اُن کی نظیر کوئی نہیں تھا۔ بشرطیکہ طبیعت میں انصاف ہو اور حسد و تعصب سے بالاتر ہو کر حقائق کا جائزہ لینے والا ہو۔ ورنہ اگر دھڑبندی اور پارٹی بازی کا لحاظ ہو تو حب الشیعی و یحییٰ یعنی شیعہ کی محبت انسان کو اندھا اور بہرہ کر دیا کرتی ہے، کے مقولہ کے ماتحت حتیٰ تک رسائی منکسر بلکہ محال ہے اور خصوصاً یہ صفات جو صاحبان حکومت الہیہ اور اولوالامر کے لئے ضروری ہیں۔ اس کے متعلق خود اکابر صحابہ کے اعترافات موجود ہیں اور متعصب ذہنیت کے لوگ فضل بن روز بہان جیسے بھی انکار نہیں کر سکتے تو اس کے بعد یہ کہنا کہ خدا

نے نام نہیں لیا۔ یا حضرت رسالتؐ نے نص نہیں فرمائی۔ صرف حق سے کنارہ کشی اور حقائق سے رد گردانی نہیں تو اور کیا ہے؟ نیز اسی آیت کا آخری جملہ ہے اگر تم کسی شے میں جھگڑا کرو تو اس کو خدا و رسولؐ پر رد کر دو فیصلہ وہ فرمائیں اسی پر عمل کرو اور ہمیں جب اولوالامر کی تعیین میں نزاع ہے کیوں نہ اس کا فیصلہ خدا اور رسولؐ سے کرالیں اور خدا و رسولؐ کا جب فیصلہ ہو جائے اور وہ صراحتاً بھی فرمائیں اور معیار کے ذریعے سے بھی بتائیں تو پھر ادھر ادھر جانا اور مہانے تلاش کرنا کیا فائدہ رکھتا ہے؟

اولوالامر کا مصداق حضرت علیؑ اور ان کی عترت طاہرہ کو اگر قرار دیا جائے جیسا کہ نصوص صریحہ اس پر دال ہیں۔ تو فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اس نظریہ کو غلط ثابت کرنے کے لئے ایک اور علمی مظاہرہ کیا ہے اور وہ یہ کہ خدا فرماتا ہے اولوالامر کی اطاعت کرو اور یہ ہے جمع کا صیغہ اور مذہب شیعہ کے نزدیک ایک وقت میں صرف ایک ہی امام ہو سکتا ہے لہذا اس لحاظ سے بھی اولوالامر سے مراد مذہب شیعہ کے بارہ امام نہیں ہو سکتے۔

یہ صرف تعصب اور حسد ہی ہے جس کو اگلا جا رہا ہے اس کو عوام بھی سمجھ سکتے ہیں کہ جب مجموع کی طرف ایک مجموع کا خطاب ہو تو اس سے مراد اپنے متعلقہ افراد ہی ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً حکومت دت کا حکم جاری ہوتا ہے کہ تمام رعایا کو چاہیے کہ افسروں سے تعاون کریں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ملک کے ہر فرد کے لئے ہر ہر افسر سے تعاون ضروری ہے بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر ملک کے باشندوں کے لئے اپنے مقامی افسر سے تعاون کرنا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری نہیں ہوتا کہ ایک ہی وقت میں ایک مقام پر زیادہ تعداد میں افسر مقرر کئے جائیں تاکہ رعایا کی طرف جمع کا خطاب صحیح ہو بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ جب ایک تبدیل ہو جائے اور دوسرا آجائے۔ پھر تیسرا پھر چوتھا۔ پس رعایا کو اپنے مقامی افسر کی ہر دور اور ہر زمانہ میں اطاعت اور اس سے تعاون کرنا ضروری ہے اور قرآن کریم کا لہجہ کوئی نیا نہیں۔ بلکہ یہ گفتگو عالم عرف کے ماتحت ہے۔ جس طرح فرماتا ہے اگر عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت یہ ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر شخص ہر عورت کو طلاق دے۔ اگرچہ صیغہ جمع کا ہے لیکن مقصد یہ ہے کہ اپنی منکوحہ عورت کو طلاق دو تو ان کی عدت یہ ہوگی۔ کہا جاتا ہے خدا نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی بھیجے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر فرد کے لئے وہ سب نبی بیک وقت تھے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ مجموعی طور پر ایسا ہوا ہے درنہ ہر ہر زمانہ کے لئے الگ الگ نبی تھے۔

خداوند کریم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ حافظوا علی الصلوٰۃ نمازوں پر محافظت کرو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سب نمازیں اکٹھی پڑھو۔ بلکہ جس نماز کا وقت آتا جائے اسے ادا کرتے جاؤ و علیٰ ہذا القیاس۔ اسی طرح یہاں بھی قیامت تک کے لئے جمیع امت کو خطاب ہے کہ اولوالامر کی اطاعت کرو یعنی ہر دور میں واجب الطاعات امام کی پیروی کرو۔ اور معیار اولی الامر متعلق تفصیلی بحث ہماری کتاب اسلامی سیاست میں ملاحظہ فرمائیں۔

اولوالامر کی تعیین

تفسیر برہان میں جابر بن عبد اللہ انصاری سے مروی ہے جب یہ آیت اَطِيعُوا اللّٰهَ نازل ہوئی تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ ہم نے اللہ اور اس کے رسول کو جان لیا۔

لیکن یہ فرمائیے کہ وہ اولوالامر کون ہیں؟ جن کی اطاعت آپ کی اطاعت کے ساتھ مقرون ہے تو آپ نے فرمایا۔ اے جابر وہ میرے خلفائے جو میرے بعد مسلمانوں کے امام ہوں گے۔ ان میں پہلا علی بن ابی طالب ہے۔ پھر حسن پھر حسین، پھر علی بن الحسین پھر محمد بن علی جو تورات میں باقر کے لقب سے معروف ہے۔ اے جابر تو اس کی زیارت کرے گا جب ان سے ملنا تو میرے سلام ان کو پہنچانا۔ پھر جعفر بن محمد صادق پھر موسیٰ بن جعفر پھر علی بن موسیٰ، پھر محمد بن علی بن محمد، پھر حسن بن علی پھر میرا بیٹا امام اور ہم کنیت محمد ہوگا۔ زمین پر حجۃ اللہ اور مخلوق میں بقیۃ اللہ ہوگا۔ حسن بن علی کا فرزند ہوگا۔ اس کے ہاتھوں پر خدا مشرق و مغرب کی فتح نصیب کرے گا۔ جو کافی عرصہ اپنے شیعوں اور دوستوں سے غائب ہوگا اور اس کی غیبت کے زمانہ میں اس کی امامت کے اقرار پر وہی ثابت قدم رہے گا۔ جس کا دل ایمان کے لئے امتحان کی کسوٹی سے پورا اتر گیا۔ جابر کہتا ہے میں نے عرض کی حضور! اس کی غیبت کے زمانہ میں اس کے وجود سے شیعوں کو کچھ فائدہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ جس نے مجھے برحق نبی بنا کر بھیجا ہے اس کی قسم شیعہ اس کے نور سے روشن ہوں گے اور اس کی دلا سے نفع مند ہوں گے جس طرح سورج بادل میں آکر مخلوق خدا کو نفع پہنچایا کرتا ہے۔

نیز البصیر سے مروی ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے اسی آیت مجیدہ کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے فرمایا یہ آیت حضرت علی اور امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کے حق میں اتری ہے تو میں نے عرض کی حضور! لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے علی اور اہلبیت کا نام کیوں نہیں لیا۔ آپ نے فرمایا۔ خدا نے نماز کا حکم دیا لیکن یہ نہیں بتایا کہ اس کی کتنی تین ہیں یا چار۔ پس جناب رسالتاؐ نے ہی تفصیل بیان فرمائی ہے اسی طرح زکوٰۃ کا خدا نے حکم دیا اور یہ نہیں کہا کہ چالیس درہم میں سے ایک دیا جائے تو رسالتاؐ نے تفصیل بیان کی۔ اسی طرح آیت اَطِيعُوا اللّٰهَ اتری اور جناب رسالتاؐ نے بیان فرمایا کہ یہ علی اور حسن اور حسین کے حق میں ہے۔ حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلَى مَوْلَاهُ اور نیز فرمایا میں تم کو کتاب خدا اور اہلبیت کی وصیت کرتا ہوں اور خدا نے میری دعا کو مستجاب فرمایا۔ پس یہ دونوں جدا نہ ہوں گی اور تمہیں جو حق کو ترک میرے پاس پہنچائیں گی۔ پس تم لوگ ان کو مت سکھانا یہ تم سے اعلم ہیں اور یہ تمہیں کبھی ہدایت سے گمراہی کی طرف نہ لے جائیں گے اور پھر حدیث کسار کے ذریعے سے آپؐ نے اہلبیت کی بھی تعین فرمادی تاکہ اہل فلاں اور اہل فلاں اہلبیت ہونے کا دعویٰ نہ کر دیں۔ چنانچہ اہلبیت کی عصمت پر نفس۔ آیت تطہیر نازل ہوئی۔ پس علیؑ سب سے اولیٰ تھے اور ان کے بعد امام حسن اور پھر امام حسین اور ان کے بعد ان کی اولاد یکے بعد دیگرے اور اُولُو الْأَرْحَامِ مَعْصُومِ اُولٰٓئِہِمْ کی تادیل جاری رہی۔ حدیث طویل تھی میں نے اختصار کے پیش نظر اس کا خلاصہ عرض کر دیا ہے۔ اسی مضمون کی احادیث بکثرت موجود ہیں ان میں سے بعض مقدمہ تفسیر میں بھی ذکر کی جا چکی ہے۔ یہاں تک یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اولوالامر

سے مراد حضرت علیؑ اور اس کی عترت طاہرہ ہے جو یکے بعد دیگرے عہدہ امامت پر فائز ہیں اور سب کے سب گناہان مغیرہ و کبیرہ سے پاک و معصوم ہیں اور اس وقت اس آیت مجیدہ کا مصداق حضرت ولی عمر صاحب الزمان عجل اللہ فرجہ علیہ السلام موجود ہیں جو ہماری آنکھوں سے غائب ہیں جب اللہ کا حکم ہوگا وہ ظہور فرمائیں گے۔ اور دنیا کو عدل و انصاف سے پُر کریں گے جس طرح کہ جو ردستم سے پُر ہو چکی ہے۔ اللہم عجل فرجہ واجعلنا من انصارہ۔

اس آیت مجیدہ کو بعض ذاکر و داعض پیش کر کے اس سے ثابت کرتے ہیں کہ اہلبیت طاہرین خالق ہیں ان کا استدلال اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ چونکہ خدا نے ان کو اولوالامر کہا ہے اور خدا نے اپنے امر کی تعریف کی ہے۔ اِنَّمَا اَمْرُهُ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ۔ یعنی خدا کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی کے متعلق ارادہ کرے کہ ہو جائے تو وہ چیز ہو جایا کرتی ہے جب خدا نے کہہ دیا یعنی امر کے مالک تو کُن کہنے والے یہی ہیں۔ اور انہی کے ارادہ اور امر کن سے مخلوق پیدا ہو رہی ہے وغیرہ وغیرہ

خداوند کریم ایسے عقیدہ رکھنے والوں کو ہدایت کرے جو مذہب امامیہ حقہ کو بدنام کرنے کے درپے ہیں انہیں یہ معلوم نہیں کہ یہ خدا کا امر تکوینی ہے اور امر تکوینی کا تعلق ذاتِ امر سے ہی ہوا کرتا ہے اور اہلبیت کو جس امر کا اختیار دیا گیا وہ امر تشرعی ہے ہاں اولوالامر میں الامر چونکہ مطلق ہے اس لئے ان کو یہ اشتباہ ہوا ہے لیکن یہ ان کی لاعلمی اور دیدہ دہنی کا ہی نتیجہ ہے کیونکہ امر تکوینی کبھی قابلِ نیابت ہو سکتا ہی نہیں اور جو امر قابلِ نیابت ہے وہ صرف امر تشرعی ہے۔ اور امر تکوینی کا ناقابلِ نیابت ہونا ہی اس کا مقید ہے۔ لہذا علیحدہ قید لگانے کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ چونکہ ایک علمی بحث ہے اس کا پھیلانا ناظرین کتاب کے لئے الجھن کا باعث ہوگا۔ لہذا اس مسئلہ کو یہیں ختم کرتا ہوں اور داعظین و ذاکرین کرام کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ وہ اپنے عقائد کو مضبوط کریں اور چاہت دنیا اور اس کے عارضی مفاد کی خاطر قرآن سے غلط نظریہ نہ خود قائم کریں نہ عوام کے عقائد کو تباہ کریں۔ خدا ہر شے کا خالق و مالک ہے اور محمد و آل محمد اس کی مخلوق ہیں سے افضل و برتر مخلوق ہیں اور اس کی جانب سے تمام کائنات کے حاکم ہے۔ ان کی ولا موجب جنت اور ان سے عداوت موجب جہنم ہے اور یہی شیعہ عقیدہ ہے۔

فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا كَيْفَ نَقُومُ ۚ أَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَاتُنا أَنْ قَدْ مَتَّ أَيْدِيَهُمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يُخْلِفُونَ

پھر کیسے جب انہیں پہنچے مصیبت بوجہ اس کے جو آگے بھیجا ان کے ہاتھوں نے تو پھر آجاتے ہیں قسمیں

بِاللّٰهِ إِنَّ أَرْدَنَّا إِلَّا أَحْسَنًا وَتَوْفِيقًا ﴿۲۲﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِي

اللہ کی کھاتے ہوئے کہ نہ تھا ہمارا ارادہ مگر احسان اور اتفاق کا یہ لوگ جانتا ہے اللہ وہ جو ان کے دلوں میں ہے

قُلُوبِهِمْ فَأَعْرَضُ عَنْهُمْ وَعِظُهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا

پس چشم پوشی کرو ان سے اور نصیحت کرو ان کو اور کہو ان کو ان کے نفسوں کے بارے میں آخری بات

بَلِيغًا ﴿۲۳﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا

اور منہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے بحکم خدا اور اگر وہ جب انہوں نے

أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا

اپنے نفسوں پر غصہ کیا تھا۔ تیرے پاس آجاتے پس اللہ سے خود بھی بخشش طلب کرتے اور طلب بخشش ان کیلئے رسول بھی کرتا پاتے

اصلاح کرے۔ پس جس شخص کی جس مجتہد جامع الشرط تک رسائی ہو سکتی ہو اور آسانی سے اس سے مسائل دریافت کر سکتا

ہو اس کی تقلید اس پر واجب ہے اور جو لوگ اعلم کی تعقید کے وجوب کا اعلان کرتے ہیں اُن کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اور معصوم کا فرمان عام ہے اس کی بلا دلیل تخصیص تصرف فی الدین ہے اور مسئلہ کی مزید وضاحت مقدمہ تفسیر میں ملاحظہ ہو۔

فَكَيْفَ إِذَا۔ روایات معاصرین علیہم السلام میں ان آیات کے مخاطبین وہ لوگ ہیں جنہوں نے اولوالامر کی تعیین

میں جناب رسالت کی عملی مخالفت کی اور آیات کا باہمی ارتباط بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ جب وہ حضور کی خدمت میں

پہنچتے ہیں تو اپنی غیر خواہی کی قسمیں کھاتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں جو بات ہے سو وہ ہے کہ جناب رسالت کی تسلی

کے لئے ارشاد ہے کہ ان کے دل کی باتیں میں جانتا ہوں۔ آپ اُن سے چشم پوشی اور درگزر کا معاملہ کرتے رہیں۔ اور ان کو

ان کے نفع یا نقصان کے متعلق صاف صاف بات بتا دیں اور وہ یہ کہ میری مخالفت میں تمہارا انجام بُرا ہوگا۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ۔ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ ۱۲ منافقین نے ایک جگہ جمع ہو کر آپس میں جناب رسالت کی

قتل کرنے کی تجویز پاس کی اور جبریل نے اگر حضور کو اطلاع دی پس آپ نے بھرے دربار میں فرمایا کہ تم میں سے

جن جن آدمیوں نے یہ مشورہ کیا ہے وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوں گے۔ لہذا کھڑے ہو کر اللہ سے معافی مانگ

لیں اور اپنے گناہ کا اعتراف کر لیں۔ تاکہ میں ان کے حق میں سفارش کروں لیکن کوئی نہ اٹھا اور حضور نے کئی دفعہ اپنے

رَحِيمًا ۲۳) فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا

اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان۔ ایسا نہیں تیرے رب کی قسم یہ لوگ ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک تیری حکومت نہ مانیں اپنے باہمی جھگڑوں میں

فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۲۴)

پھر نہ محسوس کریں اپنے دلوں میں تنگی اس سے جو تو فیصلہ کرے اور تسلیم کریں جس طرح تسلیم کا حق ہے

فرمان کو دھرایا لیکن کوئی نہ اٹھا۔ پس آپ نے نام لے لے کر فرمایا کہ تو کھڑا ہو تو کھڑا ہو اور آپ نے وہ بارہ آدمی گئے۔ پس انہوں نے کھڑے ہو کر اعتراف جرم کیا اور توبہ کا اظہار بھی کیا لیکن آپ نے فرمایا اب یہاں سے نکل جاؤ۔ خداوند کریم اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرما رہا ہے۔ واللہ اعلم۔ لیکن آیت عام ہے اور ہر دور میں اس کے مصداقات جاری ہیں اور ہر جرم کو توبہ کی طرف جلدی کرنے کی دعوت ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ ۲۳) یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ طاغوت کی طرف فیصلہ بھی لے جائیں اور اس کو حاکم بھی تسلیم کریں اور ان کا دعویٰ ایمان بھی سچا ہو۔ بلکہ ایمان دار نہیں ہو سکتے۔ جب تک آپ کی حکومت کو تسلیم نہ کریں۔

تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا وہ لوگ جنہوں نے علیؑ کی ولایت کے اعلان کے خلاف باہمی معاہدے کئے ہوئے تھے یہ آیت انہی کے متعلق ہے کہ وہ ایمان دار نہیں ہو سکتے جب تک کہ باہمی شجارت یعنی اختلافی امور میں آپ کی حکومت کو تسلیم نہ کریں اور علیؑ کی ولایت کے متعلق جو کچھ آپ فیصلہ فرما چکے ہیں اس کو بدل و جان قبول نہ کر لیں اور ولایت علیؑ کو اس طرح تسلیم کریں جس طرح تسلیم کرنے کا حق ہے۔

اور کافی سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ایک قوم اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت گزار ہو نمازیں پڑھنے والے، حجیں کرنے والے، زکوٰۃ دینے والے اور ماہ رمضان کے روزے رکھنے والے ہوں لیکن خدایا اُس کے رسولؐ کے کسی فیصلہ پر یہ کہہ دیں کہ ایسا کیوں کیا؟ بلکہ اس طرح کرنا نہیں چاہیے تھا یا اپنے دلوں میں بوجھ تنگی محسوس کریں تو یہ لوگ مشرک شمار ہوں گے۔ پھر آپ نے اپنے صحابہ سے متوجہ ہو کر فرمایا۔ تسلیم کو نہ چھوڑنا۔

جس طرح جناب رسالتؐ کے ہر فیصلہ پر کیوں کرنا یا اس سے دل تنگی انسان کو ایمان سے خارج

تنبیہ ۲۴) کر دیتی ہے اسی طرح ان کے بعد ان کے حقیقی خلفائے یعنی ائمہ طاہرینؑ کے فیصلہ کے اوپر نکتہ چینی یا ان کے کسی فرمان پر دل کی کرہن وغیرہ ایمان کی علامت نہیں بلکہ یہ منافق ایمان ہے اور اسی کو معصوم نے فرمایا ہے۔ کہ شرک میں داخل کرتی ہے۔ جبھی تو صحابہ کو تاکید کی کہ خبردار! تم تسلیم کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ ہمارے عوام میں یہ مرض عام ہے کہ جب ان کو کسی مسئلہ میں الجھن پیدا ہوتی ہے یا نفس اندہ کسی بات کو نہیں مانتا تو وہ ائمہ کے فیصلہ پر اعتراض کرتے

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوْ خَرُجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ فَأَفْعَلُوهُ

اور اگر ہم ان پر فرض کرتے کہ قتل کرو اپنے نفسوں کو یا نکل جاؤ اپنے گھروں سے تو نہ کرتے

إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَشَدَّ

سوائے چند کے ان میں سے اور اگر کرتے وہ جس کی نصیحت کئے گئے البتہ خوب ہوتا ان کے لئے اور زیادہ ثابت تھا

تَثْبِيلاً ۚ وَإِذَا لَاتَيْنَهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيماً ۖ وَلَهْدَيْنَهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيماً ۝

کا موجب اور پھر ہم ان کو عطا کرتے اپنی جانب سے اجر عظیم اور ان کو توفیق ثبات دیتے راہِ مستقیم پر

ہیں اور اُس کے فیصلہ کو خلاف عقل کہنے پر تعلق جاتے ہیں حالانکہ ہمارے عقول کی مجال نہیں کہ مسائل شرعیہ کے تمام مصالح کو سمجھ سکیں اور نہ ان پر ضروری ہے کہ ہر حکم کی مصلحت کو ہر شخص کے سامنے بیان کرتے رہیں۔ جہاں انہوں نے مناسب سمجھا صرف حکم کو بیان فرمایا اور وجہ بیان نہ کی بہر کیف مومن کا کام ہے تسلیم کرنا۔ پس جہاں ہمارے عقول ان کے فراموشی کی مصلحت سمجھنے سے قاصر ہوں تو یہ نہیں کہنا چاہتے کہ یہ حکم خلاف عقل ہے بلکہ کہنا چاہیے کہ حکم شرعی مطابق عقل ضرور ہے لیکن میری عقل اس کی مصلحت کو سمجھنے سے قاصر ہے اور یہی ہے ایمان و تسلیم۔

وَلَوْ أَنَّا تَفْسِيرُ مَجْمَعِ الْبَيَانِ مِیں اس کا معنی یہ کیا گیا ہے کہ اگر ہم ان پر اپنے نفسوں کا قتل اور گھروں سے جلا وطنی کا حکم صادر کرتے جیسا کہ قوم موسیٰ پر کیا تھا اور انہوں نے اس پر عمل کرتے ہوئے اپنے نفسوں کو قتل بھی کیا تھا اور گھروں کو چھوڑ کر تیبہ کی طرف نکل کھڑے تھے تو ان لوگوں سے یہ اُمید نہیں کہ عمل کریں۔ سوائے چند لوگوں کے اور وہ جناب رسالتؐ کے صحابہ کی ایک جماعت تھی جنہوں نے کہا تھا کہ اگر ہمیں ایسے سخت احکام دیئے جائیں تو ہم ماننے کو تیار ہیں۔ اور اللہ کی حمد ہے کہ اس نے ہمیں اس قسم کی سخت آزمائش سے محفوظ رکھا اور عبد اللہ بن مسعود اور عمار بن یاسر بھی انہیں میں سے تھے تو جناب رسالتؐ نے ان کے حق میں فرمایا۔ میری امت میں ایسے بندے بھی ہیں جن کے دلوں میں ایمان پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ہے اور تفسیر برہان میں ہے کہ حضرت علیؑ کی ولایت کے متعلق ہے۔ کہ کُوْنَا لَهُمْ فَعَلُوا ۖ یعنی اگر وہی کرتے جو انہیں کہا گیا ہے یعنی ولایت علیؑ کے بارے میں تو ان کے لئے خوب ہوتا۔ اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ امام کی تسلیم میں انہیں حکم دیئے جائیں تو سوائے چند آدمیوں کے کوئی بھی نہ مانے گا۔

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ تَفْسِيرُ مَجْمَعِ الْبَيَانِ مِیں اس کے شانِ نزول کے متعلق ہے کہ جناب رسالتؐ کا ایک ثوبان نامی غلام تھا جو آپ کی محبت میں دلیانہ تھا۔ ایک دن حضورؐ نے دیکھا کہ اس کا رنگ متغیر اور جسم کمزور ہے۔ آپ نے

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

اور جو اطاعت کرے اللہ و رسول کی تو وہ ساتھ ان کے ہوں گے جن پر انعام کیا اللہ نے

مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ

نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور نیکوں میں سے اور بہترین ہے اُن کا

رَفِيقًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا ۝

ساتھ یہ فضل ہے اللہ سے اور کافی ہے اللہ جاننے والا

درجہ پوچھی تو غلام نے عرض کی حضور! نہ مجھے بیماری ہے نہ دردِ حقیقت یہ ہے کہ مجھے آپ کے دیدار کے بغیر آرام نہیں آتا۔ اور جب میں آخرت کو یاد کرتا ہوں تو خیال گذرتا ہے کہ شاید وہاں آپ کے دیدار سے محروم ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ کا درجہ نبیوں کے ساتھ بلند ہو گا اور میں اگر جنت میں گیا تو یقیناً آپ کی منزلت سے کہیں بہت منزل میں ہوں گا اور اگر جنت سے محروم ہو گیا تو آپ سے اور زیادہ دُور ہو جاؤں گا۔ پس اسی فکر میں ہوں تب یہ آیت نازل ہوئی۔

تفسیر برہان میں عیاشی سے منقول ہے۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا اللہ پر حق ہے کہ ہماری دلا والوں کو نبیوں، صدیقیوں، شہیدوں اور صالحین کا درجہ

کا رفیق بنائے۔

وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا۔ ابن بابویہ سے مروی ہے جناب اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہ کہتی ہیں۔ میں نے جناب رسالتؐ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے فرمایا نَبِیِّیْنِ سے مراد میں ہوں اور صِدِّیقِیْنِ سے مراد علیؑ ہے۔ اور شہداء سے مراد حسن و حسینؑ ہیں۔ صالحین سے مراد حمزہ اور بہترین ساتھ ائمہ عشر ہیں۔ آیت میں جمع کے صیغوں سے استنباء نہ کیا جائے کیونکہ حضورؐ نے اپنی امت کے لئے آیت مجیدہ کے مصداق تفسیر باطن کے لحاظ سے بیان فرمائے۔ واللہ اعلم

بعض روایات میں نبیین کا مصداق جناب رسالتؐ اور صدیقین و شہداء کا مصداق ائمہ طاہرینؑ اور صالحین کا مصداق شیعہ اہلبیت کو کہا گیا ہے جیسا کہ کافی سے بروایت ابوبصیر امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اور آپ نے فرمایا۔ اے ابوبصیر جس طرح خدا نے تمہیں صالحین کے خطاب سے ذکر کیا ہے۔ تم خود بھی صالحین میں اپنا نام پیدا

کہو اور بعض روایات میں نبیین سے مراد جناب رسالتاں اور صدیقین سے مراد حضرت علیؑ اور شہداء سے مراد حضرت حمزہؓ اور صالحین سے مراد عترتِ طاہرہ لی گئی ہے۔ جیسا کہ بروایت امالیٰ شیخ کتاب مصباح الانوار سے منقول ہے کہ انس بن مالک کے سوال کے جواب میں جناب رسالتاں نے آیت مجیدہ کی تفسیر بیان فرمائی اور یہ مصداق بیان فرمائے (بہر کیف اس قسم کے اختلاف رواۃ حدیث سے ہو جایا کرتے ہیں اور مقصد ایک ہی ہے۔)

روایت مذکورہ میں انس کہتا ہے کہ جب آپؐ آیت کے الفاظ کے مصداق بیان کر چکے تو آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ جو حاضر مجلس تھے اور کھڑے ہوئے تھے

خلقتِ نوری کی تفصیل

اور حضورؐ کے قریب اگر سامنے بیٹھ گئے۔ پھر عرض گزار ہوئے حضورؐ کیا میں اور آپؐ اور علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ علیہم السلام سب ایک درخت سے نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا اس سوال کا مطلب؟ تو عباسؓ نے عرض کی حضورؐ! صرف علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کی ہی تعریف فرما رہے ہیں؟ حضورؐ ہنس پڑے اور فرمایا یہ درست ہے کہ ظاہری خلقت میں ہم ایک درخت سے ہیں۔ لیکن عم بزرگوار! خدا نے مجھے علیؑ فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کو خلقتِ آدمؑ سے پہلے خلق فرمایا جب نہ آسمان کی بنیاد تھی نہ زمین کا فرش، نہ ظلمت تھی نہ نور اور نہ جنت تھی نہ نار اور نہ شمس و قمر تھے۔ پس عباسؓ نے خلقتِ نوری کی تفصیل دریافت کی تو آپؐ نے فرمایا جب اللہؑ نے ہماری تخلیق کا ارادہ فرمایا تو پہلے نور کو پیدا کیا اور پھر روح کو خلق فرمایا اور ان دونوں کو ملا کر مجھے اور علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو پیدا کیا۔ پس ہم اس وقت تسبیح گذارتے تھے جب تسبیح نہ تھی اور اس وقت ہم اس کی تقدیس کرنے والے تھے جب تقدیس نہ تھی (تقدیس کرنے والا کوئی نہ تھا) پس جب مخلوق کو خلق فرمانا چاہا تو میرے نور سے عرش کو پیدا کیا۔ پس عرش کا نور میرے نور سے ہے لہذا میرا نور عرش سے افضل ہے پھر علیؑ کے نور سے ملائکہ کو خلق فرمایا۔ پس ملائکہ کا نور علیؑ کے نور سے ہے اور علیؑ کا نور اللہؑ کے نور سے ہے لہذا ملائکہ کے نور سے علیؑ کا نور افضل ہے۔ پھر زمین و آسمان فاطمہؑ کے نور سے ہیں اور فاطمہؑ اللہؑ کے نور سے ہے لہذا فاطمہؑ آسمانوں اور زمین سے افضل ہے۔ پھر حسنؑ کے نور سے شمس و قمر پیدا ہوئے۔ پس شمس و قمر کا نور حسنؑ کے نور سے ہے اور حسنؑ کا نور اللہؑ کے نور سے ہے لہذا حسنؑ شمس و قمر سے افضل ہے۔ پھر حسینؑ کے نور سے جنت اور حور العین کو پیدا کیا تو جنت و حور حسینؑ کے نور سے ہیں اور حسینؑ اللہؑ کے نور سے ہے لہذا حسینؑ جنت و حور سے افضل ہے۔ پھر ظلمات کو حکم دیا کہ بھا جائیں چنانچہ آسمانوں میں تاریکی بھاگئی اور ملائکہ تسبیح و تقدیس کے ذریعہ سے بارگاہِ رب العزت میں عجز و انکساری سے عرض گزار ہوئے۔ اے ہمارے الہ و سید۔ جب سے تو نے ہمیں خلق فرمایا اور ان پاک و انوار کی معرفت عطا کی۔ آج تک ہم نے یہ مصیبت نہیں دیکھی۔ پس ان پاک انوار کے واسطے سے اس ظلمت کو دور فرما۔ پس خدا نے نور فاطمہؑ سے ایک قندیل نور کو ظاہر کر کے زیرِ عرش اودیا کیا جس سے آسمان و زمین منور ہو گئے اور اسی لئے اس کو زہرا کہا جاتا ہے ملائکہ نے عرض کی پروردگار! یہ نور ظاہر کسی

ہے جس سے زمین و آسمان روشن ہو گئے۔ تو وحی ہوئی کہ یہ نور میں نے اپنے نور جلال سے خلق فرمایا ہے۔ میری کنیز جو میرے حبیب کی دختر میرے ولی کی زوجہ اور میرے برگزیدہ اکثمہ کی ماں ہے اس کا نور ہے اور تمہیں شاہد بنا کر کہتا ہوں۔ اے ملائکہ! تمہاری تمام تسبیح و تقدیس کا ثواب اس پاک بی بی اور قیامت تک کے اس کے شیعہ و محب لوگوں کے لئے ہوگا۔ پس جب یہاں تک پہنچے تو عباس اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت علیؑ کی پیشانی کا بوسہ لیتے ہوئے کہنے لگے۔ یا علیؑ خدا کی قسم خدا اور قیامت پر ایمان رکھنے والوں کیلئے تو ہی حجت بالغہ ہے۔

ادائے نمانت والی آیت کے بعد کی تمام آیات کا تسلسل اور روانی بتلاتی ہے کہ ان آیات میں اولوالاثر کی اطاعت پر زور دیا گیا ہے اور اس معاملہ میں تسلیم کی تائید کی گئی ہے جیسا کہ اکثمہ طاہرین علیہم السلام کے فرامین تائیدی طور پر پیش کئے جا چکے ہیں۔ ہاں بعض آیات کے شان نزول کے خصوصی واقعات آیات کو انہی موارد پر بند نہیں کر سکتے کیونکہ قرآن تاقیامت زندہ ہے اور اس کے مصادیق تاقیامت موجود ہونے ضروری ہیں۔ اسلوب قرآن سے واقفیت رکھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ ان آیات میں ایسی چیز کے متعلق پُر زور تاکید کی گئی ہے جس کے ماننے سے دعویٰ ایمان کرنے والے کتراتے تھے اور ان کے دلوں میں کڑھن پیدا ہوتی تھی اور ظاہر ہے کہ نماز روزہ حج اور جملہ واجبات و محرمات میں مومنین نے کبھی جی نہیں چرایا تھا اور خدا نے ان جی چرانے والوں کو منافق کے خطاب سے بھی ذکر کیا اور رسولؐ کو ان کی تفہیم کا بار بار ارشاد فرمایا اور آخر کار کھلے لفظوں فرمایا کہ تمہارا ایمان ہرگز قابل قبول نہیں۔ جب تک رسولؐ کے فیصلہ کو بدل و جان قبول نہ کر لو گے۔ یہاں تک کہ تمہارے نفسوں پر ان کا بوجھ تک نہ رہے اور کتب سیر و تاریخ صاف بتلاتی ہیں کہ وہ صرف حضرت علیؑ کی خلافت تھی جس کا آپ وقتاً فوقتاً اعلان فرماتے تھے اور آخر نتیجہ وہی ہوا۔ جس کی پیشین گوئی قرآن کریم ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ أَوْ تَنْفِرُوا جَمِيعًا ﴿٤١﴾

اے ایمان والو! لگاؤ ہتھیار پس روانہ ہو دستے دستے ہو کر یا اکٹھے (شکر بن کر)

وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيَبْطِلَنَّ فَإِنْ أَصَابَكُمْ مَصِيبَةٌ قَالُوا قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْنَا

اور تحقیق بعض تم سے (جو منافق ہیں) پیچھے رہتے ہیں پس اگر تمہیں پہنچے مصیبت تو کہتے ہیں خدا کا احسان ہے

إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا ﴿٤٢﴾ وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللَّهِ لَيَقُولُنَّ

مجھ پر کہ میں نہ تھا ان کے ہمراہ حاضر اور اگر بڑے تمہیں اللہ کا فضل (غنیمت) تو کہتا ہے اس طرح جیسے دشمنی

كَانَ لَمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يَلَيْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا

تمہارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی اے انوس میں ان کے ہمراہ ہوتا تو حاصل کرتا

عَظِيمًا ﴿٤٣﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا

بڑی کامیابی پس لڑنا چاہیے اللہ کی راہ میں ان لوگوں کو جو بیچتے ہیں زندگی دنیا کے

بِالْآخِرَةِ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُكْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٤٤﴾

بدلے آخرت کے اور جو لڑے راہ خدا میں تو قتل کیا جائے یا فتح مند ہو عنقریب دیں گے اسے اجر عظیم

یہ آیات پھر جہاد کی ترغیب اور تیاری کے لئے ہیں۔

رکوع نمبر ۷

قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ - جمع السببان اور برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر

تمام اہل آسمان و زمین مل کر یہ کلمہ کہہ دیں کہ خدا کا احسان ہے کہ ہم رسول اللہ کے ہمراہ نہ تھے تو سب کے سب مشرک ہو جائیں گے۔

كَانَتْ لَمْ تَكُنْ - بعض کہتے ہیں کہ یہ جملہ یہاں معترضہ ہے اور اس کا ربط پچھلی آیت کے ساتھ ہے۔ یعنی کلام میں تقدیم و تاخیر ہے کہ منافق جو پیچھے رہ جاتا ہے کہتا ہے شکر ہے کہ میں ان کے ہمراہ نہ تھا ورنہ میں بھی مبتلائے مصیبت ہوتا اور یہ فقرہ اس طرح دریدہ دہنی سے کہتا ہے گویا اس کا اور تمہارا کسی وقت آپس میں دوستانہ ہی نہ تھا۔ اور اگر تم فتح یاب ہو جاؤ اور غنیمت لے آؤ تو کہتا ہے کاش میں بھی ان کے ہمراہ ہوتا۔ تو میرا بھی اس غنیمت میں حصہ ہوتا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ تقدیم و تاخیر نہیں اور جملہ اپنے مقام پر ہے مقصد یہ ہے کہ جب مومنوں کو غنیمت ملے تو اس طرح

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

اور تمہیں کیا ہے کہ نہیں لڑتے اللہ کی راہ میں اور کمزور مردوں اور عورتوں

وَالْوُلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا

اور بچوں کے لئے جو دعا مانگتے ہیں اے پروردگار نکال ہمیں اس بستی سے کہ ظالم ہیں اس کے باشندے

وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ۝۱۵۱

اور مقرر کر ہمارا اپنی طرف سے ولی اور مقرر کر ہمارا اپنی طرف سے مددگار جو لوگ

أَمْنُوا يَقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ لَطَاعُوتٍ فَقَاتِلُوا

ایمان لائے وہ لڑتے ہیں راہ خدا میں اور جو لوگ کافر ہیں لڑتے ہیں راہ شیطان میں پس لڑو

أُولِيَاءَ الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ۝۱۵۲

شیطان والوں کے ساتھ تحقیق مکر شیطان کا کمزور ہے

جیسے تمہاری اور اس کی آپس میں کوئی راہ درسم ہی نہ ہو صرف لاپچ دنیا کیلئے کہتا ہے۔ کاش میں بھی اس کے ساتھ ہوتا ہر دھمکتے میں

لَقَوْلِكَ كَمَا قَوْلُهُ يَلْتَمِئُ هِيَ ہے اور دوسرے ترجمہ کی صورت میں جملہ کَانَ لَمْ تَكُنْ موضع نصب میں حال واقع ہوگا۔

رَبَّنَا أَخْرِجْنَا تفسیر برہان میں بروایت عیاشی امام زین العابدین سے مروی ہے کہ حضرت خدیجہ کا ہجرت سے

ایک سال قبل انتقال ہوا اور اس کے ایک سال بعد حضرت ابوطالب کا انتقال ہوا۔ پس حضرت رسالتؐ سخت رنجیدہ خاطر

ہوئے تو وحی ہوئی کہ أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا۔ یعنی اس ظالم لوگوں کی بستی سے نکل جاؤ۔ اور

مدینہ کی طرف ہجرت کر جاؤ کیونکہ مکہ میں تمہارا ناصر اب کوئی نہیں رہا۔

وَالْمُسْتَضْعَفِينَ تفسیر برہان میں صادقین علیہا السلام سے منقول ہے کہ اس کے مصداق ہم میں (باعبار مصداق باطنی کے)

رَبَّنَا حضورؐ کی ہجرت کے بعد کچھ مومن مکہ میں رہ گئے جو کمزور تھے اس طرح کچھ عورتیں اور بچے جن کو کفار ظلم ستم کا نشانہ بناتے تھے

وہ کہتے تھے کہ یہ دردگارا! ہمیں اس بستی سے نجات دے جس کے باشندے ظالم ہیں تو خدا نے ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا

چنانچہ مکہ فتح ہوا اور وہ مسلمان ظلم کے شکنجے سے نجات یافتہ ہوئے اور خدا اسی طرح ولی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔

إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کے پیروکاروں کے پاس دلیل و برہان نہیں ہوا کرتی۔

بلکہ وہ شک و شبہات کی بناء پر لڑتے رہتے ہیں اور مومنوں کے پاس اپنے مذہب و عقیدہ کے لئے مضبوط دلائل

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقْبِسُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا

کیا نہیں دیکھا ان کو جنہیں کہا گیا کہ روک لو اپنے ہاتھ (رٹائی سے) اور قائم کرو نماز کو اور دو

الزَّكَاةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ

زکوٰۃ پس جب فرض ہوئی ان پر رٹائی تو ایک گروہ ان کا ڈرتا ہے لوگوں سے

كَخَشِيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كُتِبَ عَلَيْنَا الْقِتَالُ

اللہ کے ڈر کی طرح یا اس سے بھی سخت اور کہتے ہیں اے رب کیوں فرض کی تو نے ہم پر رٹائی

لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ

کیوں نہیں ٹال دیا اسے کچھ وقت تک فرما دیجئے دنیا کا نفع تھوڑا ہے اور آخرت

ہوتے ہیں جو ان کے ثبات قدمی کا باعث بنتے ہیں۔

أَلَمْ تَرَ - جب کہ میں قریش کے غلام سے سلمان تنگ آتے تھے تو جناب رسالتؐ سے درخواست کرتے تھے

کہ ہمیں جہاد کا حکم دیجئے اور آپ انہیں نماز و زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے ابھی جنگ کا حکم نہیں آیا جب

میں سے ہجرت کر کے مدینہ میں پہنچے اور بدر کی لڑائی کا حکم ہوا تو پھر کہنے لگے جہاد کیوں فرض ہو گیا ہے ابھی کچھ اور مہلت

دی جاتی تو اچھا تھا۔ شان نزول خواہ کچھ ہو آیت قیامت تک چلے گی اور اس پر عمل کرنے والے قیامت تک ہوں گے

اور ہر زمانہ میں ایسے لوگ ہوا کرتے ہیں جن کو یہ آیت تنبیہ کرتی چلی جا رہی ہے۔ اسی بناء پر تفسیر برہان میں متعدد

روایات ہیں جن میں اس کا مصداق امام حسین علیہ السلام کے زمانہ والوں کو قرار دیا گیا جبکہ جہاد ان پر فرض تھا لیکن کوتاہی کر گئے

ایک روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا کیا تم راضی نہیں ہو کہ نماز ادا کرو اور زکوٰۃ دو

اور اپنی زبانوں کو محفوظ رکھو اور ان کے نتیجہ میں جنت پہنچو۔ اپنے موالیوں کو خطاب کر کے فرمایا خدا کی قسم اس آیت کے اہل تم ہو

تفسیر صفائی میں عیاشی سے منقول ہے کہ امام حسن کے زمانہ میں لڑائی سے ہاتھ روکنے کا حکم ہوا۔ اور امام حسین

کے ساتھ جہاد کا حکم ہوا اور آیت مجیدہ کے وہ لوگ بھی مصداق ہیں۔

عوام کو دھوکا میں ڈالنے کے لئے شاہ عبدالقادر نے کفو ایڈیکس کا ترجمہ کیا ہے اپنے ہاتھ بند رکھو اور قائم کرو نماز اور تھانوی نے ترجمہ کیا ہے اپنے ہاتھوں کو تھامے۔ ہوا نمازوں کی پابندی رکھو

تنبیہ

خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝ اِنَّ مَا تَوْأَدُّ رُكْمُ الْمَوْتِ وَلَوْ كُنْتُمْ

بہتر ہے اس کے لئے جو تقویٰ کرے اور نہ ظلم کئے جاؤ گے مگر بھی جہاں بھی ہو گے پائے گی تمہیں موت اگرچہ ہو گے

فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ ۖ وَاِنْ تُصِيبَهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

ایسے قلعوں میں جو مضبوط ہوں اور اگر ان کو پہنچے اچھائی تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے

وَاِنْ تُصِيبَهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

اور پہنچے ان کو برائی تو کہتے ہیں یہ آپ کی جانب سے ہے فرما دیجئے سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے

فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ۝ مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ

پس کیا ہے ان لوگوں کو کہ بات نہیں سمجھ پاتے؟ جو کچھ پہنچے تمہیں اچھائی تو

تاکہ جہاں تحت اللفظی ترجمہ دیکھ کر یہ سمجھیں کہ قرآن مجید نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم دے رہا ہے حالانکہ بالکل غلط بلکہ بہتان عظیم ہے اور مفسرین اہلسنت مثلاً فخر الدین رازی اور بیضاوی وغیرہ نے صاف لکھا ہے کہ اس سے مراد ہے جنگ سے ہاتھ روکو اور نماز زکوٰۃ کی پابندی کرو

وَاِنْ تُصِيبَهُمْ ۖ جب یہودیوں کے پھیلوں اور زراعت میں کمی واقع ہوتی تھی تو کہا کرتے تھے کہ یہ حضرت محمدؐ کی وجہ سے ہے اور جب آبادی اچھی ہوتی تو کہتے تھے یہ اللہ کی جانب سے ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جنگ احد میں جو خسارہ پہنچا ہے وہ آنحضرتؐ کی جانب سے ہی ہے لیکن غنیمت حاصل ہونے پر کہتے تھے یہ اللہ کی طرف سے ہے ممکن ہے ہر دو فریقین کی باتوں کو نقل کیا جا رہا ہو اور اسی کو علامہ طبرسی نے ترجیح دی ہے۔

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ ۖ یہ خطاب جناب رسالتؐ کی طرف سے ہے اور مراد امت ہے یا یہ کہ مطلق انسان کو خطاب ہے کہ جو اچھائی ہے وہ اللہ کی جانب سے ہے اور جو برائی ہے وہ خود تیرے نفس کی جانب سے ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں خدا نے ہر اچھائی و برائی کو اپنی جانب منسوب فرمایا ہے۔ اور دوسری آیت میں تفریق کر دی ہے کہ اچھائی کو اپنی جانب اور برائی کو بندے کی طرف منسوب کر دیا ہے یہ کیوں؟ تو صادقین علیہا السلام نے اس کا حل اس طرح فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں حسنات و سیئات کو دو طریقوں پر استعمال کیا گیا ہے۔ صحت سلامتی امن اور وسعت رزق کو حسنات کہا ہے اور مرض خوف بھوک اور تکلیف وغیرہ کو

فَمِنْ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ

اللہ سے ہوگی اور جو کچھ پہنچے تمہیں برائی وہ تمہارے اپنے نفس سے ہوگی اور بھیجا ہے ہم نے آپ کو

رَسُولًا وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ

لوگوں کیلئے رسول اور کافی ہے اللہ گواہ جو اطاعت کرے گا رسول کی تو تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت

وَمَنْ تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِظًا ۝ وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا

کی اور جو اٹھتا تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو نگران اُن پر اور زبانی کہتے ہیں اطاعت قبول اور جب نکلتے

سیئات سے تعبیر کیا ہے جس طرح کہ مومن علیہ السلام کی قدم کے مقولہ کو نقل فرمایا: وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطِئُوا وَرَبُّهُمْ وَمَنْ مَعَكَ لَهُ بَرَاءٌ كِي بَدَشْغُونِي كُو حَضْرَتِ مَوْسَى اَوْر اَن كُو سَاتَفِيوُن سُو مَسُوْب كُو تُو هِي اَوْر دُو سَر اَطْرِيقُو يُو هُو كُو اَن سَانُوُن كُو نِيك اَعْمَالُو كُو حَسَنَات اَوْر بَد اَعْمَالُو كُو سِيَّات سُو تَعْبِير كِيَا هُو ۔

پس پہلی آیت میں حسنات و سیئات کا پہلا معنی ملحوظ ہے اور دوسری آیت میں دوسرا معنی مراد ہے ۔ یا کہ دوسری آیت میں حسنات و سیئات سے عام مراد ہو ۔ پس حسنات تو اللہ کی جانب سے ہیں دونوں معنوں کے اعتبار سے لیکن سیئات تو وہ پہلے معنی کے لحاظ سے اگرچہ ہیں اللہ کی طرف سے لیکن چونکہ وہ انسانوں کے بعض کرداروں اور غلط کاریوں کے نتیجے میں ہوتے ہیں اس لئے وہ بندوں کی طرف بھی منسوب ہو سکتی ہیں ۔ اور سیئات کا دوسرا معنی تو بندوں کے سوء اختیار کا چونکہ نتیجہ ہے اس لئے ان کی طرف منسوب ہیں بلکہ اس صورت میں بھی اس لحاظ سے اللہ کی طرف ان کی نسبت ہو سکتی ہے ۔ کہ افعال بد کی بنیادی طاقتیں اللہ کی جانب سے عطا شدہ ہیں ۔ پس دونوں آیتوں میں نسبت کی حیثیت الگ الگ ہیں ۔

مجمع السببان میں جناب رسلالتائب سے مروی ہے کہ انسان کو لکڑی سے کوئی خراش پہنچے یا رگ میں کوئی تکلیف ہو یا قدم پھسل پڑے تو وہ کسی گناہ کا بدلہ ہوا کرتا ہے اور خدا اس سے زیادہ معاف بھی کر دیتا ہے ۔ اور اس مطلب کی احادیث ائمہ طاہرین سے بھی مروی ہیں ۔

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ :- تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا چوٹی کی بات اور انتہائی کام کی بات جو تمام باتوں کی کلید کی حیثیت سے ہے اور جس میں اللہ کی خوشنودی مضمر ہے وہ ہے امام کی اطاعت اور معرفت چنانچہ خدا اسی آئینہ مجید میں فرما رہا ہے اگر کوئی شخص عمر بھر رات کو عبادت کرے

مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ وَاللَّهُ يَكْتُبُ

ہیں آپ کے پاس سے تو رات کو بٹھان لیتا ہے ایک گروہ ان کا آپ کے فرمان کی مخالفت اور اللہ محفوظ کر

مَا يَبَيِّتُونَ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿۸۰﴾

لیتے ہیں وہ جو رات کو کام کرتے ہیں پس ان سے درگزر کیجئے اور توکل کیجئے اللہ پر اور کافی ہے اللہ دکیل

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ

کیا تدبر نہیں کرتے قرآن میں اور اگر یہ ہوتا غیر اللہ کی طرف سے تو پاتے اس

اور دن کو روزہ سے رہے اور تمام مال راہ خدا میں خرچ کر دے اور جہیں بھی کرتا رہے لیکن اللہ کے ولی کی معرفت نہ رکھتا ہو اور اس کا مالی نہ ہوتا کہ اس کے اعمال ایسی کی رہبری سے ہوں تو اللہ پر اس کے اعمال کا کوئی بدلہ نہیں ہے اور نہ وہ اہل ایمان سے ہے۔ ہاں ان میں سے بعض نیکوں کو اپنے فضل سے جنت دے گا (شاید ان بعض سے مراد وہ لوگ ہوں جن کے کان میں کلمہ حق نہ پہنچا ہو اور اہلبیت سے اعلانیہ عداوت بھی نہ رکھتے ہوں۔ واللہ اعلم ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا نے تمام معاملات جناب رسالت کے سپرد فرمائے چنانچہ فرمایا وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا اور فرمایا مَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ اور جناب رسالت نے معاملہ حضرت علی اور باقی ائمہ طاہرین کے حوالہ فرمایا پھر اپنے صحابیوں سے متوجہ ہو کر فرماتے ہیں) تم نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے اور لوگوں نے انکار کیا ہے۔ پس خدا کی قسم ہم محبوب رکھتے ہیں کہ جو ہم کہیں تم کہو اور جس سے ہم خاموش رہیں تم بھی خاموشی اختیار کرو۔ ہم اللہ اور تمہارے درمیان وسیلہ ہیں۔ (الحديث)

بَيَّتَ طَائِفَةٌ۔ کافی سے مروی ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا اس سے مراد تین شخص ہیں۔

فلاں اور فلاں اور ابو عبیدہ جراح۔

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام نہیں

ان کو دعوت غور و فکر دی گئی ہے کہ ذرا قرآن کے معانی

قرآن میں تدبر کرنے کی دعوت

میں ان کے نظم و نسق میں فکر کر کے تو دیکھیں قرآن مجید میں جس قدر احکام بیان ہوئے ہیں ایک دوسرے سے ان کا ایسا جوڑ ہے کہ ان میں کہیں تصادم و اختلاف نہیں نہ ان میں کوئی عقلی خرابی ہے اور نہ لفظی سقم ہے انسان

اِخْتَلَفًا كَثِيرًا ۝۱۱۰ وَ اِذَا جَاءَهُمْ مُّرْسِلًا مِنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اذْعَلُوهُ

میں اختلاف بہت اور جب آئے ان کے پاس بات امن کی یا ڈر کی تو اسے پھیلاتے ہیں
کو امور خیر کی دعوت ہے اور امور شر سے ممانعت کی گئی ہے۔ حسن اخلاق نیکی اور زہد کی ترغیب سے بھرپور ہے
اور جہاں اخبار و قصص کا بیان ہے وہ سب معنی بر صدق و حقیقت ہیں۔ علاوہ ازیں فصاحت لفظی سلاست اور
معنوی اسلوب بیان میں جس معیار پر یہ کلام نازل ہے وہ عرف اسی کا حصہ ہے اور اس میں اپنی نظیر خود آپ ہی
ہے پس جو شخص ان باتوں کا جائزہ لے گا اسے مجبوراً اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ کلام انسانی طاقت سے بلند و بالا
ہے اور ناچار کہنا پڑے گا کہ یہ خالق کا کلام ہے۔

وَلَوْ كَانَتْ اِس کی مزید وضاحت کے لئے فرماتا ہے کہ اگر یہ کلام مخلوق کا کلام ہوتا تو کسی کلام کی خوبی کے
پر کہنے کے لئے جن جن پہلوؤں کا مد نظر رکھنا ضروری ہوا کرتا ہے اس میں ہر پہلو کے لحاظ سے کوئی نہ کوئی عیب
ضرور پایا جاتا۔ مثلاً حق و باطل کے بیان میں کہیں سقم، کہیں اخبار گذشتہ کی واقفیت میں غلطی کہیں فصاحت و بلاغت
کے انداز میں کوتاہی کہیں احکام مبینہ میں تناقض اور کہیں سلاست و نظم مطالب کا فرق وغیرہ کیونکہ جب کلام طولانی
ہو اور اس میں مطالب بہت کثرت سے بیان ہوں۔ عقلیات بھی ہوں اور نقلیات بھی اور امر بھی ہوں اور نہی بھی۔
اور خطاب میں بھی عوام و خواص سب داخل ہوں تو ناممکن ہے کہ کسی انسانی دماغ سے کسی پہلو میں تشکی نہ رہے
اور نہ کہیں سقم پیدا ہو سکیں قرآن مجید ان سب باتوں کے باوجود ہر پہلو کے لحاظ سے ہر سقم و عیب سے متبرک
منزہ ہے حتیٰ کہ عرب کے فصاحت و بلاغت کے چرچے کے زمانہ میں اس کے سامنے فصحا زمانہ اور بلغاء عصر کی
گردنیں جھک گئیں اور قرآن مجید کے بار بار چیلنج کرنے کے باوجود کسی کو مقابلہ کی جرأت تک نہ ہو سکی۔ چنانچہ پہلے فرمایا
اس کی مثل لاؤ۔ پھر فرمایا اس پر سے کی مثل نہ ہی اس کے ایک سورہ کی مثل لاؤ اور بالاخر فرمایا چلو اسی معیار کے
ماتحت ایک آیت ہی ہے آؤ۔ تاہم تمام فصحاء و بلغاء اس کے جواب سے گنگ رہے اور قرآن مجید میں ایک ذرہ بھر کے
برابر نقص و عیب پیدا نہ کر سکے پس قرآن میں ہر خوبی کے جامع ہونے کے باوجود اس میں اختلاف و تضاد کم نہ ہونا اس امر
کی دلیل ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے ورنہ اگر مخلوق کا ہوتا تو کچھ صحیح اور کچھ سقیم بعض حصہ میں بلیغ تو بعض گرا ہوا اور کہیں طاقت
کے بیان میں صدق تو کہیں جھوٹ بھی آجاتا اور یہ اختلاف مخلوق کے کلام میں ناگزیر ہے لیکن اللہ کا کلام اس سے پاک
مبرا ہے۔ صدق اللہ العزیز الحکیم۔ قرآن میں تدبیر کی دعوت اس امر کی دلیل ہے کہ اصول دین میں تقلید حرام ہے۔ اسی
لئے تو ان کو قرآن پر ایمان لانے کے لئے تدبیر کی دعوت دی گئی ہے۔

وَ اِذَا جَاءَهُمْ مُّرْسِلًا۔ مدینہ میں جو عام خبریں پھیلائی جاتی تھیں مثلاً کسی وقت دشمنوں کے حملہ کی خبریں کہ وہ
فلاں طرف سے آمادہ جنگ ہو کر آ رہے ہیں اور کسی وقت مومنوں کی فتح کی خبریں کہ فلاں مقام پر مومنین کو فتح ہوئی

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ

اور اگر اسے رد کرتے طرف رسول کے اور اپنے اولوالامر کے تو جان لیتے اسے وہ لوگ جو

يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ

استنباط کرتے ہیں ان میں سے اور اگر نہ ہوتا فضل خدا تم پر اور اس کی رحمت تو تم تابعدار بن جلتے

الشَّيْطَانِ الْأَقْلِيلَ ﴿۸۳﴾

شیطان کے سوائے چند کے

تو بعض لوگ تو بغیر اس کے کہ ان اخبار کی تحقیق کی جائے ان کی اشاعت پر زور دیتے تھے جس کی بدولت بعض اوقات مومنوں میں سنسنی سی پھیل جاتی اور سخت پریشانی کا سامنا ہوا کرتا پس خدا نے اس رویہ سے منع فرمایا اور ہدایت کی کہ اگر کوئی ایسی بات ہو تو وہ رسول کو بتا دی جائے تاکہ اس کی پوری تحقیق ہو سکے اور چونکہ دین اسلام قیامت تک کے لئے ہے اور ہمیشہ اس قسم کے معاملات سے نمٹنا ضروری ہوا کرتا ہے۔ لہذا رسول کی عدم موجودگی میں اس قسم کی اخبار کو رسول کے قائم مقام یعنی اولوالامر کے سامنے پیش کرنے کا حکم دیا جو واقعات کی تحقیق کر کے اس پر مناسب عمل کی لوگوں کو دعوت دیں اور بر محل کارروائی کریں۔

وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ۔ مجمع البیان اور برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اولوالامر سے مراد یہاں بھی معصومین علیہم السلام ہیں اور تفسیر صافی میں بروایت عیاشی امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد آل محمد ہیں اور وہی قرآن سے استنباط کر سکتے ہیں اور وہی حلال و حرام کو جانتے ہیں اور خلق خدا پر رحمت ہیں۔ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ۔ ہم کی ضمیر کا مرجع بعض لوگوں نے ان منافقوں کو بنایا ہے جو نمبریں پھیلا کر تے تھے۔ حالانکہ یہ سراسر غلط ہے کیونکہ جن کا ایمان درست نہیں ان کے استنباط کی مدح کس طرح ہو سکتی ہے۔

یہاں ہم کی ضمیر کا مرجع اولی الامر ہیں اور میں اس لحاظ سے بیان یہ ہو گا کہ تبعضیہ اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اولی الامر ہیں وہ ہی صحیح استنباط کر سکتے ہیں اور اُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ کی ضمیر کا مرجع اگرچہ منافقین ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان میں سے ہیں بلکہ یہ اس طرح ہے جس طرح رسول کے متعلق متعدد مقامات پر فرمایا ہے کہ اس نے ان پڑھ لوگوں میں رسول بھیجا جو ان سے ہے یا تمہاری طرف رسول بھیجا جو تم میں سے ہے یعنی تمہاری قوم و قبیلہ سے ہے یا تمہارے ملک و وطن سے ہے۔

مہر کیف تمام اُمت کو رسول اور اولی الامر کی طرف رجوع کی دعوت دی گئی ہے اور اولی الامر کے استنباط کی خدا نے

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ

پس جہاد کیجئے اللہ کی راہ میں آپ مکلف نہیں مگر اپنے نفس کے لئے اور ترغیب

الْمُؤْمِنِينَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاللَّهُ

دیجئے مومنوں کو یقیناً اللہ روک دے گا شدت ان کی جو کافر ہیں اور اللہ

أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنْكِيلًا ﴿۸۴﴾

سخت گیر اور سخت سزا دینے والا ہے

مدح فرمائی ہے اور جناب رسالتاً ﷺ نے حدیث ثقلین اور دوسری متعدد احادیث میں فرمایا ہے کہ تترکان الہیبت کے ساتھ میں اسی طرح علی تترکان کے ساتھ اور تترکان علی کے ساتھ ہے لہذا قرآن فہمی کے لئے بھی اولی الامر کے دروازہ پر ٹھکانا واجب اور ضروری ہے اور اس کے بغیر امت اسلامیہ کبھی اسلامی تعلیمات سے کما حقہ بہرہ ور نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں احادیث بکثرت وارد ہیں اور یہاں ان کا جمع کرنا باعث طول ہے اور جو کچھ نقل کی گئی ہیں۔ اہل انصاف کے لئے وہی کافی ہیں اور صادقین علیہا السلام سے مروی ہے کہ فضل سے مراد رسول خدا اور رحمت سے مراد حضرت علی ہیں۔

فَقَاتِلْ۔ یہ خطاب صرف جناب رسالتاً ﷺ کے لئے ہے اور مجمع البیان میں اس کے ارتباط کیسے دو قول منقول ہیں۔ پہلے چونکہ گذر چکا ہے کہ ہوا راہ خدا میں جہاد کرے گا خواہ قتل ہو جائے یا فتح مند ہو کر آئے۔ دونوں صورتوں میں اس کے لئے اجر عظیم ہے پس اس کا ربط اسی سے ہے یا یہ کہ پہلے فرمایا تھا ان کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ راہ خدا میں جہاد نہیں کرتے پس یہ آیت اسی سے مربوط ہے لیکن جب جمع قرآن مجید میں ترتیب آیات کا لحاظ ہی نہیں اور نیز آیات قرآنیہ بھی الگ الگ مواقع پر اتر کر قی تھیں تو خواہ مخواہ ہر آیت کے لئے پھیلی آیت سے ربط تلاش کرنا فضول دماغ سوزی ہے۔ تفسیر برہان میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس آیت مجیدہ میں جناب رسالتاً ﷺ کو ایسا حکم دیا گیا ہے جو مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا گیا۔ اور وہ یہ کہ تنہا جنگ کرو اگرچہ ساتھی کوئی بھی نہ ہو۔ اسی بنا پر ان کو حق بھی اپنے برابر دے دیا چنانچہ اپنے حق میں نیکی کرنے والے کے لئے فرمایا ایک کے بدلہ میں دس دوں گا۔ پس رسول کے حق میں نیکی کرنے والے کے لئے بھی دس گنا ثواب مقرر فرمایا چنانچہ رسول پر درود بھیجنے والے کے لئے ایک دفعہ درود کا بدلہ دس نیکیاں ہیں۔

مَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا وَمَنْ يَشْفَعُ

جو سفارش کرے اچھی سفارش تو ہوگا اس کے لئے حصہ اس کے (اچھے) سے اور جو سفارش کرے

شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

بری سفارش تو ہوگا اس کے لئے گناہ اس سے اور ہے اللہ ہر چیز پر نگران یا

مُقِيتًا ۝۱۵۰ وَإِذَا حُيِّتُمْ بِحَيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنِ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا

قادر اور جب تمہیں سلام دیا جائے تو جواب سلام اس سے اچھا کر کے دو یا وہی پٹا دو

مَنْ يَشْفَعُ۔ اچھی اور بری سفارش کا معیار یہ ہے کہ ہر وہ کام جو شریعت مقدسہ میں جائز ہے اس کی سفارش اچھی اور ہر وہ کام جس سے شریعت نے منع کیا ہے اس کے متعلق سفارش بری اور ناجائز ہے پس جو شخص کسی مومن کی جائز کام میں سفارش کرے خواہ اس کا کام ہو یا نہ ہو اس کو ہر صورت میں ثواب ملے گا اور جو شخص برائی میں کسی کی سفارش کرے گا تو جس طرح وہ گنہگار ہوگا۔ یہ بھی گنہگار ہوگا اور بعضوں نے اس جگہ سفارش سے مراد دُعائی ہے یعنی جو شخص امور خیر میں مومن کے حق میں دعا مانگے گا اس کو بھی اس سے حصہ دیا جائے گا اور جو شخص مومن کے لئے بری سفارش کرے گا یعنی اس کے لئے بددعا کرے گا تو وہ خود اس کے وبال میں گرفتار ہوگا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ جو شخص دو مومنوں کے درمیان صلح کرائے گا اور ایک کی دوسرے کی طرف سفارش کرے ان کے رنج کو دور کرے گا اس کے لئے ثواب ہے اور جو جھگڑے کر ایک مومن کو دوسرے سے متنفر کرے گا وہ گنہگار ہوگا۔ نیز اس کا انجام اس کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ بہر کیف آیت مجیدہ کے الفاظ عام ہیں۔ سب معانی مراد لئے جاسکتے ہیں۔

تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص اپنے مومن بھائی کی عدم موجودگی میں اس کے حق میں دُعائے خیر کرے تو مقبول ہوتی ہے اور فرشتے دعا کرنے والے کو اس سے دو چاند کی خوشخبری دیتے ہیں۔

وَإِذَا حُيِّتُمْ۔ خداوند کریم نے مسلمانوں کو اتحاد و یگانگت کا درس دیتے ہوئے ان کو باہمی میل جول کے طریقے تعلیم فرمائے ہیں کہ جب مسلمان و سلام اور جواب سلام | مومن ایک دوسرے سے ملیں تو پہلے سلام و جواب سلام ہو نیز جب ایک مومن دوسرے مومن کو سلام دے تو

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿۸۶﴾ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لِيَجْزِيَكَ

تحقیق اللہ ہر شے کا بدلہ دینے والا ہے اللہ! نہیں کوئی معبود مگر وہی ضرور جمع کرے گا

إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ﴿۸۷﴾

تمہیں بروز قیامت اس میں کوئی شک نہیں اور کون زیادہ سچا ہے اللہ سے بات میں

دوسرے کو اس سے اچھا جواب دینا چاہیے ورنہ کم از کم اس جیسا جواب تو ضروری ہے مثلاً جب ایک کہے السلام علیکم تو جواب میں کہا جائے وَعَلَيْكُمْ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ اور جناب رسالتاؐ سے مروی ہے کہ جب اہل کتاب تمہیں سلام دیں تو ان کے جواب میں عَلَیْكُمْ کہہ دو اس سے اگے نہ بڑھو یعنی اچھا جواب دینا یا اس جیسا جواب دینا صرف مومن کے لئے ہے۔

مسئلہ۔ سلام دینا مستحب ہے لیکن جواب سلام واجب ہے کیونکہ اس کے متعلق امر وارد ہے اور اگر کافی آدمی موجود ہوں تو جواب سلام واجب کفائی ہوتا ہے یعنی ان میں سے اگر ایک شخص جواب سلام دے دے تو باقیوں سے وجوب ساقط ہے لیکن اگر ایک شخص کو خاص طور پر سلام کہے تو اس کے لئے جواب دینا واجب ہو جاتا ہے۔

مسئلہ۔ اگر نماز پڑھتے ہوئے کو کسی نے سلام کہا تو نمازی پر انہی لفظوں میں اس کا جواب واجب ہو کرتا ہے مجمع البیان میں صادقین علیہما السلام سے مروی ہے کہ تحیہ سے مراد عام ہے خواہ سلام ہو یا کوئی اور نیکی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ کوئی مومن دوسرے کے ساتھ کوئی نیکی کرے تو اس کے لئے اس کے جواب میں اس سے بڑھ کر نیکی کرنی چاہیے ورنہ کم از کم اس جیسی تو ضرور کرے۔

(۲) برہان میں کافی سے منقول ہے جناب رسالتاؐ نے فرمایا اگر کوئی شخص سلام کہے بغیر کوئی بات کرے تو اس کا جواب نہ دو بلکہ پہلے سلام اور پھر کلام کرو۔

(۳) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا حدیث قدسی میں ارشاد خداوندی ہے کہ بخیل وہ انسان ہے جو سلام میں بخل کرے

(۴) امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ سلام کہنے والے کو باوازی بند سلام کہنا چاہیے تاکہ وہ سن لے پھر اسے یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ میں نے سلام دیا اور جواب نہیں دیا گیا اسی طرح جواب سلام کہنے والے کو بھی آواز بند سے جواب دینا چاہیے تاکہ سلام دینے والے کو شکوہ کا موقع نہ ملے اور فرمایا کہ حضرت علیؑ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔ نہ خود غصہ کرو اور نہ کسی کو غصہ میں لاؤ سلام کو عام کرو۔ کلام پاکیزہ کرو اور نماز شب پڑھو۔ جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔

پس سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو گے۔

(۵) امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص صرف السلام علیکم کہے اس کے لئے دس نیکیوں کا ثواب ہے اور جو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے اس کے لئے بیس نیکیوں کا ثواب ہوتا ہے اور جو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے اس کے لئے تیس نیکیوں کا ثواب ہوتا ہے۔

(۶) تفسیر مجمع البیان میں ہے ایک شخص جناب رسالتؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہا السلام علیکم تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ، پھر دوسرا شخص آیا اور اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ تو آپ نے جواب میں فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، پھر تیسرا شخص وارد ہوا تو اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، تو آپ نے جواب میں فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، پس لوگوں نے دریافت کیا حضور پہلے اور دوسرے سلام کے جواب میں تو آپ نے زیادتی فرمائی لیکن تیسرے کے جواب میں زیادتی نہیں کی اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ تحیہ کی حد میاں تک ہے اس لئے میں نے اس کو اس کے سلام جیسا جواب دیا ہے۔

(۷) تفسیر برہان میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ تین قسم کے لوگ ہیں جن کو جمع کے صیغے سے جواب دیا جاتا ہے اگرچہ وہ ایک ہی کیوں نہ ہو ① جب کوئی شخص چھینک دے تو اس کو کہا جاتا ہے۔

يَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ اگرچہ وہ اکیلا ہی ہو ② اگر کوئی سلام دے تو اس کے جواب میں کہا جائے وعلیکم السلام (خواہ تنہا ہی ہو) ③ جب انسان دوسرے کے لئے دعائیہ کلمہ کہے تو کہنا چاہیے عَافَاکُمُ اللّٰهُ اگرچہ وہ ایک ہی ہو۔ الحدیث

(۸) آپ نے فرمایا سلام کا طریقہ یہ ہے کہ چھوٹا بڑے کو سلام دے اور راہ گذر راستہ میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام دے اور چھوٹی جماعت زیادہ کو سلام دے۔

(۹) آپ نے فرمایا تھوڑے بہتوں کو۔ سوار پیدل کو خیر سوار، گدھے سوار کو اور گھوڑے سوار خیر سوار کو سلام کہیں۔

(۱۰) نیز فرمایا اگر زیادہ لوگ زیادہ لوگوں پر سے گزریں تو گزرنے والوں میں سے صرف ایک کا سلام کہنا کافی ہے۔

(۱۱) فرمایا گھروالے کے لئے سلام کی تکمیل مسافحہ سے اور مسافر کے لئے سلام کی تکمیل معانقہ (گھلے لگ کرٹنے) سے ہوتی ہے

(۱۲) فرمایا نماز گزار کو انہی لفظوں میں جواب دینا چاہیے جو سلام دینے والے نے کہے تھے اور نہ کہے وعلیکم السلام چنانچہ ایک دفعہ حضرت عمار گذرے اور جناب رسالتؐ نماز پڑھ رہے تھے۔ پس عمار نے سلام دیا تو آپ نے انہی لفظوں میں جواب دیا اور نیز بروایت تہذیب آپ نے فرمایا نماز کی حالت میں جواب سلام باوازی بلند نہ کرے۔ چپکے سے دیدہ

(۱۳) بروایت ابن بابویہ آپ نے فرمایا۔ یہود، نصاریٰ، مجوس، بت پرست، دسترخوان شراب پر بیٹھے ہوئے زرد و شطرنج کھینے والے، فحش اور شاعر لغو گو پر سلام نہ کہا کرو۔ نیز نمازی پر بجاست نماز سلام نہ کہا کرو کیونکہ سلام دینا سنت ہے اور جواب واجب ہے اور وہ نماز میں پابند ہو چکا ہے۔ اسی طرح سودخور، پیشاب پاخانہ پھرنے والے حمام کرنے والے

فَمَّا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُم بِمَا كَسَبُوا أَتُرِيدُونَ أَنْ

پس کیا ہو گیا تمہیں کہ منافقوں کے بارے میں تم دو گروہ ہو گئے اور خدا نے ان کو ذلیل کیا جو اس کے جو انہوں نے کیا۔

تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَنْ يَضِلَّ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۝۸

کیا تم چاہتے ہو کہ ہدایت پر لاؤ جن کو گمراہی میں چھوڑا اللہ نے پس ہرگز نہ پاؤ گے ان کے لئے کوئی راہ

وَالَّذِينَ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ

وہ چاہتے ہیں کہ تم کانفرنس بن جاؤ جیسے وہ خود کافر ہو گئے پس برابر ہو جاؤ لہذا ان میں سے نہ بناؤ درست

أَوْلِيَاءَ حَتَّى يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُواهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ

میان تک کہ ہجرت کریں اللہ کی راہ میں پس اگر پھر جائیں تو پکڑو انہیں اور مار ڈالو

حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝۹

انہیں جہاں بھی پاؤ اور نہ بناؤ ان میں سے دوست اور نہ مددگار

اور اعلانیہ فسق کرنے والوں پر بھی سلام نہ کہو۔

رکوع نمبر ۹

فَمَّا لَكُمْ - تفسیر مجمع البیان میں اس کے شان نزول کے متعلق مروی ہے کہ مکہ سے ایک گروہ مدینہ میں آیا اور اظہار اسلام کیا۔ پھر جب واپس مکہ کو گئے تو شرک میں داخل ہو گئے اور وہاں سے مشرکین کا مال و متاع لے کر بغرض تجارت یا مہ کی طرف روانہ ہوئے تو مسلمانوں نے ان سے لڑنے کا ارادہ کیا لیکن ان میں باہمی چھوٹ پڑ گئی۔ بعض کہتے تھے کہ یہ لوگ مسلمان ہیں لہذا ان سے لڑنا ناجائز ہے تب یہ آیت اُتری اور امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی ایسا ہی مروی ہے اس شان نزول سے آیت کا مطلب واضح ہے اور خدا ان لوگوں کی مذمت فرمادہ ہے جنہوں نے مُرتد لوگوں کی طرفداری کی تھی۔

وَالَّذِينَ تَكْفُرُونَ - تفسیر ربہان میں تفسیر قمی سے منقول ہے کہ یہ اور بعد والی آیت بنی اشجع اور بنی ضمرہ کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب جناب رسالتاً جب جنگ حدیبیہ کے لئے روانہ ہوئے تو آپ کا گذران کے علاقہ کے نزدیک سے ہوا اور آپ بنی ضمرہ کے ساتھ اس سے پہلے صلح کا معاہدہ کر چکے تھے صحابہ نے بنی ضمرہ سے جنگ کرنے کی خواہش کی اور کہا کہ ممکن ہے یہ لوگ قریش کے معاون بن جائیں۔ لہذا پہلے ان کا معاملہ صاف کر لیا جائے تو آپ نے

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَى قَوْمِ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصْرَتِ

مگر وہ جو ملے ہوں ایسی قوم سے کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد ہو یا تمہارے پاس انہیں

صُدُّوهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ

کہ تنگ دل ہوں تمہارے ساتھ لڑنے سے یا اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے اور اگر چاہتا اللہ تو مستطاف کرتا

عَلَيْكُمْ فَلَقَاتِلُوكُمْ فَإِنْ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَالْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَامَ

ان کو تم پر پس پھر وہ لڑتے تم سے پس اگر وہ تم سے کنارہ کریں پھر نہ لڑیں اور پیش کش کریں تمہیں صلح کی۔

فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۝۹۰

تو نہیں دی اللہ نے تمہیں بھی راہ (جواز ان سے لڑنے کی)

فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ لوگ والدین سے احسان کرنے والے صلہ رحمی کرنے والے اور وفائے عہد کرنے والے ہیں لہذا ان کے ساتھ لڑنا قطعاً موزوں نہیں ہے ان دونوں بنی اشجع کے علاقہ پر قحط سالی تھی اور بنی ضمرہ کا علاقہ آباد تھا۔ اور یہ دونوں قبیلے چونکہ ایک دوسرے کے حلیف تھے لہذا بنی اشجع بنی ضمرہ کے علاقہ میں فردکش تھے جب آپ کو بنی اشجع کا بنی ضمرہ کے ہاں فردکش ہونا معلوم ہوا تو آپ نے بنی اشجع کے ساتھ جنگ کا ارادہ فرمایا اور غالباً بنی اشجع ہی وہ تھے جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گئے تھے جن کا اس سے پہلی آیت میں تذکرہ ہے (تو یہ آیت اُتری وَذُذِّدُوا إِلَيْكُمْ ذُو الْفُرْجَانِ کہ وہ تو کافر ہوئے خبردار تم ان سے رواداری کر کے ان جیسے نہ ہو جاؤ اور نہ ان سے درستی تعلقات رکھو جب تک کہ وہ ہجرت کر کے نہ آجائیں اور اگر ایسا نہ کریں تو ان کو پکڑو اور قتل کر دو جہاں بھی ملیں۔ اور پھر تاکید کے طور پر فرمایا کہ ان کو دست یا مددگار نہ سمجھو۔

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَيْكُمْ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ يَرْجُونَكُمْ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۝۹۱

میل ملاپ ہے اور نیز ان لوگوں سے بھی جنگ نہ کرو جو تمہارے لڑنے سے کتراتے ہیں اور اپنی قوم کے ساتھ بھی تمہارے طرز پر نہیں بن کر لڑ سکتے پس وہ اگر تم سے نہ لڑیں اور صلح کی پیش کش کریں تو تمہیں بھی ان سے لڑنے کا حق نہیں ہے۔ آیت مجیدہ اُترنے کے بعد آپ کا بنی اشجع کے ساتھ لڑائی کا پروگرام خود بخود ختم ہو گیا لیکن حالاتِ حاضرہ کے پیش نظر ادھر بنی اشجع کو خون تھا کہ چونکہ لشکر اسلام قریب پہنچ چکا ہے کہیں وہ ہم پر دھاوا نہ بول دے اور ادھر مسلمانوں کو اپنے مقام پر خطرہ تھا کہ کہیں وہ ہمیں نقصان نہ پہنچائیں۔ پس بنی اشجع جن کی تعداد سات سو تھی۔ اپنے رئیس مسعود بن ربیعہ کے ہمراہ اس طرف روانہ ہوئے

اور یہ واقعہ سترہ ماہ ربیع الاول کا ہے اور حضور نے اسید بن حصین کو تین صحابہ کے ساتھ ان کی طرف روانہ فرمایا کہ وہ کیا چاہتے ہیں تو انہوں نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ بنی اشجع کے رئیس مسعود بن رجبیلہ نے اسید اور اس کے ساتھیوں پر سلام کیا اور کہا کہ ہم حضرت محمد کے ساتھ صلح کی گفتگو کرنا چاہتے ہیں پس اسید نے واپس آکر حقیقت حال بیان کی تو آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ لڑائی سے ڈر گئے ہیں۔ لہذا صلح پہ آمادہ ہیں بنی اشجع کے سردار نے دس ہارائش کے جوڑا مانتی بطور ہدیہ پیش کئے آپ نے فرمایا حاجت سے پہلے ہدیہ بہترین چیز ہے اور آپ نے دریافت فرمایا کہ اب تم کیا چاہتے ہو؟ تو انہوں نے بواب دیا حضور! ہمارے گھر یہاں سے قریب ہیں ہم اپنی قوم میں تھوڑے آدمی ہیں۔ لہذا آپ کے ساتھ لڑنے سے ہم کتراتے ہیں اور نیز اسلام قبول کر کے اور آپ کے ساتھ مل کر اپنی قوم سے بھی نہیں لڑنا پسند کرتے۔ لہذا صلح کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ پس آپ نے اس کا ہدیہ قبول فرمایا اور ان سے صلح کر لی۔ وہ لوگ دن بھر یہیں رہے اور پھر واپس اپنے گھروں کو چلے گئے۔

وَكُوْشَاءُ اللّٰهِ۔ یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے کہ اگر خدا چاہتا تو انہیں غلبہ دے دیتا لیکن اس نے چونکہ تم لوگوں کو غلبہ دیا ہے۔ لہذا تمہارا جہاد صرف بربریت اور حیوانیت کا مظاہرہ نہ ہو بلکہ عدل و انصاف اور انسانیت کے اصولوں کے ماتحت ہو۔ پس جو لوگ خود بخود تم سے خوف کھاتے ہوں نہ خود تمہیں پھیریں اور نہ کسی کا ساتھ دے کر تمہارے نقصان کے درپے ہوں اور تمہاری طرف پھر دستِ صلح بھی دراز کریں تو تمہیں ان سے روادار بن کر رہنا چاہیے۔

رواداری قرآن مجید نے کس طرح اچھوتے اور نرے انداز سے مسلمانوں کو کفار سے بھی رواداری کا حکم دیا تاکہ انسانی تمدنی زندگی پر امن و پرسکون ہو سکیں نہایت افسوس کا مقام ہے کہ وہ مسلمان جن کو کافروں سے رواداری کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ وہ خود آپس میں دست و گریبان ہیں اور رواداری کی زبانی رٹ لگانے کے باوجود مقام عمل میں خود غرضی اور نفس پرستی کو مقدم کرتے ہوئے ایک دوسرے کا خون چوسنے میں لذت محسوس کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات مصالح و فتنے کے ماتحت کفار کی طرف تو رواداری کے مہانے سے دوستی کا ہاتھ بڑھا لیتے ہیں لیکن باہمی جذبہ محبت و الفت سے بالکل کورے ہوتے ہوئے اپنے مسلک و ہم مشرب افراد کے لئے حد و کینہ کے ترکش اپنی بغل میں رکھتے ہیں

شیعہ علماء جو محمد و آل محمد کے اسوہ حسنہ کو اپنانے کا بجا ننگ و بل دعویٰ رکھتے ہیں۔ میں نے دیکھا ان میں سے بعض نام نہاد دوسروں سے بعض اوقات رواداری اختیار کر بیٹے میں تو جھجک محسوس نہیں کرتے لیکن انہوں کو نشانہ تنقید بنا کر اپنی برتری کا اٹو سیدھا کرنے میں خدشہ دین سمجھتے ہیں چنانچہ شیخ المسلمین علامہ شیخ احمد ابن زین الدین احسانی اعلیٰ اللہ تعالیٰ اسی قسم کے نام نہاد مفاد پرست بد لگام حادین تلاؤں کی ناجائز تنقید کا نشانہ بنے حالانکہ ان کی تصانیف انیتہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے دور کے وحید و فرید شیعہ عالم دین تھے جن لوگوں نے ان پر کفر و الحاد کے فتروں کی بارش کی وہ درحقیقت ان کے مطالب علمی کی گہرائیوں تک پہنچنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے ان کی تخریریں جس طرح توحید پروردگار کے انمول نوتی اپنے زمانے میں کہتی ہیں وہاں محمد و آل محمد کے فضائل و مناقب بحرف و زان کی قلم کے دانے سے جاری نظر آتا ہے غلو و تکبر میں ہر مومن کو حد و کینہ کے موزی اراض سے بچاتے تھے

سَتَجِدُونَ أَخْرَيْنَ يُرِيدُونَ أَنْ يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ كُلًّا رُدُّوْا

عنقریب پاؤ گئے ایک اور گروہ جو چاہتے ہیں کہ تم سے امن میں رہیں اور امن میں رہیں اپنی قوم سے بھی جب بھی

إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا فَإِنْ لَمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَامَ وَيَكْفُرُوا

پھیرے جائیں لڑائی کفر کے تو وہ پلٹ جاتے ہیں اس میں پس اگر تم سے کفارہ نہ کریں اور نہ پیش کش کریں تمہیں صلح کی اور نہ روک

أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأُولَئِكَ جَعَلْنَا

لہیں اپنے ہاتھ تو پکڑو انہیں اور مار ڈالو جہاں بھی ان کو پاؤ اور ایسے لوگ کی ہے

لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُبِينًا ﴿۹۱﴾

ہم نے تمہارے لئے ان پر جنت ظاہر

دورنگی سے ممانعت | سَتَجِدُونَ - تفسیر صحیح البیان میں ہے کہ ایک قوم ریاکاری کے طریقہ سے مسلمان تھی جب وہ قریش کے پاس جاتی تھی تو وہاں شرک و بت پرستی میں مشغول رہتی تھی ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ مسلمانوں سے بھی امن پائیں اور کفار قریش کے شر سے بھی محفوظ رہیں پس خدا نے ان کے اس رویہ کو ناپسند فرمایا اور بعض کہتے ہیں کہ نعیم بن مسعود اشجعی کے بارے میں اُتری ہے کہ جناب رسالت اکرم اور مشرکین کے درمیان وہ دورنگی کی پالیسی پر عامل تھا اور ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت عیینہ بن حصین فزاری کے بارے میں اُتری ہے کہ ان کے علاقہ میں قحط ہوا تو اس نے جناب رسالت اکرم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بات کی اجازت لی کہ بطن نخل میں قیام کرے اور اسے ہزر نہ دی جائے اور درحقیقت یہ شخص منافق و ملعون تھا اور جناب رسالت اکرم نے اس کو اہل حق مطاع کا لقب دیا ہوا تھا۔ اور صادقین علیہا السلام سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔

أُرْكِسُوا - اس کا لغوی معنی ہے پلٹ جانا اور اس سے ذلت یا ہلاکت بھی مراد لی گئی ہے جیسا کہ گذشتہ آیت کا ہم نے ترجمہ کیا ہے یہ آیت مجیدہ اگرچہ شانِ نزول کے لحاظ سے بعض موارد کے ساتھ متعلق ہیں لیکن صرف انہی واقعات پر بند نہیں بلکہ تاقیہ امت ان کا مضمون باقی آیات قرآنیہ کی طرح جاری ہے اور تاقیامت جو بھی اس قسم کے کثرت کرنے والا ہو وہ شرع کے نزدیک انہی کے حکم میں داخل ہے۔ خداوند کریم کو دشمنانِ دین کے ساتھ مومنوں کا دوستانہ تعلق رکھنا قطعاً پسند نہیں اور نہ وہ دورنگی پالیسی کو محبوب رکھتا ہے۔ پس صاحبانِ ایمان کو ان آیات سے درس حاصل کرنا چاہیے۔

تفسیر

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَتَقَتَلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً

اور نہیں جائز مومن کے لئے کہ قتل کرے مومن کو مگر خطا سے اور جو قتل کرے مومن کو خطا سے

فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَدَّقُوا

تو (کفارہ) آزاد کرنا غلام مومن کا اور خون بہا دینا اس (مقتول) کے اہل کو مگر یہ کہ وہ صدقہ (معاف) کر دیں

فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَ

پس اگر ہو ایسی قوم سے جو دشمن ہے تمہاری اور ہو بھی مومن تو آزاد کرنا غلام مومن کا

إِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ

اگر ہو ایسی قوم سے کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو تو خون بہا دینا اس (مقتول) کے اہل کو

وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ

اور آزاد کرنا غلام مومن کا پس جو یہ نہ پائے تو روزے دو ماہ پیے در پیے رکھے۔

تُوبَةً مِّنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۹۲﴾

تو یہ ہے اللہ کی جانب سے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

رکوع نمبر ۱

قتل خطا کا کفارہ

مجمع البیان میں ہے عیاش ابن ابی ربیعہ مخزومی جو ابوہریرہ کا مادری بھائی تھا اس نے عمارت بن زید عامری کو قتل کر ڈالا تھا اور یہ بھی مسلمان تھا لیکن عیاش کو اس کے اسلام لانے کا علم نہ تھا اور یہ وہ شخص تھا جو مکہ میں ابوہریرہ کے ساتھ مل کر عیاش کو ایذا پہنچاتا تھا اور اس کے لئے ہجرت سے بھی مانع ہوا تھا پس اسی سابقہ غصہ میں عیاش نے اس کو قتل کیا تھا۔ یہ روایت حضرت باقر علیہ السلام سے بھی مروی ہے آیت کا مضمون عام ہے لہذا وہ صرف اسی واقعہ سے مختص نہیں ہے۔

الْأَخْطَاءُ تفسیر قمری سے مروی ہے کہ یہاں إِلَّا نفی کے معنی میں ہے یعنی مومن کے لئے مومن کا قتل جائز نہیں نہ عذر سے اور نہ خطا سے اور خطا کا مطلب یہ ہے کہ کسی اور چیز کو نشانہ بنا کر مارنے لگے اور اتفاق سے کسی مومن کو لگ جائے

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَدِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ

اور جو قتل کرے مومن کو عمدہ تو اس کی جزا جہنم ہے کہ ہمیشہ رہے گا اس میں اور غضب اللہ کا ہے

عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَاعَدَ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿۹۳﴾

اس پر اور اس کی لعنت اور اس کے لئے اس نے تیار کیا ہے عذاب دردناک

اور وہ مرجائے اور عمدہ کا مطلب یہ ہے کہ جان بوجھ کر ایک شخص کو نشانہ بنا کر اس پر پتھر یا ڈنڈا یا بندوق و پستول وغیرہ سے حملہ کیا جائے اور وہ مرجائے۔

فَتَحْدِثُ رَقَبَةً۔ چونکہ قتل میں حق اللہ اور حق الناس دونوں شامل ہیں حق اللہ اس لئے کہ اس نے اللہ کی نافرمانی کی یا اللہ کی مخلوق میں سے ایک کے بے گناہ قتل کا موجب ہوا ہے اور حق الناس کا ہونا تو صاف ظاہر ہے پس حق اللہ کے بدلہ میں غلام آزاد کرے جو بالغ اور ایمان ہو اور حق الناس کے بدلہ میں مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے۔

وَدِيَّةً۔ خون بہا کے متعلق تفسیر ربہان میں کافی سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے قتل خطا کا کفارہ فرمایا ایک سواونٹ یا ایک ہزار بھیر بکری یا دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار اگر خون بہا اونٹ دے تو ۲۵ بنت مخاض (درہم سال میں داخل مادہ شتر) ۲۵ بنت لبون (تیسرے سال میں داخل مادہ شتر) ۲۵ حقتے (چوتھے سال میں داخل) اور ۲۵

جذعے (پانچویں سال میں داخل) دے اور اگر ایسی خطا ہو جو عمدہ سے مشابہت رکھتی ہو یعنی کسی کو ڈنڈا یا پتھر وغیرہ مارے جس میں اس کے قتل کی نیت نہ ہو لیکن وہ اس ضرب کی تاب نہ لا کر جاں بحق ہو جائے تو اس کا خون بہا بھی ایک سو اونٹ ہو گا لیکن پہلے سے سخت اور وہ اس تفصیل سے کہ ۳۳ حقتے (چار سالے) ۳۳ جذعے (پنج سالے) اور ۲۲ بنٹے یعنی چھ سالے دے اور بعض روایات میں قتل خطا کا کفارہ ۲۰ بنت مخاض ۲۰ بنت لبون اور ۳۰ حقتے ذکر کئے گئے ہیں۔

فَإِنْ كَانَ مِنَ قَوْمٍ عَدُوٍّ إِلَيْهِ۔ اگر وہ مقتول ایسی قوم میں سے ہو جو تمہارے ایمانی دشمن ہیں یعنی کافر حربی ہیں۔ اور وہ شخص ان میں مومن ہو لیکن تمہیں اس کا مومن ہونا معلوم نہ ہو پس وہ تمہارے ہاتھوں مارا جائے تو اس کا کفارہ صرف غلام مومن کا آزاد کرنا ہے اور خون بہا اس لئے نہیں ہے کہ یہ بمنزلہ مقتول کی وراثت کے ہے جو اس کے وارثوں میں تقسیم ہوگی اور مقتول کے ورثاء میں کافر اور کافر مومن کا وارث نہیں ہو سکتا۔

وَإِنْ كَانَ الْإِنْسَانُ عَدُوًّا لِلْقَوْمِ اسْمِهِ۔ اور اگر وہ مقتول ایسی قوم میں سے ہے جو ہیں تو غیر مومن یعنی کافر لیکن ان کے اور تمہارے درمیان مصافحہ ہو چکا ہے یعنی وہ کافر فوجی ہیں تو ایسی صورت میں اس کا کفارہ غلام آزاد کرنا اور خون بہا دونوں ہوں گے لیکن عمار، مسیح

کے نزدیک خون بہا صرف اس کے مسلمان دشمن میں ہی تقسیم ہوگا۔

فَمَنْ لَّمْ يُجِدْ - جو شخص غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو یا غلام نہ مل سکتا ہو تو وہ اس کے بدلہ میں درماہ پے در پے روزے رکھے۔

تفسیر برہان میں بروایت سماعتہ بن مہران حضرت امام جعفر صادق یا امام موسیٰ کاظم علیہما السلام سے منقول ہے میں نے پوچھا کہ کیا مومن کے قاتل کے لئے توبہ بھی ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں! مگر یہ کہ خون بہا ادا کرے اور کفارہ دے اور پھر استغفار اور زاری کرتا رہے امید ہے ایسا کرنے سے اس کی توبہ قبول ہو جائے گی۔ میں نے دریافت کیا۔ اگر خون بہا ادا کرنے کی طاقت نہ ہو تو پھر؟ آپ نے فرمایا مسلمانوں سے بھیک مانگ کر ادا کرے۔ صافی میں کافی سے مروی ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جس پر درماہ پے در پے روزے واجب ہوں۔ تو اگر پہلے ماہ میں اسے کوئی بیماری لاحق ہو جائے جس کی وجہ سے اسے افطار کرنا پڑ جائے۔ تو وہ صرف باقی ماندہ روزے رکھے گا۔

وَمَنْ يَقْتُلْ - تفسیر صافی اور برہان میں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ کیا بان بوجھ کر مومن کو قتل کرنے والے کے لئے توبہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا اگر اس کو اس لئے قتل کیا گیا ہے کہ چونکہ مومن ہے تو اس کے لئے کوئی توبہ نہیں ہے اور اگر کسی اور غصے یا کسی دنیاوی معاملہ کے جھگڑے سے قتل کیا ہے تو اس کی توبہ یہ ہے کہ اس کو اس کے بدلہ میں قتل کیا جائے اور اگر مقتول کے وارثوں کو علم نہ ہو تو یہ خود ان کے پیشین ہو جائے اور قتل کا اقرار کرے اگر وہ چاہیں تو قتل کر دیں اور اگر چاہیں تو خون بہا لے کر چھوڑ دیں۔ لیکن اس صورت میں خون بہا کے علاوہ اس کا کفارہ غلام آزاد کرنا اور دو ماہ پے در پے روزے رکھنا اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہے بعض روایات میں ہے کہ مومن کا قاتل توبہ کی توفیق ہی نہیں پاسکتا۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جناب رسالت اکبر نے فرمایا کہ اگر تمام آسمان و زمین کی مخلوق مل کر ایک مومن کے قتل میں شریک ہوگی تو خدا سب کو جہنم میں داخل کرے گا اور پہلے ایک روایت گزر چکی ہے کہ اگر مومن کو اس کے ایمان کے لئے قتل کرے تو اس کے لئے کوئی بخشش کی صورت نہیں یا کسی دنیاوی غصہ کے لئے قتل کرے۔ لیکن بعد میں اس سے توبہ نہ کرے تب بھی اس کی جزا دائمی جہنم ہے لیکن اگر توبہ کرے یعنی اپنے آپ کو قصاص کے لئے پیش کر دے اور اگر دشمن مقتول قصاص معاف کر دیں تو خون بہا اور کفارہ ادا کرے اور اللہ کے سامنے عاجزی و زاری سے استغفار کرے تو اس کے لئے بخشش کی امید ہے اور یہ واضح رہے کہ اگر وارث خون بہا بھی قاتل سے معاف کر دیں تو کفارہ پھر بھی ساقط نہ ہوگا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا

اے ایمان والو! جب سفر کرو اللہ کی راہ میں تو تحقیق کرو اور نہ کہو جو شخص

لَمِنَ أَلْفِي إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

تمہیں سلام دے کہ تو مومن نہیں چاہتے ہونا نذرہ زندگی دنیا کا

فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنْ

تو اللہ کے پاس غنیمتیں بہت ہیں یہی حالت تمہاری پہلے تھی پس احسان کیا

اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۹۲﴾

تم پر اللہ نے پس تحقیق کرو تحقیق اللہ ہے تمہارے اعمال سے آگاہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا۔ تفسیر صافی و برہان میں قمری سے مروی ہے کہ جناب رسالتؐ فتح خیبر سے واپس آئے تو اسامہ بن زید کو کچھ فوج دے کر اطراف فدک میں بعض یہودی طرف روانہ فرمایا تاکہ ان کو اسلام کی دعوت دے فدک کا ایک یہودی جس کا نام مہادی تھا اس کو معلوم ہوا تو اس نے اپنا مال اور بال بچے جمع کر کے پہاڑ کے دامن میں قیام کیا اور کلمہ شہادتین زبان پر جاری کر لیا۔ جب اسامہ کا وہاں سے گذر ہوا تو اس نے ایک نیزہ کی ضرب سے اس کا کام تمام کر دیا اور واپس جناب رسالتؐ کو اس کی اطلاع دی۔ آپ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تو نے ایک کلمہ گو کو قتل کر دیا ہے۔ تو اسامہ نے جواب دیا کہ حضور! وہ دُر کے مارے ایسا کہہ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟ نہ تو نے اس کی زبان پر اعتماد کیا اور نہ تو اس کے دل کی بات معلوم کر سکا (اور بے گناہ قتل کر دیا) پس اسامہ نے قسم کھالی کہ اُنڈہ کسی کلمہ گو کو قتل نہ کروں گا۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس نے اسلام کے اظہار کے ساتھ ان کو سلام بھی دیا تھا اور قرآن مجید اسی کی حکایت فرما رہا ہے جب حضرت امیر المؤمنینؑ کو لڑائیاں درپیش آئیں تو اسامہ نے اپنی قسم کا عذر پیش کر کے علیؑ کی اختیار کی تھی۔ حدیث فیضؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت اسامہ کے نفاق کا پتہ دیتی ہے جبھی تو حضرت علیؑ سے علیحدہ رہا اور علامہ طبرسی بھی فرماتے ہیں کہ اسامہ کا یہ عذر ناقابل قبول ہے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ امام کی اطاعت واجب ہے جبکہ رسول اللہؐ سے سُن چکا تھا حُزْبُكَ يَا عَلِيُّ حُزْبِي وَبِسُلْمِكَ سَلِمْتُ۔ اے علیؑ تیری جنگ میری جنگ اور تیری صلح میری صلح ہے۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي

مہین برابر بیٹھ رہنے والے مومن جو بذی تکلیف نہیں رکھتے اور جہاد کرنے والے

فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ

راہِ خدا میں اپنے مالوں اور جانوں سے فضیلت دی اللہ نے اپنے مالوں اور

وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً ۖ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَفَضَّلَ اللَّهُ

جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بلحاظ درجہ کے اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے جنت کا اور فضیلت دی اللہ

الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۖ ۝۹۵ دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً

نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم میں درجات ہیں اس سے اور بخشش اور رحمت ہے

لَا يَسْتَوِي۔ کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک میں جو لوگ شریک سفر رسالت نہ ہوئے تھے یہ ان کے بارے میں ہے۔

اور عبداللہ بن اُمّ مکتوم جو کہ نابینا تھا اس کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ جب مجاہدوں کی غیر مجاہدوں

پر فضیلت بیان ہوئی تو عبداللہ بن اُمّ مکتوم نے بارگاہ رسالت میں اپنی مندوری اور محرومی کا رونا رویا تو وحی نازل

ہوئی اور یہ آیت اُتری۔ (مختصاً از تفسیر مجمع البیان)

میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں فرماتا ہے خدا نے مجاہدین کو غیر مجاہدین پر فضیلت دی ہے

اور دوسری آیت میں فرمایا مجاہدین کو غیر مجاہدین پر درجات کی فضیلت ہے کیونکہ لفظ درجات اجراً عظیماً سے بدل ہے

قرآن کلام میں تہافت اور اختلاف معلوم ہوتا ہے تو اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں، پہلے مقام پر جہاں مجاہدین

کا غیر مجاہدین سے تقابل کیا گیا وہاں غیر مجاہدین سے مراد وہ تھے جو صاحبانِ ضرر ہوں مثلاً ابن اُمّ مکتوم جیسے نابینے اور

اسی لئے فرمایا ان سب کے لئے خدا کا جنت کا وعدہ ہے کیونکہ حسنیٰ سے مراد ہے جنت البتہ درجہ میں فرق ہے اور

جہاں دوسرا تقابل ہے اس میں مراد غیر مجاہدین سے وہ لوگ ہیں جو بلا عذر پیچھے رہتے تھے اور ان کاڑھنا نافرمانی سے

نہ تھا بلکہ ان کی ضرورت نہ سمجھی گئی تھی جیسی تو جنت کے وعدہ میں وہ بھی شریک ہیں۔

۲) نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ پہلی جگہ مجاہدین سے مراد وہ لوگ ہیں جو دشمنانِ دین کے ساتھ جان و مال سے جہاد کریں

اور دوسری جگہ مجاہدین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس کی خواہشات سے جہاد کریں جو کہ جہاد اکبر ہے اور شاید اس لئے

پہلے مقام پر مجاہدین کے ساتھ جان و مال کے الفاظ بڑھا دیئے گئے ہیں اور دوسرے مقام پر یہ قید نہیں لگائی گئی

اور اس میں شک نہیں کہ جہاد نفس ظاہری جہاد سے اکبر ہے اور اس کا درجہ بلند تر ہے کیونکہ جہاد ظاہری اس وقت ہی

ہو سکتا ہے جب جہاد نفس میں انسان کسی حد تک فتح مند ہو چکا ہو ۳) ممکن ہے ہر دو مقام پر جہاد ظاہری مراد ہو اور

وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝۴۹ إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْنَاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ

اور ہے اللہ غفور و رحیم تحقیق جن لوگوں کی جان لے لیتے ہیں فرشتے درحالیکہ وہ اپنے نفسوں پر

قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ

تکلم کرنے والے ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ تم کہاں تھے؟ تو کہتے ہیں ہم کمزور تھے زمین میں کہتے ہیں کیا نہ تھی

تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ

خدا کی زمین وسیع کہ ہجرت کر جاتے ایسے لوگوں کا ٹھکانہ

جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝۵۰ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ

جہنم ہے اور بُری بازگشت ہے مگر وہ کمزور مردوں اور

وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ۝۵۱

عورتوں اور بچوں سے جو نہ طاقت رکھتے ہوں حیلے کی اور نہ پا سکتے ہوں کوئی راستہ

فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝۵۲

تو ایسے لوگ یقیناً اللہ بخش دے گا ان کو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

مجاہدین میں تفاوت درجات کو بیان کیا گیا ہو کیونکہ مجاہدین کا آپس میں بھی تو زمین و آسمان کا فرق ہوا کرتا ہے (مخلص از تفسیر) ہجرت کا حکم ہے اِنَّ الَّذِیْنَ۔۔۔ جو لوگ جناب رسالت کی نصرت نہ کر سکے۔ ان کی مرنے کے بعد یہ حالت ہوگی کہ ملائکہ پوچھیں گے کہ تم نے حضور کی مدد کیوں نہ کی اور تم کہاں تھے؟

تو یہ لوگ کہیں گے ہم بے طاقت تھے مشرکین اور دشمنانِ دین کا زور تھا ہم ان کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکتے تھے لہذا معذور تھے تو فرشتے جواب میں کہیں گے کیا تمہارے لئے زمینِ خدا تنگ تھی تم ہجرت کر کے چلے کیوں نہ گئے؟ پس ایسے تارکینِ ہجرت کے لئے عذابِ جہنم ہے پھر استثناء فرماتے ہوئے ارشاد ہے۔ البتہ بوڑھے مرد، بوڑھی عورتیں اور خورد سال بچے جو نہ اپنی حفاظت کر سکتے ہوں اور نہ ہجرت پر قدرت رکھتے ہوں۔ ان کا عذر مقبول ہے حضرت ابن عباس کہتے ہیں میرا باپ بوڑھے مردوں اور میری والدہ بوڑھی عورتوں اور میں خود بچوں میں داخل تھا۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرْعًا كَثِيرًا وَسَعَةً

اور جو ہجرت کر جائے اللہ کی راہ میں پائے گا زمین میں جگہ زیادہ اور کثرت

تفسیر برہان میں ہے کہ مستضعف کے بارے میں امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ وہ وہ ہے جو کفر سے بچاؤ کا کوئی حیلہ نہ رکھتا ہو اور ایمان پر آنے کے لئے اس کے پاس کوئی راہ نہ ہو پس نہ ایمان لاسکتا ہو اور نہ کفر کرتا ہو۔ آپ نے فرمایا بچے اور مردوں اور عورتوں میں سے بچوں کی سی عقلوں والے اسی حکم میں داخل ہیں۔ ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسے لوگ نہ مومن ہیں اور نہ کافر البتہ یہ لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اسمعیل جعفری کہتا ہے میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا۔ دین کی ضروری حدود کیا ہیں جن کی جہالت ناقابل معافی ہے آپ نے فرمایا اس کی حدیں وسیع ہیں۔ ہاں خوارج نے اپنی جہالت سے اپنے اوپر دین کا دائرہ تنگ کر دیا ہے۔ میں نے عرض کی حضور! میرا دین سن لیجئے۔ آپ نے فرمایا ہاں بیان کر۔ تو میں نے شہادتین کا کلمہ پڑھا اور کہا کہ جو کچھ رسول لائے مانتا ہوں۔ تمہاری ولا رکھتا ہوں اور تمہارے دشمنوں سے بیزار ہوں اور تمام ان لوگوں سے جو ناحق تم پر تسلط ہوئے اور تمہارے حقوق کے غاصب ہوئے ان سے بھی بیزار ہوں۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم تو جاہل نہیں۔ واللہ ہمارا دین یہی ہے۔ میں نے عرض کی جو شخص یہ معرفت نہ رکھتا ہو وہ بیچ کے گاہ؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ البتہ مستضعف لوگ میں نے دریافت کیا وہ کون ہیں؟ فرمایا تمہاری عورتیں اور بچے۔ پھر فرمایا میں ام المین کے متعلق بھی گواہی دیتا ہوں کہ وہ اہل جنت سے متی حالانکہ تمہاری معرفت جیسی اس کی معرفت نہ تھی۔ ایک روایت میں آپ نے فرمایا۔ جس شخص کو لوگوں کے دینی اختلاف کا علم ہو جائے اسے مستضعف نہیں کہا جاسکتا اور اپنے مستضعف کی تعریف میں فرمایا وہ ہے جو ہماری عداوت کی طرف بھی حیلہ نہ رکھتا ہو اور حق کی راہ تک بھی نہ پہنچ سکتا ہو۔ ایسے لوگ اپنی نیک اعمالوں کی بدولت جنتی ہوں گے جبکہ برائیوں سے بچتے ہوں۔ ہاں ابراہیم کے درجات ان کو نہ مل سکیں گے۔ ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا۔ مستضعف وہ عورتیں ہیں جن کو نماز پڑھنے کا حکم دو تو پڑھیں۔ ورنہ از خود ان میں اتنی سوچ نہ ہو۔ اسی طرح گھر کے خادم اور کنیز اور بڑی عمر والے لوگ اور خود سال بچے۔ یہ لوگ ہیں مستضعف۔ لیکن وہ مرنے والے گردنوں والے جو خود خرید و فروخت کر سکتے ہوں اور خوب جھگڑ کر سودا کرتے ہوں اور تمہاری امداد سے بے نیاز ہوں۔ ایسے لوگ مستضعف نہیں اور بالکل نہیں۔ ایک روایت میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا بچوں کی عقلوں والے مرد اور عورتیں مرفوع القلم ہوتے ہیں۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ جِدْ۔ تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالتؐ سے منقول ہے جو شخص اپنے دین کی حفاظت کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف ایک بالشت بھی جائے گا تو اس کے لئے جنت ضروری ہے۔ مجمع البیان میں عیاشی

وَمَنْ يُخْرِجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ

اور جو نکلے اپنے گھر سے مہاجر بن کر طرف خدا اور رسول کے پھر پالے اس کو موت

فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ

تو تحقیق ثابت ہو گیا اس کا اجر اللہ پر اور ہے اللہ غفور رحیم اور جب سفر کرو

فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ ۚ إِنَّ

زمین میں تو نہیں گناہ تم پر کہ قصر کرو نماز سے اگر تمہیں

خِفْتُمْ أَنْ يُفْتِنَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا أَلْعَادُ

ڈر ہو کہ تکلیف دیں گے تمہیں وہ لوگ جو کافر ہیں تحقیق کافر لوگ تمہارے ظاہر بظاہر

سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات کے بعد زرارہ نے اپنے بیٹے کو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے متعلق دریافت کے لئے بھیجا لیکن زرارہ کا بیٹا عبید ابھی خبر سے کہ واپس نہ پہنچا تھا کہ زرارہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد جب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے سامنے ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا زرارہ قرآن مجید کی اس آیت کا مصداق ہے اس زمانہ میں بھی جہاں مومن اپنے شعار ایمانی کو قائم نہ رکھ سکتے ہوں تو یہ آیت ان کو اب بھی ہجرت کی دعوت دے رہی ہے اور اسی کے ماتحت علما فرماتے ہیں کہ جس شہر میں ایک عالم دین موجود نہ ہو جس سے دین حاصل کیا جائے تو اس شہر کو چھوڑ کر وہاں سے ہجرت کر جانا واجب ہے۔

نماز قصر کا بیان - وَإِذَا ضَرَبْتُمْ - یعنی جب سفر کے لئے گھر سے نکلو تو نماز قصر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ مذہب اہلبیت علیہم السلام یہ ہے کہ سفر کی نماز قصر پڑھا کرتی ہے اور ہر چار رکعتی نماز دو دو رکعت پڑھی جاتی ہے لیکن نماز صبح اور نماز مغرب میں قصر نہیں ہے۔

آیت مجیدہ کا ظاہر یہ بتلاتا ہے کہ وہ سفر جس میں دشمن کا خوف ہو اس میں نماز قصر پڑھی جائے۔ لیکن چونکہ صرف خوف بھی نماز قصر کا موجب ہو سکتا ہے اور نماز خوف گھر میں بھی قصر پڑھی جاسکتی ہے اسی طرح خوف کے بغیر صرف سفر بھی قصر کا موجب ہے جیسا کہ اجماع امت اسلامیہ اس کی دلیل ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز قصر کے لئے سفر یا خوف میں سے صرف ایک ہی کافی ہے اور دونوں کا پایا جانا شرط قصر نہیں۔ لیکن آیت مجیدہ کے ظاہری الفاظ یہ اشتباہ ڈالتے ہیں کہ شاید قصر کے لئے دونوں چیزوں کی شرط ہو یعنی خوف بھی ہو۔ اور

سفر بھی۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب کے عام سفر خوف و خطر سے خالی نہیں ہوتے تھے اور اسی طرح عام طور پر خوف کا محل صرف سفر ہی ہوا کرتا ہے۔ تو اذان عامہ کے نزدیک سفر اور خوف میں یک گونہ تلازم ہی تھا۔ ورنہ درحقیقت سفر اور خوف میں کوئی تلازم نہیں کیونکہ جس طرح سفر بلا خوف ہو سکتا ہے اسی طرح خوف بھی بغیر سفر کے ہو سکتا ہے پس آیت مجیدہ میں اس زمانہ کے سفر اور خوف کی عمومی نسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے دونوں کو یکجا ذکر کر دیا گیا ہے۔ ورنہ نماز قصر کے لئے سفر اور خوف میں سے صرف ایک کافی ہے۔ یہاں بھی نماز قصر کا بیان ہے اور سفر کے بعد خوف کا ذکر صرف اتفاق غالب کی بنا پر ہے نہ بطور شرط۔ واللہ اعلم خوف کا بیان سمجھا جائے تو سفر کا ذکر عمومی اتفاق کے ماتحت ہوگا۔ نہ کہ بعنوان شرط۔ واللہ اعلم

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ۔ تفسیر مجمع البیان میں زرارہ اور محمد بن مسلم سے مروی ہے کہ ہم نے امام محمد بن قاسم علیہ السلام سے نماز سفر کے متعلق پوچھا کہ کس طرح ہے اور کس قدر ہے؟ تو آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا کہ نماز قصر پڑھنا سفر میں واجب ہے جس طرح کہ گھر میں نماز تمام واجب ہوا کرتی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے دریافت کیا حضور! خدا تو فرماتا ہے تم پر ایسا کرنے میں گناہ نہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ قصر پڑھو تو گناہ نہیں۔ یعنی جائز ہے اور اسی کا خلاف کرنا بھی جائز ہے۔ خدا نے یہ تو نہیں فرمایا کہ خواہ قصر ہی پڑھو۔ پس نماز قصر واجب کہاں سے ہو گئی؟ آپ نے فرمایا صفاد مردہ کا طواف سات چکر حاجیوں پر واجب ہیں۔ حالانکہ خدا نے وہاں بھی اسی قسم کی تعبیر فرمائی کہ ان کے طواف کرنے میں گناہ نہیں پس نماز قصر کا حکم بھی ویسے ہی ہے اور جناب رسالت اکرم نے ایسا ہی کیا ہے۔ پھر سوال کیا۔ کیا کوئی شخص جس نے سفر میں نماز پوری پڑھی ہو۔ اس کو دوبارہ نماز قصر پڑھنی پڑے گی یا وہی کافی ہے؟ تو آپ نے فرمایا اگر اس کے سامنے نماز قصر کی آیت پڑھی گئی اور اس کی تفسیر بھی اس کو سنائی گئی تب تو اس پر اعادہ واجب ہے اور اگر اس پر آیت قصر نہیں پڑھی گئی اور اسے یہ حکم معلوم نہیں تھا تو پھر اعادہ نہ ہوگا۔

نماز قصر کے لئے شرائط اور احکام ہیں جن کا جاننا ہر مکلف پر ضروری ہے اور مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر ہم مختصر طور پر مناسبت مقام سے یہاں بیان کرتے ہیں۔ تاکہ عوام کے لئے استفادہ میں کمی نہ رہے۔

۱۔ قصد مسافت یعنی آٹھ فرسخ یا اسی سے زیادہ مسافت کے سفر کا ارادہ ہو۔ خواہ یہ مسافت یک طرفی ہو یا آمد و رفت کو ملا کر اس قدر ہو جائے جب کہ اس کی واپسی دس دن کے اندر ہو اور اگر تین یا چار دفعہ کے دور سے مقدار پوری ہوتی ہو تو قصر نہ ہوگی۔

شرائط نماز قصر

وضاحت۔ فرسخ تین میل کا ہوتا ہے اور میل ۲ ہزار ذراع کا اور ہر ذراع ۲۴ انچوں کا جو آپس میں ملی ہوئی ہوں اور ہر انگلی سات جو کے پٹے ہوئے دانوں کے برابر جب کہ انہیں پہلو کے بل کھڑا کر کے ملایا جائے اور جو خیر کے

سات بالوں کی پوڑائی کے برابر ہو۔

مسئلہ۔ اگر ایک مقصد کی طرف دو یا زیادہ راستے جارہے ہوں جن میں سے بعض مسافت شرعی سے کم فاصلہ رکھتے ہوں اور بعض کا فاصلہ زیادہ ہو تو جس راستہ سے سفر کرے گا اسی کے حکم کے ماتحت قصر و تمام میں عمل کرے گا اور اگر صرف نماز روزہ کی قصر کی خاطر ہی اس نے طولانی راہ کو اختیار کیا تب بھی اس کے لئے قصر کا حکم ہوگا۔

مسئلہ۔ اپنے شہر سے لے کر تیس یا چالیس میل تک ایک سیرگاہ اور باغ بنا ہوا ہو اور اس نے اس سیرگاہ میں تفریحی طور پر پھرنے کا پروگرام بنالیا اور پھر چلنا شروع کر دیا یہاں تک کہ سیرگاہ کے آخری سرے تک پہنچ گیا اور پھر واپس اسی طرح تفریح کرتا ہوا چلا آیا اور گھر پہنچ گیا تو چونکہ اس پر مسافر کا اطلاق نہیں ہوتا۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ فلاں سیر و تفریح کے لئے پھر رہا ہے۔ لہذا اس کے لئے قصر بھی نہ ہوگی۔

مسئلہ۔ اگر مسافت سے کم کی نیت سے نکلا اور پھر بڑھتے بڑھتے مسافت شرعی یا اس سے زیادہ تک پہنچ گیا تو جاتے ہوئے قصر نہ ہوگی۔ کیونکہ بیک وقت قصد مسافت نہیں ہوا۔ ہاں جب واپس ہوگا۔ تو چونکہ مسافت پوری ہو چکی ہے۔ لہذا اس پر قصر ہوگی۔

مسئلہ۔ چونکہ قصد مسافت بنیت سفر ضروری ہے۔ لہذا اگر دو شخص ایک دوسرے کے مقابلہ میں دریا اور ان کا مقابلہ چار فرسخ کے سرے تک جانا اور واپس آنا ہو تو چونکہ ان پر عنوان مسافر صادق نہیں آتا۔ لہذا ان کے لئے قصر نہ ہوگی۔

۲، مسافر اثنائے سفر میں کسی ایک جگہ دس دن قیام نہ کرے ورنہ اگر دس دن کے قیام کی نیت کرے تو پھر قصر نہ رہے گی۔

مسئلہ۔ اگر وہ روزہ قیام کی نیت کر کے ایک نماز اسی کے ماتحت پوری پڑھ چکے اور پھر ارادہ قیام نہ کرنے کا ہو جائے تو جس قدر نمازیں وہاں روانگی سے پہلے پڑھے گا۔ پوری پڑھے گا اور بخلاف اس کے اگر دس دن سے کم قیام کا ارادہ ہو تو قصر پڑھتا رہے اگرچہ یہ کم از کم ارادہ تیس روز تک ہی پہنچ جائے۔ مثلاً ایک جگہ پانچ روز کے قیام کی نیت تھی۔ جب پانچ پورے ہوئے تو پھر پانچ دن قیام کی اور نیت کر لی۔ و علیٰ ہذا القیاس۔ اتفاقاً ایسی صورت پیدا ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ ایک ماہ ہو گیا تو اس دوران میں نماز قصر پڑھے گا۔ لیکن جب تیس دن پورے ہو جائیں گے تو اس کے بعد خواہ ایک گھنٹہ بھی رہے گا تو اس وقت میں حاضر نماز کو پورا پڑھے گا۔ کیونکہ تیس دن متروک کی نماز قصر کی آخری حد ہے۔

مسئلہ۔ اگر قصد مسافت کرے لیکن اثنائے راہ میں اس کا وطن آجائے تو اگر ابتدائے مسافت سے اس وطن تک اور یہاں سے مقصد تک علیحدہ علیحدہ بھی فاصلہ مسافت شرعی ہے تو سفر کے ہر دو حصوں میں قصر

ہوگی اور وطن اور مقصود میں قصر نہ ہوگی ورنہ سفر کے جس حصہ کا فاصلہ مسافت شرعی ہوگا اسی میں ہی قصر ہوگی۔
مسئلہ ہر وطن کے صدق کے متعلق متعدد اقوال ہیں بعض کہتے ہیں ملکیت بھی ہو اور قصد توطن بھی ہو اور بعض صرف توطن کو کافی سمجھتے ہیں لیکن اس مقام پر وہ قاعدہ جس پر قصر کی بنیادوں کو ہستوار کیا گیا ہے۔ وہ ہے عنوان مسافرت پس جس پر لفظ مسافر صادق ہو اس پر قصر واجب ہے اور جس پر مسافر کا عنوان صادق نہیں اس پر قصر واجب نہیں خواہ اس مقام پر اس کے توطن کی شرائط پوری ہوں یا نہ ہوں۔ پس جب اپنے گھر کو پھوڑ کر سفر میں جائے گا تو نماز قصر پڑھے گا اور اٹھائے سفر میں پھر اگر اس کا اپنا ذاتی گھر آجائے تو پھر بجائے مسافر کے گھر والا ہو جائے گا۔ لہذا قصر نہ رہے گی۔ خواہ یہ گھر اس کا خرید کردہ ہو یا پرانا اور اس میں چھ ماہ یا کم و بیش متواتر قیام رہا ہو یا نہ ہو اور خواہ اس کی ملکیت بھی ہو یا نہ ہو لیکن اس جگہ پر یہ صادق آتا ہو کہ یہ فلاں کا گھر ہے اور اس جگہ پر عرفاً اس کو مسافر نہ کہا جاتا ہو۔

مسئلہ ہر اگر ایک شخص نے متعدد منزلیں بنائی ہوں تو ضروری نہیں کہ وہ سب اس کے گھر شمار ہوں۔ بعض لوگ متعدد شہروں میں مکانات بنوا لیتے ہیں یا خرید کر لیتے ہیں تاکہ دوران سفر میں یہاں اگر آسودگی حاصل ہو اور کرایہ پر جگہ تلاش کرنے کی ضرورت نہ ہو پس کبھی دو دن اور کبھی چار دن اور اس سے کم و بیش ٹھہر کر چلے جاتے ہیں تو ان پر عرفاً گھر اور وطن کا عنوان صادق نہیں آسکتا اور بعض مکانات ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں رہائش کے لئے خریدا یا بنوایا جاتا ہے اور اس طرح بعض لوگوں کے دو دو یا تین تین گھر بھی ہوتے ہیں۔ پس اگر منزل پہلی قسم کی ہو تو دوران سفر میں وہاں پہنچنے سے سفر نہیں منقطع ہوتا اور اگر منزل دوسری قسم کی ہو تو وہاں پہنچتے ہی سفر منقطع ہو جائے گا۔

مسئلہ ہر اگر ایک شخص نے ایک منزل کو ایک خاص موسم کے لئے بطور گھر و وطن بنایا یا خریدا۔ مثلاً موسم گرما کے لئے کسی پہاڑی علاقہ میں گھر بنایا تو اس منزل پر اس کی وطنیت کا صدق صرف موسم گرما میں ہی ہوگا۔ لہذا اگر یہی شخص دوران سفر میں موسم سرما میں اتفاقاً یا عمدتاً وہاں پہنچے گا تو قصر کے توڑنے کے لئے صرف وہاں پہنچنا کافی نہ ہوگا کیونکہ وہ جگہ اس کی ذاتی ملکیت کے لحاظ سے اس کی گذرگاہ ہے اور اس کی اس موسم میں وہ قیام گاہ نہیں ہے تاکہ کہا جائے کہ وہ اپنے گھر میں پہنچ گیا۔ پس اس صورت میں اس کی قصر تب ختم ہوگی جب وہ وہ روزہ قیام کرے گا۔
 علی بن یقطين سے مروی ہے کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ بستی بستی میں فرس خورد فرسخ کے فاصلہ پر میری جائیداد اور مکانات موجود ہیں تو آپ نے فرمایا ہر وہ مکان جس کو تو نے گھر و وطن بنایا ہو اس کے علاوہ ہر مکان میں نماز قصر پڑھ لیا کرو۔

(۳) سفر جائز ہو۔ خواہ واجب ہو یا مستحب یا مباح پس اگر سفر حرام ہوگا جیسے ظالم کی ہمراہی کے لئے یا لہو و لعب

کے شکار و تماشہ کے لئے تو نماز قصر نہ ہوگی۔ یعنی ہر وہ کام جس میں اللہ کی معصیت ہو اس کے لئے سفر کرنا حرام ہے اور اس سفر میں نماز قصر نہ ہوگی۔

مسئلہ ۴: ناجائز سفر پر جاتے ہوئے جس طرح قصر نہ ہوگی۔ اسی طرح اس سفر سے واپسی بھی قصر کی موجب نہ ہوگی کیونکہ واپسی بھی سفر معصیت کا ہی حصہ ہے۔ ہاں اگر سفر معصیت میں جاتے ہوئے یا منزل پر پہنچ کر کتاب ہو جائے تو واپسی کا سفر یا کل باقی سفر جائز اور موجب قصر ہوگا۔

(۴) سفر پیشہ نہ ہو اور اس عنوان کو بعض علماء نے کثیر السفر اور خانہ بدوش بھی تعبیر کیا ہے اور بعض عبارتوں میں ہے۔ سفر حضرت سے زیادہ نہ ہو۔ لیکن اس باب کی احادیث سے جہاں تک استفادہ کا تعلق ہے تو صرف دو قسم کے عنوان مستفاد ہوتے ہیں ایک پیشہ سفر ہونا اور دوسرا اپنا گھر اپنے ہمراہ ہونا یعنی خانہ بدوش ہو۔ ان کے علاوہ کثیر السفر یا سفر کا حضرت سے زیادہ ہونے کے عنوان احادیث سے مستفاد نہیں ہوتے۔ پس اگر پیشہ کے بغیر اتفاقی طور پر متعدد اسفار پے درپے کرنے پڑ جائیں اور کثیر السفر کا عنوان صادق آجائے تب بھی قصر ہوگی اور بخلاف اس کے اگر پیشہ کا سفر ہو تو خواہ کثرت نہ بھی ہو تب بھی قصر نہ ہوگی اور پیشہ سفر اگر مخصوص موسم میں ہو تو صرف اسی موسم میں اس کا سفر موجب قصر نہ ہوگا جو اسی پیشہ کے ماتحت ہو اور باقی موسموں میں اس کے اسفار موجب قصر ہوں گے۔ اور اسی طرح خانہ بدوش لوگوں کے لئے قصر نہیں ہے اور اس کا خانہ بدوش ہونا بھی اگر کسی موسم سے مختص ہے تو یہ حکم صرف اسی موسم کے لئے ہوگا۔ اور اگر سارا سال خانہ بدوش ہوں گے تو حکم بھی سارے سال کے لئے ہوگا لیکن اگر یہ لوگ کسی اور سفر کے لئے جائیں جس کا تعلق ان کے پیشے سے نہ ہو مثلاً حج یا زیارت وغیرہ تو ان کے لئے باقی شرائط کے ماتحت قصر ہوگی۔

مسئلہ ۵: چونکہ پیشہ سفر میں کثرت سفر کا عنوان تو معتبر ہے نہیں لہذا اس میں پہلے اور دوسرے یا تیسرے سفر کا لحاظ نہیں ہونا چاہیے لیکن روایات میں ہے کہ دس دن کے قیام کے بعد کا سفر موجب قصر ہوگا۔ بنا بریں پیشہ در مسافر کا پہلا سفر قصر کا موجب ہوگا اور اس کے بعد بلحاظ پیشہ اس کی قصر نہ ہوگی لیکن پھر جب دس دن کہیں قیام ہوگا اس کے بعد کا پہلا سفر موجب قصر نہ ہوگا۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

(۵) حد ترخص سے باہر ہو۔ اور حد ترخص اس مکان کو کہتے ہیں جہاں سے اس کے شہر کے مکانات نظر نہ آ سکتے ہوں یا اذان نہ سنائی دیتی ہو۔ لہذا جب تک مسافر حد ترخص کے اندر ہوگا اس پر قصر نہ ہوگی۔ جب اس سے باہر پہنچے گا تو قصر ہوگی اور نماز درودہ کا حکم اس بارے میں ایک جیسا ہے اور جب سفر سے واپس آئے گا تب بھی قصر کی آخری حد یہی مقام ہوگا۔

مسئلہ ۶: مسافت شرعی شہر یا محلہ کی آخری حدود سے شروع ہو کر اٹھ فرسخ یکطرفی یا دوطرفی ہوگی

لیکن قصر کا عمل حدّ ترخص سے شروع ہوگا اور حدّ ترخص پر ختم ہوگا۔

مسئلہ۔ مسافر کا جس جگہ دس دن قیام کرنے کا ارادہ ہو اور اسی دوران میں وہ مسافت شرعی کے اندر تک ضروری کاروبار کے لئے جا کر اسی روز واپس آجائے تو عرف کے لحاظ سے اس کی یہ آمد و رفت دس دن کے قیام میں غل نہیں لیکن بعض علماء اس کو منافی قیام سمجھتے ہیں بنا بریں احتیاط اسی میں ہے کہ اگر ایک جگہ دس دن کے قیام کا ارادہ ہو اور دو چار دن رہنے کے بعد کسی کام کے لئے باہر چلا جائے بشرطیکہ مسافت شرعی کے فاصلہ سے کم تک ہو اور اسی جگہ واپس آجائے تو باقی ماندہ مدت میں قصر اور اتمام کے درمیان جمع کرے اور اگر واپسی کے بعد دوبارہ مستقل دس روز کی علیحدہ نیت کرے تو پھر اتمام ہوگی اور پہلی صورت میں بھی اتمام خالی از قوت نہیں۔

مسئلہ۔ اگر ایک جگہ پندرہ روزہ قیام کی نیت کر لی ہے۔ دس دن ٹھہرنے کے بعد ایک یا دو دن کے لئے مسافت شرعی سے کم فاصلہ پر کہیں جانا ہے اور پھر واپس آنا ہے اور باقی ماندہ دن قیام کر کے چلا جانا ہے۔ یعنی بعد میں دس روزہ قیام کا ارادہ نہیں ہے تو اس صورت میں جانے اور وہاں ٹھہرنے اور واپس آنے اور باقی ماندہ دس دن سے کم قیام کرنے کے زمانہ میں نماز قصر ہی پڑھی جائے گی اور پہلے مسئلہ میں بھی اگر دس روزہ قیام کے دوران میں کہیں شب باشی کے لئے جائے گا تو دس دن کے تسلسل میں چونکہ خلل آجائے گا۔ لہذا باقی ایام میں قصر ہو جائے گی اور چونکہ اسی دن کی واپسی عرفاً قیام میں غل نہیں ہوتی۔ لہذا اس مسئلہ میں بھی اگر یہی صورت ہو تو آمد و رفت میں اور باقی ایام میں قصر نہ ہوگی اور حسب سابق قصر و اتمام دونوں پڑھنے میں احتیاط ہے۔

مسئلہ۔ حماد بن عیسیٰ سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا مسافر کے لئے چار مقامات پر نماز کا پورا پڑھنا۔ اللہ کے خزانوں علم میں سے ہے اور وہ مقامات یہ ہیں۔ حرم خدا حرم رسول حرم امیر المؤمنین اور حرم حسین علیہ السلام (کیونکہ ان مقامات میں نماز قصر اور تمام میں مسافر کو اختیار ہے) ایک اور روایت میں مکہ۔ مدینہ۔ مسجد کوفہ اور حائر حسینی کے الفاظ ہیں۔

مسئلہ۔ جو شخص قصر کو نہ جانتے ہوئے نماز پوری پڑھے تو اگرچہ وقت باقی بھی ہو۔ تاہم اس پر قضا نہیں ہے لیکن اگر بھول کر نماز قصر کی بجائے پوری پڑھے بیٹھے تو اگر وقت باقی ہے تو اعادہ لازم ہے۔ ورنہ قضا ضروری نہیں۔

مسئلہ۔ نماز کا وقت داخل ہوا تو ایک شخص گھر میں موجود تھا اور پھر سفر کو روانہ ہوا تو اب اس پر نماز قصر واجب ہوگی اور بخلاف اس کے اگر سفر سے واپس آئے اور گھر پہنچنے پر ابھی وقت نماز باقی ہو اور پڑھ نہ چکا ہو تو پوری پڑھے گا۔ یعنی وقت ادا کا لحاظ رکھے نہ کہ وقت واجب کا لیکن اگر یہی نماز قضا ہو جائے تو اس کی حالت قضا کا لحاظ رکھ کر قضا پڑھے گا۔ یعنی پہلی صورت میں قصر اور دوسری صورت میں تمام۔ واللہ اعلم

مِیْنًا ۝۱۰۱) وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ

دشمن ہیں اور جب آپ ان میں ہوں پس پڑھائیں ان کو نماز تو کھڑا ہر جائے ایک گروہ

مِنْهُمْ مَعَكَ وَلِيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ

ان کا آپ کے ساتھ (اقتدار میں) اور سنبھالیں اپنے ہتھیار پس جب سجدہ کر لیں تو پیچھے ہو جائیں (دشمن کے مقابل میں)

وَرَأَيْكُمْ وَلَتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلِيَأْخُذُوا

اور آئے گروہ دوسرا جنہوں نے نماز نہیں پڑھی پس وہ نماز پڑھیں آپ کے ساتھ اور سنبھالیں

حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ

اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار چاہتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہیں کہ تم غافل ہو جاؤ اپنے

وَأِذَا كُنْتَ فَانْصُرْ مَن يَنصُرُكَ ۚ وَبِالْأَعْيُنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لكَ آيَاتِهِ لَعَلَّكَ تَنفَعُ

نماز خوف کا بیان

وَأِذَا كُنْتَ فَانْصُرْ مَن يَنصُرُكَ ۚ وَبِالْأَعْيُنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكَ آيَاتِهِ لَعَلَّكَ تَنفَعُ

ذکر کیا جاتا ہے تاکہ افادیت میں کمی نہ رہے۔ تفاسیر میں ہے کہ جب رسالتاً مکہ کے ارادہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو قریش کو بھی معلوم ہو گیا۔ پس انہوں نے خالد بن ولید کو ایک سو سوار کے ہمراہ بھیجا تاکہ آنحضرت کی پیش قدمی کو روکے مسلمان مقام عسفان میں اور مشرکین مقام بھجنان میں تھے۔ نماز ظہر کا وقت آیا۔ بلال نے اذان کہی اور آپ نے یہ نماز رکوع و سجدہ کے ساتھ پڑھائی۔ خالد بن ولید نے کہا افسوس ہم نماز کے دوران میں ان پر ہم حملہ آور ہو جاتے۔ تو یقیناً کامیاب ہو جاتے کیونکہ یہ لوگ نماز کو ہرگز نہ توڑتے۔ لیکن ابھی ایک اور نماز باقی ہے یعنی نماز عصر جو ان کو آنکھوں کی بینائی سے بھی زیادہ محبوب تر ہے جب اس میں داخل ہوں گے تو ہم ان پر حملہ کریں گے۔ پس جبریل نازل ہوا۔ اور نماز خوف کا حکم لایا اور آپ نے نماز عصر خوف کے طریقہ سے ادا فرمائی جس طرح قرآن مجید میں بیان ہو رہا ہے اور مجمع البیان میں ہے کہ یہی واقعہ خالد بن ولید کے اسلام لانے کا باعث بنا تھا۔

آیت مجیدہ کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فوج اسلام دو حصوں میں تقسیم ہو کہ ہر ایک گروہ ایک ایک رکعت نماز پڑھے گویا یہ قصر در قصر ہے کیونکہ پہلا گروہ صرف پہلی رکعت پڑھ کر چلا جائے گا اور دوسرا گروہ دوسری رکعت میں شریک ہوگا اور وہ بھی ایک رکعت صرف پڑھ کر ختم کرے گا اور بعض لوگوں کا یہی مذہب ہے۔

دانی میں کافی سے مروی ہے کہ جناب رسالتاً نے صحابہ کو غزوہ ذات الرقاع میں نماز خوف پڑھائی تھی اور وہ

أَسْلَحَتْكُمْ وَامْتَعَتْكُمْ فَيَسْلُونُ عَلَيْكُمْ مِّمْلَةً وَاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ

ہتھیاروں سے اور سامان سے تاکہ وہ ٹوٹ پڑیں تم پر ایک بار اور نہیں گنہ

عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّنْ مَّطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَّرْضَىٰ أَوْ

تم پر اگر ہو تمہیں تکلیف بارش سے یا ہو بیمار کہ انار دو

تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝

اپنے ہتھیار اور سے لو بچاؤ اپنا تحقیق اللہ نے تیار کیا ہے کافروں کے لئے عذاب ذلت کثیر

اس طرح کہ فوج کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا۔ ایک گروہ دشمن کے مقابلہ میں اور دوسرا گروہ شریک جماعت ہوا۔ جب پہلی رکعت تمام ہوئی تو آپ دوسری رکعت کے لئے اٹھے اور قیام میں کھڑے رہے اور صحابہ نے عہدی سے دوسری رکعت انفرادی طور پر تمام کر لی اور سلام پڑھ کر دشمن کے مقابلہ میں چلے گئے اور وہ گروہ جو لڑ رہا تھا وہ نماز کے لئے اگیا اور انہوں نے حضور کے ساتھ ایک رکعت پڑھی پس جناب رسالتاً نے تشہد کو طول دیا۔ اتنے میں انفرادی طور پر دوسری رکعت پڑھ لی اور تشہد میں بیٹھ گئے۔ اور سلام میں حضور کے ساتھ شریک ہو گئے اور چونکہ غزوہ ذات الرقاع میں اسی طرح پڑھی گئی اسی لئے اس نماز کو فقہا صلوٰۃ ذات الرقاع سے تعبیر فرماتے ہیں۔ اگر مغرب کی نماز کو خوف کے طریقے سے پڑھا جائے تو پہلے گروہ کو ایک رکعت جماعت کے ساتھ اور پیش نماز کا دوسری رکعت کا قیام طولانی ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ دو رکعتیں مختصر طور پر انفرادی سے پڑھ لیں گے اور ختم کر کے دشمن کے مقابلہ میں جا کھڑے ہوں گے۔

اور دشمن کے مقابلہ والا گروہ آجائے گا اور امام کی دوسری رکعت میں شامل ہوگا۔ لیکن اس کی وہ رکعت پہلی ہوگی۔ پھر امام کی تیسری اس کی دوسری ہوگی۔ اس طرح یہ گروہ دو رکعتیں جماعت کے ساتھ پڑھے گا اور تشہد میں طول دیا جائے گا۔ تاکہ یہ لوگ اپنی تیسری رکعت انفرادی طور پر پڑھ کر سلام میں شریک ہو جائیں۔ تفسیر برہان کی ایک روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام سے نماز خوف کے مذکورہ طریقہ کے بعد منقول ہے۔ آپ نے فرمایا اگر خوف اس سے شدید تر ہو جس طرح باہمی تلوار زنی، نیزہ زنی اور ہاتھ پائی تک نوبت آجائے اور (روک و سبکد کا امکان بھی نہ ہو تو پیدل یا سوار جس طرف منہ ہو جائے فرمایا کہ لیلۃ الہریرہ میں حضرت امیر علیہ السلام نے ظہرین و مغربین کی نماز نہیں پڑھائی تھی اور تسبیح و تہلیل اور تحمید و دُعا رکعتوں کا بدلہ تھیں اور یہی ان کی نماز تھی اور نماز خوف میں نمازیوں کو حکم دیا گیا کہ اپنے آلات جنگ لگائے رکھیں جس طرح کہ آیت مجیدہ میں صاف مذکور ہے اور نماز خوف کے متعلق بلد ثالث ص ۹۳ پر بھی گزر چکا ہے۔

إِنْ كَانَ بِكُمْ ۝ تفسیر مجمع السببان میں منقول ہے کہ جناب رسالتاً نے ایک مرتبہ ایک قبیلہ عرب سے

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ

پس جب پوری کر نماز تو ذکر کرو اللہ کا کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور اپنے

جُنُوبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ

پہلوؤں کے بل پس جب اطمینان سے ہو تو قائم کر نماز کو تحقیق نماز ہے مومنوں

جنگ کیا اور فتح پائی پس جب دشمنوں میں سے ایک بھی نظر نہ آیا تو مسلمانوں نے ہتھیار اتار دیئے اور حضور حاجت ضروریہ کے لئے وادی کو عبور کر کے پرلی طرف چلے گئے۔ بارش بھی جاری ہو گئی اور صحابہ اور آپ کے درمیان وادی کا فاصلہ بھی تھا تو آپ درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے اتنے میں غوث بن حارث نے آپ کو دیکھ لیا اور ساتھیوں نے بھی اسے اگسایا تو اس نے قسم کھالی کہ میں آپ کو ضرور قتل کروں گا پس تلوار لے کر چپکے چپکے پہاڑ سے اترا۔ اور جناب رسالتؐ کو اس وقت خبر ہوئی جب وہ سر پہ پہنچا تلوار کو میان سے کھینچ کر کہنے لگا۔ اب تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ! یہ سنتے ہی وہ دشمن خدا منہ کے بل زمین پر گرے تو آپ نے اس کی تلوار قبضہ میں کر لی اور فرمایا اب تو بتا کہ تجھے مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ وہ کہنے لگا کوئی نہیں بچا سکتا۔ آپ نے فرمایا کلمہ شہادتیں پڑھو تو چھوڑتا ہوں اس نے کہا یہ تو نہیں البتہ یہ عہد کرتا ہوں کہ نہ خود تیرے ساتھ لڑوں گا اور نہ تجھ سے لڑنے والوں کی امداد کروں گا پس آپ نے تلوار واپس کر دی جب واپسی پر غوث سے اپنے ساتھیوں نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا۔ جب میں نے جناب رسالتؐ پر تلوار تولی تھی تو غائبانہ طاقت نے میرے کندھوں کو دبا یا تھا کہ میں منہ کے بل گر پڑا تھا بارش کے خاتمہ پر آپ واپس آئے اور یہ آیت پڑھی۔ اِنَّ كَانَ يَكْفُرُ اَذَىٰ

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ۔ آیت مجیدہ کے معنی میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں معنی یہ ہے کہ کسی جنگ کی انتظام کے زمانہ میں جب تم نماز سے فارغ ہو تو بطور تعقیب کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر یا لیٹ کر اللہ کو یاد کرتے رہو۔ اور عَلٰی جُنُوبِكُمْ۔ محلاً منصوب ہے اور حال ہے کیونکہ ماقبل پر اس کا عطف ہے گویا ان تینوں حالتوں میں اللہ کا ذکر کرو تاکہ وہ تمہیں فتح و کامرانی نصیب فرمائے اور یہ معنی ابن عباس سے منقول ہے (۲) دوسرا معنی یہ ہے کہ جب تم نماز کا ارادہ کرو تو نماز پڑھو۔ اپنی وسعت و طاقت کے مطابق صبح قیام کے ساتھ اگر تندرست ہو اور بیٹھنے کی حالت میں اگر قیام نہ کر سکتے ہو اور لیٹ کر اگر بیٹھنے کی طاقت بھی نہ ہو۔

فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ۔ بعض کہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب تم اطمینان سے اپنے وطنوں میں موجود ہو تو نماز پڑھو پوری اطمینان کے ساتھ بغیر قصر کے اور بعض کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جب تم خوف سے اطمینان حاصل کرو تو نماز اپنے حدود کے ساتھ قائم کرو۔

عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مُّوَقُّوتًا ۝ وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِن تَكُونُوا

پر فرض مقرر اور نہ سستی کرو تلاش قوم میں اگر تم تکلیف

تَأْلُمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلُمُونَ كَمَا تَأْلُمُونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ

محسوس کرتے ہو تو وہ بھی تکلیف زدہ ہیں اور امید رکھتے ہو تم اللہ سے جو وہ نہیں رکھتے

وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ

اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا ہم نے اتاری آپ پر کتاب ساتھ حق کے تاکہ آپ حکم کریں

النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِبِينَ خَصِيمًا ۝ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ط

لوگوں میں ساتھ اس کے جو اللہ نے آپ کو رائے زنی کی قوت دی اور نہ ہوں آپ خیانت کرنے والوں کے طرف دار اور طلب مغفرت کیجئے

إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَلَا تَجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ

اللہ سے تحقیق اللہ غفور رحیم ہے اور مت جھگڑو ان کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں

أَنْفُسَهُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَانًا أَتِيًّا ۝ يَسْتَحْفُونَ

اپنے نفسوں میں تحقیق اللہ نہیں دوست رکھتا اس کو جو ہو خائن گنہگار چھپتے ہیں

مُوقُّوتًا۔ تفسیر برہان میں ائمہ معصومین علیہم السلام سے اس کا معنی مفروض کیا گیا ہے نہ کہ موقت۔

وَلَا تَهِنُوا۔ بعض کہتے ہیں کہ بدر صغریٰ کی طرف روانگی کے لئے اُتری ہے کیونکہ اُحد کے روز البوسفیان کہہ کر گیا تھا

لیکن دل پر مسلمانوں کا رعب ایسا طاری ہوا کہ مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی اُسے قدم واپس آیا اور بعض کہتے ہیں کہ جنگ اُحد کے موقع پر اُتری۔ جب کہ البوسفیان نے کچھ فاصلہ سے واپس اگر مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا تھا اور مسلمانوں کو ان کے تعاقب کا حکم ہوا تھا اس بارہ میں پارہ نمبر ۷ کے رکوع نمبر ۷۷، ۷۸ میں آیات گزر چکی ہیں اور مختصر طور پر واقعہ کی طرف بھی اشارہ کیا جا چکا ہے۔

بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ۔ تفسیر صفائی دبرہان میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اپنی مخلوق میں سے خداوند کریم نے کسی کو (امور شرعیہ کی) تفویض نہیں فرمائی سوائے جناب سالتاب

اور ائمہ طاہرین کے چنانچہ آپ نے یہ ایت تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ اس ایت مجیدہ کی تاویل ادھیار میں جاری ہے۔

رکوع نمبر ۱۳

مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُمْ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّنُ لَكُمُ

لوگوں سے اور نہیں چھپتے اللہ سے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جب رات کو مشورہ کرتے ہیں

مَا لَا يَرْضَى مِنَ الْقَوْلِ ط وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ۝۱۰۸

نا پسندیدہ باتوں کا اور ہے اللہ ساتھ اس کے جو عمل کرتے ہیں احاطہ رکھنے والا

تفسیر برہان میں منقول ہے مولیٰ بن اشیم کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملاقات کے لئے وقت طلب کیا اور آپ نے میری استدعا کو شرف قبولیت بخشے ہوئے میرے ساتھ ایک دن کا وعدہ کیا۔ پس وعدہ کے مطابق جب میں حاضر ہوا تو جو کچھ پوچھنا تھا پوچھا۔ اسی اثناء میں ایک شخص نے دروازہ پر دستک دی آپ نے فرمایا دیکھو دروازہ پر کوئی ہے۔ میں نے عرض کی حضور! میں فارغ ہو چکا ہوں۔ جیسا مناسب ہو آپ کریں تو آپ نے اس کو اندر آنے کی اجازت دی ایک شخص آکر بیٹھ گیا اور وہ مسائل دریافت کئے جو میں ابھی کر چکا تھا تو آپ نے جواب اس کو میرے جواب کے خلاف دیا۔ یہ سنتے ہی میری طبیعت میں اس قدر اضطراب پیدا ہوا کہ بس اللہ ہی جانتا ہے وہ شخص فارغ ہو کر چلا گیا اور تھوڑی دیر گزری کہ اور شخص آگیا۔ آپ نے اس کو اجازت دی وہ ایک گھنٹہ بیٹھا۔ اور وہی مسائل پوچھنے لگا جو ہم دونوں پوچھ چکے تھے تو آپ نے اس کو پہلے درجہ اولوں کے علاوہ جواب دیا اور میرا غم و اضطراب پھر اور زیادہ بڑھ گیا۔ اور قریب تھا کہ میں کافر ہو جاؤں پس وہ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد تیسرا آدمی آہنچا اور اس نے بھی بعینہ وہی مسائل دریافت کئے تو آپ نے اس کو پہلے تمام جوابوں کے علاوہ جواب دیا۔ پس میرے اضطراب کی کوئی حد نہ رہی اور مجھ پر دنیا تاریک ہو گئی۔ جب آپ نے میری طرف مڑ کر دیکھا اور میرا اضطراب ملاحظہ فرمایا تو میرے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمانے لگے۔ اے ابن اشیم خدا نے ابن داؤد کو ملک تفویض فرمایا تھا اور ارشاد ہوا تھا هَذَا عَطَاءُ مَا قَامَتْ اَوْ اَمْسَكَ بَخِيلٍ حَسَابٍ اور تحقیق اللہ سبحانہ نے جناب محمد مصطفیٰ کو دین کے معاملات تفویض فرمائے اور ارشاد ہوا اَحْكُمُ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَنْزَلَ اللَّهُ اور خدا نے ہمیں وہی کچھ سپرد کیا جو اس نے اپنے رسول کو سپرد کیا تھا (مقصود یہ ہے کہ نبی اور امام کا کام ہے مصلحت دیکھ کر ان کے درمیان حکم کریں جس طرح کہ ڈاکٹر ایک ہی بیماری کے مریضوں کو ان کے مزاج اور ماحول کے مطابق دوا اور پرہیز بتلاتے ہیں۔ اسی طرح نبی و امام جو روحانی حکیم ہیں۔ ماحول اور مزاج کو پہچان کر ان کے موافق روحانی علاج کے نسخے تجویز کرتے ہیں۔

وَلَا تَكُنْ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔ تفسیر صافی میں تفسیر قمی سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ کا سبب نزول یہ ہے کہ قوم انصار میں سے بنو ابیرق تین بھائی تھے جو منافق تھے اور ان کے نام بشیر، بشیر، بشیر تھے انہوں نے قتادہ بن نعمان

هَآئِنْتُمْ هَؤُلَاءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُجَادِلُ اللّٰهَ

خبردار تم لوگ جھگڑتے ہو ان کی طرف سے حیاتی دنیا میں تو کون جھگڑے گا اللہ کے ساتھ

عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ اَمْ مَنْ لِّكُوْنٍ عَلَيْهِمْ وَكَيْلًا ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ

ان کی طرف سے بروز قیامت یا کون ہوگا ان پر دکیل؟ اور جو عمل کرے

جو بدری تھا کے چچا کے گھر نقب زنی کر کے اس کے بچوں کے کھانے پینے کا سامان اور ایک زرہ چرائی۔ قتادہ نے جناب رسالتؐ سے اس کی شکایت کی۔ ان کے ہمایوں ایک شخص مومن تھا جس کا نام لبید بن سہل تھا اس نے وہ چوری اس پر تھوپ دی اور قتادہ سے کہا اس کا مجرم لبید بن سہل ہے جب لبید کو معلوم ہوا تو اس نے تلوار کینچ لی اور نزہدہ کے سر ہو گیا کہ تم نے خود کردہ گناہ کو میرے سر کیوں تھوپ دیا اور تم ایسے منافق لوگ ہو کہ جناب رسالتؐ کی ہجو کر کے قریش کی طرف منسوب کر دیا کرتے ہو۔ اب میں اس حقیقت کا پردہ چاک کروں گا اور تلوار کو تمہارے خون سے میرا بکروں گا۔ جب انہوں نے یہ ماجرا دیکھا تو لبید کے ساتھ چالپوسی اور خوشامد سے پیش آئے بالآخر اس کو خاموش کر کے واپس کر دیا۔

پھر یہ لوگ اپنے قبیلہ کے ایک شخص اسید بن عروہ نامی کے پاس حاضر ہوئے کہ وہ رسالتؐ کی خدمت میں ان کی صفائی کرے کیونکہ یہ شخص باتیں کرنا خوب جانتا تھا چنانچہ وہ ان کی صفائی کے لئے حاضر بارگاہ رسالتؐ ہوا۔ اور عرض کی حضور! قتادہ بن نعمان نے ہماری قوم کے بعض شرناصا جان حسب و نسب پر چوری کا الزام لگا دیا ہے۔ اور ان بے گناہوں کو اس نے مجرم قرار دیا ہے اس کے سننے سے حضورؐ رنجیدہ خاطر ہوئے اور جب قتادہ خدمت اقدس میں پہنچا تو جناب رسالتؐ نے اس کو سرزنش کی قتادہ کو بیدہ خاطر واپس اپنے چچا کے پاس آیا اور کہنے لگا کاش میں مر گیا ہوتا۔ اور حضورؐ کے سامنے وہ بات نہ کی ہوتی۔ کیونکہ حضورؐ نے آج مجھے ایسے الفاظ کہے ہیں جو میں پسند نہیں کرتا تو اس کے چچا نے کہا کہ بس اللہ سے ہی ہماری فریاد ہے۔ تب یہ آیتیں اتریں۔ نیز صفائی میں جوامع سے مروی ہے کہ ابو طعمہ نے جو ابیرق کا بیٹا تھا (بشیر کو ابو طعمہ کہا جاتا تھا) اپنے ایک ہمایہ قتادہ بن نعمان کی زرہ چرا کر ایک یہودی کے پاس رکھی۔ قتادہ نے وہ زرہ یہودی کے ہاں سے پکڑی تو یہودی نے صاف کہہ دیا کہ مجھے ابو طعمہ نے دی ہے جب نبو ابیرق کو پتہ چلا تو وہ حضرت رسالتؐ کے پاس چلے آئے اور عرض کی کہ حضور! آپ ابو طعمہ کی طرفداری فرمائیں ورنہ وہ ہلاک و بدنام ہوگا اور یہودی بری ہو جائے گا پس جناب رسالتؐ نے یہودی کی سزا کا ارادہ فرمایا تو یہ آیت اتری اور اسی قسم کی اور روایات بھی کتب عامہ سے زیادہ تفصیل کے ساتھ منقول ہیں۔ تفسیر صفائی میں تفسیر قمری سے مروی ہے

وَإِنَّمَا مَبِينَانَا ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ

اور گناہ ظاہر کا اور اگر نہ ہوتا فضل خدا تم پر اور اس کی رحمت تو ارادہ کیا تھا ان سے ایک گروہ نے

أَنْ يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوكَ مِنْ شَيْءٍ ۖ ط

کہ آپ کو بھٹکا دیں حالانکہ وہ نہیں بھٹکتے مگر اپنے نفسوں کو اور آپ کو ضرر نہیں پہنچاتے کچھ بھی

وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ ۖ وَكَانَ

اور اتاری اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت اور تعلیم دی آپ کو جو آپ نہیں جانتے تھے اور ہے

رکوع نمبر ۱۲

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ ۖ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت بنی ابیرق کے حق میں اُتری۔ جن کا قصہ گزر چکا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حضورؐ کے پاس بنی ثقیف کا ایک وفد آیا اور انہوں نے عرض کی کہ ہم آپ کی اس شرط پر بیعت کرتے ہیں کہ ہم اپنے ہاتھوں بُت نہ توڑیں گے اور ایک سال تک عزیٰ کو پوجیں گے۔ لیکن حضورؐ نے ان کی یہ درخواست مسترد کر دی (مجمع البیان)

لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ ۖ۔ اس کے معنی میں تین قول ہیں۔ ۱، بنی ابیرق کی جانب سے گواہ بن کر آپ سے غلط فیصلہ کے خواہشمند تھے۔ ۲، بنی ثقیف آپ سے ناجائز مطالبہ منوانا چاہتے تھے جس کو آپ نے ٹھکرا دیا۔ (۳) منافقین کی جماعت نے آپ میں حضورؐ کے قتل کا پردہ گرام مرتب کیا تھا اور اضلال سے مراد یہاں قتل ہے لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ پس اللہ انہی کے متعلق خبر دے رہا ہے۔

عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ ۖ۔ یعنی خدا نے وہ کچھ آپ کو بتلایا جو آپ نہ جانتے تھے۔ جناب رسالت کا کائنات میں سے اعلم ہیں اور مخلوق خدا میں سے کوئی بھی علم و معرفت کی ان حدود تک نہ پہنچ سکا۔ جہاں تک حضورؐ پہنچے لیکن یہ سمجھنا چاہیے کہ رسول کا علم عین ذات نہیں جس طرح کہ خدا کا علم عین ذات ہے۔ پس ایک مرتبہ ایسا فرض کرنا پڑے گا جس میں ذات رسول اور علم جدا جدا ہوں اور پھر اللہ نے اس ذات کو علم عطا فرمایا ہو اور چونکہ علم خداوندی بے پایاں اور لامحدود ہے اس لئے وقتاً فوقتاً اس کی زیادتی کا ہونا رسول میں اور اکملہ ظاہر میں بعید نہیں اسی لئے تو فرمایا رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ۖ۔ ہاں بعض مواقع پر جزئی واقعات سے بے خبر ہونا ان کی مخلوق ہونے کی شان اور دلیل ہے کیونکہ ہر وقت علم و کمال کے مظاہرے عوام کو دعو کا میں ڈال دیا کرتے ہیں اور وہ ان کے حق میں ربوبیت والوہیت کا عقیدہ فاسدہ دل میں جمالتے ہیں پس ان میں اگر یہ بشری شان نہ پائی باقی تو جس طرح حضرت عیسیٰؑ کو خدا یا خدا کا بیٹا کہا

فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴿۱۳۳﴾ لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نُّجُوسِهِمْ إِلَّا مَن

فضل اللہ کا آپ پر بہت نہیں بھلائی ان کی بہت سی سرگوشیوں میں مگر جو حکم

أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَن يَفْعَلْ

دے خیرات کا یا نیکی کا یا اصلاح کا لوگوں میں اور جو کرے یہ کام

ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۱۳۴﴾ وَمَن

تلاشیں رضائے خدا کے لئے تو عنقریب دیں گے ہم اس کو اجر عظیم اور جو

گیا ان کے متعلق بھی اسی قسم کے عقائد پیدا ہو جاتے اور اسلام کی بجائے کفر و شرک کی تردید ہوتی۔ اسی بناء پر بعض واقعات ان سے پردہ خفائیں رکھ کر ان کو بذریعہ وحی اطلاع دی جاتی ہے تاکہ توحید و رسالت کی اپنی اپنی شان بحال رہے اور لوگوں کے لئے خالق و مخلوق اور عبد و معبود میں امتیاز کرنا آسان ہو۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ۔ تفسیر برہان میں بروایت کافی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا میں جب کوئی مسئلہ بیان کروں تو کتاب اللہ سے بے شک اس کا ثبوت طلب کر لینا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ جناب رسالت اکرم نے تین چیزوں سے منع فرمایا (۱) قیل وقال (۲) بربادی مال (۳) زیادتی سوال۔ لوگوں نے قرآنی ثبوت طلب کیا۔ پس آپ نے فرمایا۔ قال وقیل سے منع کے لئے فرماتا ہے۔ لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ الخ اور بربادی مال سے روکتے ہوئے فرماتا ہے۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الْيَتَامَىٰ اور زیادتی سوال سے منع فرماتے ہوئے ارشاد ہے وَلَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءٍ الخ ایت کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی باہمی چپکے کی باتیں اور سرگوشیاں اکثر اوقات بھلائی سے خالی ہوتی ہیں۔ مگر تین مقامات پر فائدہ مند اور خوب ہوتی ہیں (۱) صدقہ دینے کے لئے باہمی مشاورت (۲) نیکی اور اچھائی کے لئے مشورہ (۳) لوگوں میں اصلاح کرنے کا مشورہ۔

چنانچہ صافی میں کافی سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کلام کی تین قسمیں ہیں۔ سچ جھوٹ اور اصلاح یعنی اصلاحی پہلو نہیچ میں داخل ہے اور نہ جھوٹ میں اور اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں میں اصلاح کے لئے اگر جھوٹ بھی بولا جائے۔ تب بھی اس کو جھوٹ کا گناہ نہ ہوگا اور اصلاح کی تفسیر میں آپ نے فرمایا کہ اگر تم ایک شخص سے کوئی بُری بات سُنو جو دوسرے کے حق میں کہہ رہا ہے تو تم اس کو یہ نہ کہو کہ وہ تمہارے حق میں بُری بات کہہ رہا ہے۔ بلکہ اس کی بجائے کسی اچھی بات کی اس کی طرف نسبت دو۔ تاکہ اس کے دل میں نفرت پیدا

يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ

مخالفت کرے رسول کی بعد اس کے کہ واضح ہو گئی اس کے لئے ہدایت اور چلے چھوڑ کر راہ

الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝۱۱۵

مؤمنوں کی تو اس کو دیں گے وہی جو اس نے اختیار کیا اور جلاؤں گے اسے جہنم میں اور وہ بڑی بازگشت ہے تحقیق

اللَّهُ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۖ

اللہ نہیں بخشتا شرک کو اور بخشتا ہے وہ جو علاوہ ہر اس کے جسے چاہے

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝۱۱۶

اور جو شرک کرے ساتھ اللہ کے پس تحقیق وہ گمراہ ہوا بڑی گمراہی نہیں پکارتے اس کے ہوا

دُونِهِ إِلَّا أَنْتَ ۚ وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ۝۱۱۷

مگر مڑنوں کو اور نہیں پکارتے مگر شیطان سرکش کو جس کو لعنت کی اللہ نے

نہ ہو۔ اور بروایت خصال جناب رسالتاً سے مروی ہے کہ تین جگہ جھوٹ مستحسن ہے ایک دشمن سے لڑائی کے وقت اس کو دھوکا دینے کے لئے دوسرے اپنی عورت سے وعدہ کرنے کے لئے تیسرے لوگوں کے درمیان اصلاح کے لئے وَيَتَّبِعْ غَيْرَ۔ برہان میں بروایت عیاشی منقول ہے کہ حضرت علیؑ کی خلافت ظاہری کے زمانہ میں لوگوں نے ماہ رمضان کی تراویح کے لئے آپ سے ایک امام مسجد کی خواہش کی تو آپ نے ان کو اس فعل سے منع فرمایا تو لوگوں نے داویلا شروع کر دیا۔ حارث اعمور نے حضورؐ کو لوگوں کے داویلا سے آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا جو جی میں آئے کر دو تو یہ آیت بھی تلاوت فرمائی۔

اللَّهُ لَا يَغْفِرُ ۖ آیت مجیدہ کی تفسیر اسی پارہ کے رکوع ۱۱۴ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

رکوع نمبر ۱۵

إِنْ يَدْعُونَ ۖ اس میں تین قول ہیں (۱) ملائکہ کی عبادت کرتے تھے اور ان کا اعتقاد تھا کہ وہ

اللہ کی بیٹیاں ہیں (۲) جمادات کی عبادت کرتے تھے اور چونکہ عرب جمادات کے لئے مَوْنُث کے صیغے استعمال کرتے تھے اس لئے کہا گیا کہ وہ مَوْنُثوں کی عبادت کرتے ہیں۔ (۳) انہوں نے جو بُت بنائے ہوئے تھے ان کے نام مَوْنُث تھے مثلاً لات عززی۔ منات اساف اور ناکہ وغیرہ اور کہتے ہیں لات لفظ اللہ کی مَوْنُث اور عززی اعز کی

وَقَالَ لَا تَخْذَنْ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿١٨﴾ وَلَا ضَلَّتْهُمْ

اور اس نے کہا کہ مقررہ حصوں میں تیرے بندوں سے ایک حصہ مقرر اور ضرور ان کو گمراہ کر دے گا

وَلَا مَنِيَّةَ لَهُمْ وَلَا مَرْتَبَهُمْ فَلْيَبْتِكُنْ أَذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَا مَرْتَبَهُمْ

اور ان کو امیدیں دلاؤں گا اور ان کو حکم کروں گا کہ کاٹ ڈالیں کان چرواہوں کے اور ان کو حکم کروں گا

فَلْيَغَيِّرَنَّ خَلْقَ اللَّهِ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانُ وَلِيًّا مِّنْ دُونِ اللَّهِ

کہ بدل ڈالیں دین خدا کو اور جو بنائے شیطان کو اپنا ولی اللہ کو چھوڑ کر

کی مورت ہے اور ابو حمزہ ثمالی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ ہر بت میں ایک شیطان ہوا کرتی تھی جو دربانوں سے گویا ہوا کرتی تھی اور سب ابلیس کی کارستانی تھی اور یہ بعینہ وہی شیطان ہے جس کو خدا نے آیت مجیدہ میں لعنت فرمائی (ملخص از مجمع البیان)

عرب کی ہر قوم نے اپنے اپنے الگ بت بنائے ہوئے تھے جن کے نام وہ مورت تجویز کرتے تھے۔ کسی نے پتھر کا اور کسی نے اُٹس سے زیادہ خوبصورت اور جب پہلے سے کوئی اچھا دستیاب ہوتا تو پہلے کو پھینک دیا کرتے تھے اور جب کوئی اور چیز سیر نہ آتی تو مٹی جمع کر کے اوپر بکری کا دودھ دودھ دیتے اور اس کا طواف کرتے اور بنو حنیفہ نے حلوے کا بت بنا کر ایک عرصے تک اس کی پوجا کی اور جب قحط سالی ہوئی تو اس کو کھا گئے چنانچہ بعض شعرا نے ان کے اس فعل کی اپنے اشعار میں اس طرح حکایت کی ہے۔

أَكَلْتُ حَنِيفَةً رَبَّهَا زَمَنَ التَّقْطِطِ وَالْجَاعَةِ

کھا یا بنو حنیفہ نے اپنے رب کو قحط سالی اور بھوک کے زمانہ میں۔

لَمْ يَخْذَرْ أَمِنْ رَبِّهِمْ سُوءَ الْعَوَاقِبِ وَالْتِبَاعَةِ

انہوں نے اپنے رب سے بُرے انجام اور سخت گرفت کا ڈر بھی نہ کیا۔

(تفسیر میزان جلد ۲ صفحہ ۲۸)

تفسیر برہان میں عیاشی سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو سلام دیا اور کہا کہ السلام علیک یا امیر المؤمنین پس آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا خبردار ایسا نہ کہو کیونکہ یہ لقب صرف حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے لئے مخصوص ہے اور اللہ نے ان کو یہ لقب دیا ہے ان کے علاوہ جس شخص کو اس لقب سے پکارا جائے گا اور وہ اس پر راضی ہو جائے تو وہ منقول ہوگا اور اگر پہلے سے نہ ہو تو اس کے بعد اس بیماری میں مبتلا ہو جائے گا

فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا ۝۱۱۹ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ

تو تحقیق اس نے ظاہر اٹھایا نقصان وہ ان کو وعدے دیتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے اور نہیں وعدہ کرتا شیطان

الْأَغْرُورًا ۝۱۲۰ أُولَٰئِكَ مَا لَهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يُجَدُّ عَنْهَا مَخِيصًا ۝۱۲۱

ان سے مگر دھوکا ایسے لوگ ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور نہ پائیں گے اس سے چھٹکارا

کیونکہ خدا فرماتا ہے اِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ اِلٰهًا اِنَّا نَكْفِيهِمْ مَا يُشَاءُ اللّٰهُ عَالِمُ الْغُیۡبِ۔ پھر راوی نے پوچھا حضرت قائم کو کس لقب سے پکارا جائے گا تو آپ نے فرمایا۔ ان کو کہا جائے گا السلام علیک یا بقیۃ اللہ! السلام علیک یا ابن رسول اللہ آیت مجیدہ کے باطن سے معصوم نے کیا خوب نظریہ پیش فرمایا ہے کیونکہ ناحق مسند الوہیت پر بیٹھنے والوں کو خدا نے مؤنث کے خطاب سے یاد کیا ہے اور چونکہ مسند رسالت بھی مسند الوہیت کے قائم مقام کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اسی وجہ سے خدا نے رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا پس مسند رسالت پر ناجائز قبضہ جانے والے اسی آیت مجیدہ کی دوسے مؤنث ٹھہرے اور اگرچہ ظاہر اودہ مذکور بھی ہوں لیکن ان میں اس صفت خصوصی کا پایا جانا ضروری ہے جو مؤنث کے شایان شان ہے پس اسی آیت کے ماتحت آپ نے فرمایا کہ جو بھی اپنے آپکو امیر المؤمنین کہلانے پر رضامند ہوگا وہ مفعول ہوگا اور واقعات تاریخ معصوم کے اس فرمان کی تصدیق کرتے ہیں جن کی تفصیل کا اس جگہ محل نہیں۔ فَلْيَبْتَكَئْ۔ کہتے ہیں عربوں کا دستور تھا کہ جب اونٹنی پانچ بچے دے چکتی اور پانچواں مذکر ہوتا تو وہ اس اونٹنی کے کان چیر ڈالتے تھے اور اس کو اپنے اوپر حرام کر دیتے تھے اور مجمع السببان میں حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ ان کے کان جوڑے کاٹ دیا کرتے تھے (تفسیر صافی) اور روایات معصومین میں خلق اللہ کا معنی دین اللہ کیا گیا ہے۔

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ۔ صافی میں بروایت مجالس حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب مغفرت عامہ کی آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو برائی کریں یا اپنے نفسوں پر ظلم کریں۔ پھر اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کریں تو خدا غفور رحیم ہے ان کے گناہ بخش دے گا تو ابلیس نے مکہ کے ایک پہاڑ جس کا نام ثور ہے اس پر چڑھ کر اپنے اتباع کرنے والے عفرتیوں اور شیطانوں کو بلایا۔ پس انہوں نے حاضر ہو کر کہا کہ اے ہمارے سردار کیوں ہمیں بلایا ہے تو ابلیس نے وہ آیت پڑھی اور کہا کہ اس کا علاج کون کرے گا ایک عفریت نے کہا میں حاضر ہوں۔ ابلیس نے پوچھا تو کیا کرے گا اس نے اس کا جواب دیا جو ابلیس کو پسند نہ آیا۔ پھر اور اٹھا اور اس کا جواب بھی ابلیس کو پسند نہ آیا پھر اس کے تابعداروں میں سے دوسرا اس خناس اٹھا اور کہا کہ اس کا

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ

اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کئے عنقریب ہم ان کو داخل کریں گے بہشتوں میں کہ

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا وَمَنْ أَصْدَقُ

بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں کہ وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے جنت میں دائمی کہ وعدہ اللہ کا حق ہے اور کون زیادہ سچا ہے

مِنْ اللَّهِ قِيلًا ۝ كَيْسَ بِأَمَانِيكُمْ وَلَا أَمَانِي أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ

اللہ سے بات میں نہ تمہاری خواہشات پر اور نہ اہل کتاب کی خواہشات پر ہے جو

يَعْمَلُ سُوءًا يُجْزِيهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا

کام کرے گا بُرے اس کا بدلہ لے گا اور نہ پائے گا اپنے لئے اللہ کے بغیر کوئی ولی اور نہ

نَصِيرًا ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أُوْاْنَتْهُ وَهُوَ

مددگار اور جو عمل کرے گا اچھے مرد ہو یا عورت درحالیہ

علاج میرے پاس ہے اور وہ یہ کہ میں وعدہ کروں گا اور امیدیں دلاؤں گا اور ایر پھیر کر کے ان کو گناہ میں مبتلا کر لوں گا اور پھر توبہ کرنا اور استغفار کرنا ان کو بھلا دوں گا پس ابلیس نے اس کو اس کام پر مائل کر دیا۔

کَيْسَ بِأَمَانِيكُمْ۔ مجمع السببان میں ہے کہ اہل کتاب اور مسلمانوں نے آپس میں مغافرت کی کہ اہل کتاب نے اپنے نبی و کتاب کے پہلے ہونے کا فخر کیا اور مسلمانوں نے جناب رسالت کے خاتم النبیین ہونے اور کتاب کے نسخ ہونے پر اور دین اسلام پر فخر کیا۔ تب یہ آیت اتری کہ نجات نہ تمہاری خواہشات پر منحصر ہے اور نہ اہل کتاب کی خواہشات پر موقوف ہے بلکہ جو برائی کرے گا۔ اسے سزا ملے گی۔ یہ سن کر اہل کتاب اترا نئے لگے اور مسلمانوں سے کہنے لگے کہ بس اب ہم اور تم برابر ہو گئے تو پھر بعد والی آیت اتری کہ اعمال صالحہ پر جنت اس وقت ملے گی جب ایمان بھی ہوگا۔ مختصراً۔

یہ آیت مجیدہ صاف بتاتی ہے کہ ہر شخص کو اپنے گناہوں کی سزا بھگتنی ہے اور اس میں کسی کے لئے کوئی معافی نہیں ہے۔ چنانچہ مجمع السببان میں ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو ہم روئے اور غمگین ہوئے اور بارگاہ رسالت میں عرض کی حضور! اس آیت نے تو کچھ بھی نہیں بھوڑا۔ آپ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم

مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ

وہ مومن ہو تو ایسے لوگ داخل ہوں گے جنت میں اور نہ ظلم کئے جائیں گے ذرہ بھر اور کون زیادہ

أَحْسَنُ دِينًا مِّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ

اچھا ہے دین میں اس سے جو ہجکا دے اپنا منہ اللہ کے لئے اور نیک ہو اور اتباع کرے ملت

إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ﴿۱۲۴﴾ وَلِلَّهِ مَا

ابراہیم کی جو حنیف تھا اور اللہ نے ابراہیم کو خلیل بنایا اور اللہ کے لئے ہے

فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا ﴿۱۲۵﴾

جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور ہے اللہ ہر شے پر محیط

جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہ آیت ایسے ہی ہے جس طرح اتری ہے یعنی بروں کو برائیوں کی سزا مندرجہ کی لیکن تمہیں بشارت ہو کہ تم میں سے جس انسان کو دنیا میں جو بھی مصیبت پیش آتی ہے۔ وہ کسی نہ کسی گناہ کا کفارہ ہو ا کرتی ہے۔ یہاں تک کہ جو کائنات کسی کے پاؤں میں چبھتا ہے (وہ بھی کفارہ گناہ ہوتا ہے) اس مضمون کی حدیثیں اہلبیت علیہم السلام سے بھی کافی وارد ہیں۔ چنانچہ صافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالت کی خدمت میں بعض صحابہ نے اس آیت مجیدہ کے مضمون کی سختی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کیا تمہیں جان مال اور بچوں کے بارے میں مصائب پیش آتے ہیں یا نہیں۔ انہوں نے عرض کی۔ جی ہاں! آپ نے فرمایا یہ تمہاری نیکیاں کبھی جاتی ہیں اور گناہ دھل جاتے ہیں۔ کافی سے منقول ہے آپ نے فرمایا جب اللہ کو ایک بندہ پیارا ہوتا ہے اور اس پر گناہ کا بوجھ بھی ہوتا ہے تو خدا اسے کسی حاجت میں مبتلا کر دیتا ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو اس پر موت کو سخت کر دیتا ہے تاکہ وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔

وَهُوَ مُحْسِنٌ۔ مجمع السببان میں مروی ہے کہ جناب رسالت سے احسان کا معنی پوچھا گیا تو فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرو۔ اور اس طرح کرو جس طرح گویا تم اسے دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھ سکتے تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔

خَلَّتْ اِبْرَاهِيمَ ۖ وَاتَّخَذَ اللَّهُ اِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا۔ بعض کہتے ہیں کہ خلیل غلت سے مشتق ہے جس

کا معنی محبت ہے اور حضرت ابراہیم اللہ کے محب اور محبوب تھے اس لئے ان کو خلیل کا لقب خدا نے دیا۔ پس حضرت ابراہیم کی محبت یہ تھی کہ اللہ کے دوستوں سے دوستی اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھتے تھے اور اس کے صحیح معنوں میں عبادت گزار تھے اور اللہ کی محبت یہ ہے کہ اس نے ہر مقام پر نصرت خاصہ سے سرفراز فرمایا اور نارغزود کو گلزار کیا اور عہد نبوت کے لئے ان کو مصطفیٰ بنایا اور بعض کہتے ہیں کہ خلیل غلتہ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے احتیاج و فقر اور حضرت ابراہیم چونکہ اپنا احتیاج و فقر صرف اللہ کی طرف ہی رکھتے تھے۔ اور کسی بندے کی طرف اپنی حاجات نہ لے جاتے تھے اس لئے ان کو خلیل کے لقب سے سرفراز کیا گیا اور خدا نے خصوصیت سے انہیں خلیل کا لقب عنایت فرمایا۔ حالانکہ ہر نبی اللہ کا دوست ہوا کرتا ہے جس طرح کلیم اللہ موسیٰ کو اور روح اللہ عیسیٰ کو بنایا۔ جناب رسالتاؐ نے ایک روایت میں فرمایا کہ تمہارا نبی بھی خلیل ہے یعنی حضورؐ نے اپنی خلقت کا اظہار فرمایا۔ (مجمع السببان)

خلیل کی پہلی وجہ تسمیہ کے ماتحت تفسیر برہان میں ابن بابویہ کی سند سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا کیونکہ زمین پر سجدہ کیا کرتے تھے اور ایک روایت میں امام علی نقی علیہ السلام سے منقول ہے کہ محمد و اکمل محمدؐ پر زیادہ درود بھیجنے کی بدولت خداوند کریم نے حضرت ابراہیم کو اپنا خلیل قرار دیا اور دوسری وجہ تسمیہ کے ماتحت امام رضا علیہ السلام سے بسند آبائے طاہرین منقول ہے کہ حضرت ابراہیم کو خلیل اس لئے بنایا گیا کہ وہ عمر بھر کسی کے پاس نہ گئے اور سوائے خدا کے کسی سے سوال نہ کیا اور فرمان نبوی میں ہے کہ ان کے خلیل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ مہمان نواز تھے اور رات کو جب لوگ سوئے ہوتے تھے۔ تو وہ نماز پڑھا کرتے تھے۔

تفسیر برہان و مجمع السببان میں علی بن ابراہیم سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم مہمان نواز تھے اور مساکین کو کھانا کھلاتے تھے۔ ایک دفعہ قحط سالی کا دور آیا تو آپ مصر میں ایک دوست سے گندم لینے کے لئے روانہ ہوئے لیکن اس کے پاس موجود نہ تھی اور خالی ہاتھ واپس روانہ ہوئے۔ جب گھر کے قریب پہنچے تو ریگستان سے گذرتے ہوئے اپنی بوریاں ایک صحرا سے پُر کر لیں تاکہ گھر پہنچتے ہی گھر والوں کو خالی ہاتھ واپس آنے کا غم محسوس نہ ہو لیکن خدا نے اس ریگ صحرا کو اُٹا بنا دیا حضرت ابراہیم گھر پہنچ کر شرم کے مارے ایک کمرے میں سو گئے گھر والوں نے جب بوریاں کھولیں تو وہ اُٹا تھا۔ انہوں نے حسب ضرورت نکال کر ردی تیار کر لی اور حضرت ابراہیم کے پیش کی آپ نے دریافت کیا کہ یہ کہاں سے لائے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ اسی گٹے سے تیار کی ہیں جو آپ اپنے مصری خلیل سے لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا بے شک یہ اُٹا آیا تو خلیل کی طرف سے ہے۔ لیکن خلیل مصری کی طرف سے نہیں پس اس کے بعد خدا نے حضرت ابراہیم کا لقب خلیل مقرر فرمایا حضرت ابراہیم

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ

اور فتویٰ طلب کرتے ہیں آپ سے عورتوں کے متعلق فرمادیجئے کہ اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے ان کے متعلق اور وہ جو تلاوت کیا جاتا ہے

فِي الْكِتَابِ فِي يُتْلَىٰ النِّسَاءِ الَّتِي لَا تُوْثِقُنَّهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ

تم پر قرآن میں یتیم عورتوں کے متعلق جنہیں نہیں دیتے تم جو فرض ہوا ہے ان کے لئے

نے خدا کا شکر ادا کیا اور کھانا تناول فرمایا۔

تفسیر برہان دسانی میں عیاشی سے مروی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جب خداوند کریم نے حضرت ابراہیمؑ کو خلعت کا عہدہ دیا تو ملک الموت خلعت کی بشارت لایا۔ ملک الموت ایک خوبصورت سفید پوش جوان کی شکل میں آیا کہ اس کے سر سے پانی اور تیل کے قطرات ٹپک رہے تھے۔ پس حضرت ابراہیمؑ نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے اس سے ملاقات کی اور حضرت ابراہیمؑ بہت غیور تھے جب گھر سے باہر جایا کرتے تھے تو دروازہ بند کر کے اسے قفل لگا کر جاتے اور اس کی کنجی اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے ایک دن جب واپس گھر آئے تو دیکھا کہ ایک خوبصورت نوجوان گھر میں کھڑا ہے آپ نے فرمایا اے عبد خدا تجھے اس گھر میں کون لایا ہے؟ اس نے جواب دیا مجھے گھر کا مالک لایا ہے پس حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا واقعی گھر کا مالک مجھ سے زیادہ حق دار ہے۔ بتائیے آپ کون ہیں؟ جواب دیا میں ملک الموت ہوں حضرت ابراہیمؑ نے گھر کر دریافت کیا میری جان لینے آئے ہو؟ جواب دیا نہیں بلکہ خدا نے ایک عبد کو اپنا خلیل مقرر فرمایا ہے اور میں اس کی بشارت لے کر آیا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا وہ عبد کون ہے؟ تاکہ میں اس کی خدمت کروں تو ملک الموت نے جواب دیا وہ آپ ہیں۔ پس آپ سارہ کے پاس پہنچے اور اپنی خلعت کی خبر ان کو دی۔

تفسیر صافی میں احتجاج سے منقول ہے کہ جناب رسالتؐ نے فرمایا کہ خلیل غلہ سے مشتق ہے جس کا معنی فقر و فاقہ ہے اور حضرت ابراہیمؑ بھی اپنے رب کی طرف خلیل تھے یعنی فقیر و محتاج اور غیر سے بے نیاز اور مستغنی تھے چنانچہ جب ان کو آگ میں پھینکنے کا ارادہ کیا گیا اور منجنیق کے ذریعے سے ان کو ڈالا گیا تو خدا نے حضرت جبرئیلؑ کو بھیجا کہ جا اور میرے بندے کی خبر لے پس حضرت جبرئیلؑ نے آگ میں جاتے ہوئے ابراہیمؑ سے ہوا میں ملاقات کی اور کہا کہ تجھ پر حکم کر دو کیوں کہ خدا نے مجھے تیری امداد کیلئے روانہ کیا ہے آپ نے فرمایا بس مجھے وہی کافی ہے وہی میرا بہتر کار ساز ہے میں اس کے غیر سے سوال نہیں کرنا چاہتا اور اس کے بغیر اپنی حاجت بیان نہیں کرتا۔ پس خدا نے اس کو اپنے خلیل کا لقب دیا کہ یہ اسی کا فقیر و محتاج ہے اور اس کے غیر سے بالکل بے نیاز ہے۔ (الحديث)

رکوع نمبر ۱۶۔ وَیَسْتَفْتُونَكَ۔۔ اس آیت مجیدہ کے ربط سے متعلق اسی سورہ کے پہلے رکوع میں وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ تَفْشَلُوا

کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے۔

وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَأَنْ تَقُومُوا

اور رغبت رکھتے ہو کہ ان کے ساتھ نکاح کر دو اور فتویٰ دیتا ہے تمہیں) کمزور لڑکوں کے متعلق اور یہ کہ قائم رہو

لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ﴿۱۳۷﴾

یتیموں کے لئے انصاف پر اور جو بھی کرو اچھائی تو تحقیق اللہ اس کو جانتے والا ہے

وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ

اور اگر کوئی عورت ڈرے اپنے شوہر کی سرکشی یا روگردانی سے پس کوئی گناہ

وَتَرْغَبُونَ الْخَیْرَ۔ مجمع البیان میں ہے کہ جابر بن عبد اللہ انصاری کی ایک چچا زاد تھی جو بد صورت تھی اور اپنے باپ کی طرف سے کافی مال اس کو ورثہ میں ملا تھا پس اس کی بد صورتی کے پیش نظر اس سے خود بھی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا اور کسی دوسری جگہ بھی اس کی شادی نہ کرتا تھا تاکہ دوسرا شوہر یہ مال نہ لے پس اس نے جناب رسالت ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا تو یہ آیت اتری اور اس لحاظ سے معنی یہ ہو گا کہ تم یتیم عورتوں کو اپنا حق بھی نہیں دیتے یعنی ان کو نکاح کی بھی اجازت نہیں دیتے اور خود بھی ان کے نکاح سے اعراض کرتے ہو اور خدا اس طرز عمل سے منع فرماتا ہے۔ اور کہتے ہیں عربوں میں دستور یہی تھا جس سے منع کیا گیا اور اگر آیت کا معنی وہ ہو جو تحت اللفظ موجود ہے تو پھر ایک اور غلط رواج کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ کہ جس کے گھر میں کوئی یتیم لڑکی پرورش پاتی تھی تو یہ لوگ اس کے حسن و جمال کے پیش نظر اس سے شادی کے خواہشمند تو ہوتے تھے لیکن اسے یتیم سمجھ کر اپنے حق مہر وغیرہ کے حقوق سے محروم کر دیتے تھے پس خدا نے ان کو اس بُرے طرز عمل سے بھی منع فرمایا۔

وَالْمُسْتَضْعَفِينَ۔ کمزور لوگوں کو حقوق وراثت سے محروم کر دیا جاتا تھا اور یتیموں کے اموال میں کچھ ردی عام دستور تھا پس ان سب باتوں سے منع فرمایا اور عدل و انصاف کا حکم دیا۔

عام عورتوں کے حقوق کے متعلق یتیم خوبصورت یا بد صورت لڑکیوں کے حقوق کے متعلق۔ کمزوروں اور یتیموں کے حقوق کے متعلق اسی سورہ نساء میں احکام بیان کر دیئے گئے ہیں خواہ وہ حقوق وراثت سے متعلق ہوں یا عام برتاؤ سے اور یہ آیت بیان شدہ احکام کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

وَإِنْ امْرَأَةٌ۔ مجمع البیان میں ہے کہ ایک شخص کے نکاح میں ایک نوجوان عورت تھی اور دوسری سن رسیدہ نہیں اس نے سن رسیدہ کو طلاق دے دی اور جب اس کی عدت گزرنے کو پہنچی تو کہا کہ اگر میرا اس نوجوان عورت سے

عَلَيْهَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ

ان پر نہیں کہ صلح کر لیں آپس میں اور صلح اچھی چیز ہے اور نفوس کے سامنے بخل دہی

الشَّحَّ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۱۸۸﴾

ہے اور اگر احسان کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو تحقیق اللہ ہے تمہارے اعمال سے آگاہ

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا

اور ہرگز نہیں کر سکتے تم عدل درمیان عورتوں کے اگرچہ پوری کوشش کرو پس نہ جھک جاؤ

كُلِّ السَّيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ

بالکل یکطرفہ) کہ کر دو اس کو (دوسری) کو مثل لگتی ہوئی چیز کے (نہادھر نہادھر) اور اگر صلح کرو اور تقویٰ کرو تو تحقیق ہے

محبت کرنا تجھے گوارا ہو اور تو اس پر صبر کر سکتی ہو تو میں طلاق سے رجوع کر کے تجھے اپنے پاس رکھنے کے لئے تیار ہوں پس اس عورت نے یہ شرط قبول کی اور اس نے رجوع کر لیا پس یہ آیت ازری اور صلح باہمی سے مراد یہی ہے کہ عورت اپنے بعض حقوق کو ترک کر دے اور مرد اپنے دل پر بعض امور کے لئے پتھر رکھ دے اور آپس میں اچھا نباہ کرتے رہیں۔

وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ - یعنی عورتوں اور مردوں کے نفوس میں بخل بھرا ہوا ہے۔ عورت اپنے حقوق قربان نہیں کرتی اور منہیں چاہتی کہ شوہر کا اس کی سوکن کے ساتھ زیادہ پیار ہو اور مرد بھی اپنا حق آزادی منہیں کھونا چاہتا اور وہ نہیں گوارا کرتا کہ ایک نوجوان عورت کی موجودگی میں وہ ایک ایسی عورت کے ساتھ گزارہ کرے جو بوڑھی ہو اور پھر بدل ناخواستہ اس کے تمام بوجھ بھی برداشت کرے پس ہر دو حقوق میں سے جب تک کچھ حصہ سے چشم پوشی نہ کریں گے گزارہ مشکل ہوگا۔

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا - مقصد یہ ہے کہ چند عورتوں کے درمیان مرد کی طرف سے محبت میں فرق نہ ہو یہ ناممکن ہے اور فرماتا ہے جتنی بھی کوشش کرو محبت میں یکساںگی نہیں ہو سکتی۔ ہاں ایسا مت کرو کہ بالکل ایک کی طرف جھک جاؤ کہ دوسری کی قطعاً پردہ تنگ نہ کر دو کہ وہ نہ تو دوسری جگہ شادی کر سکے اور نہ تمہاری زوجیت سے فائدہ اٹھا سکے اور درمیان میں لٹکی رہ جائے بلکہ خواہ محبت یکطرفہ ہو لیکن برتاؤ کے حقوق کو پورا کرنا واجب ہے اور اس کے متعلق اعتراض و جواب اس جلد میں تعدد نکاح کے تحت بیان ہو چکا ہے۔ مردی ہے کہ جناب رسالتاً کی بیماری کے دوران میں بھی عورتوں کے درمیان تقسیم کو پورا کرتے تھے اور حضرت امیر علیہ السلام کا یہ حال تھا کہ جب ایک عورت کی باری ہو کرتی تو دوسری کے گھر و فوضی

اللہ بخشنے والا مہربان اور اگر ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ غنی کرے گا ہر ایک کو اپنی وسعت سے اور

ہے اللہ صاحب وسعت و حکمت اور اللہ کا ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور تحقیق

ہم نے وصیت کی ان کو جن کو کتاب دی گئی تم سے پہلے اور تمہیں بھی کہ اللہ سے ڈرو اور اگر

کفر کر دے تو تحقیق اللہ کا ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور ہے اللہ غنی لا یق محمد

کَلَامًا سَعْتَهُ۔ یعنی اگر عورت و مرد میں سے کوئی بھی اپنے حقوق کی قربانی کرے اور بذریعہ طلاق کے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں تو ٹھیک ہے اور اس کے بعد خدا ہر ایک کا کارساز ہے اور خزانہ رحمت سے ہر ایک کو وہ رزق واسع عطا کر سکتا ہے لیکن حکمت کے تقاضے کے مطابق۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ - تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ نسب وصیتوں سے بہتر وصیت ہے
کہ خدا کو نہ بھولو۔ دامنِ اس کو یاد رکھو اس کی نافرمانی نہ کرو۔ ہر حال میں اس کی عبادت کرو۔ اس کی نعمت سے دھوکا نہ کھاؤ ہمیشہ اس کا شکر ادا
کرو اور اس کی رحمت و عظمت اور جلال کے پردوں سے باہر نہ نکھودرنے ہلاک و گمراہ ہو گئے اگرچہ دکھ مصیبت اور تکلیف کی آگ تمہیں
جلا ہی کیوں نہ دے اور یقین جانو کہ اس کی آزمائشوں کا نتیجہ کم امت ابدیہ ----- اور مصائب کا نتیجہ اس کی رضا
و قرب ہوا کرتا ہے اگرچہ کچھ وقت کے بعد ہی سہی۔ اہل کسی قابل قدر اس کی نعمتیں ہیں لیکن اس کے لئے جو علم رکھتا ہو اور صاحبِ
توفیق ہو۔ ایک شخص نے جناب رسالتؐ سے نصیحت فرمائے خواہش کی تو اپنے فرمایا غصہ نہ کیا دو کیونکہ اللہ سے جھگڑنے کے برابر ہے اس نے
عرض کی کچھ اور؟ تو فرمایا ایسا کام نہ کرو جس سے معذرت کرنی پڑے کیونکہ اس میں شرک کا شبہ ہے عرض کی کچھ اور؛ فرمایا نماز اس طرح پڑھو جس طرح کہ یہ
وداع کی نماز ہو کیونکہ اس میں قرب وصال تھا ہے عرض کی کچھ اور؛ فرمایا اللہ سے اس طرح حیا کرو جس طرح کسی نیک ہمسایہ سے شراتے ہو اس میں زیادتی یقین ہوتی
ہے اور اولین و آخرین کی تمام وصیتوں کو خدانے صرف ایک لفظ میں بند کر دیا ہے اور فرمایا۔ اتَّقُوا اللَّهَ ۔

بَلِّغْهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ الْاٰلَا اِذَا جَاءَ رَدُّ الْاَمْرِ اِلَى الْاَلْبَانِ

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ۝۱۳۲ اِنَّ یَسٰۤیِذُہِکُمْ

اور اللہ کا ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ وکیل اگر وہ چاہے تو تمہیں ختم

اٰیہا النَّاسُ وَاٰتِ بِاٰخِرَیْنِ ۝۱۳۳ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی ذٰلِكَ قَدِیْرًا ۝۱۳۴ مَنْ كَانَ

کر دے اے لوگو! اور لائے دوسروں کو اور ہے اللہ اس کام پر قدرت والا جو ارادہ رکھتا ہو

یُرِیْدُ ثَوَابَ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۝۱۳۵ وَكَانَ اللّٰهُ سَبِیْعًا بَصِیْرًا ۝۱۳۶

بدلہ دنیا کا تو اللہ کے پاس بدلہ دنیا و آخرت کا ہے اور ہے اللہ سنیے مانتے والا

الگ چند وجہ بھی ہیں ① پہلے مقام پر چونکہ تقویٰ و اطاعت کی دعوت دینا چاہتا تھا اس لئے پہلے اپنی زمین و آسمان کی ملکیت و حکومت کو بیان فرمایا تاکہ دعوت تقویٰ کی قبولیت کیلئے سبب اور محرک بن سکے ② دوسرے مقام پر نافرمانی کرنے والوں سے بے نیازی و عدم احتیاج کو بیان فرمایا ہے کہ نافرمان یہ نہ خیال کریں کہ ہم اللہ کا کچھ بگاڑ لیں گے بلکہ وہ اپنا ہی بگاڑ رہے ہیں اور اللہ ان سے غنی و مطلق ہے کیونکہ وہ تو آسمانوں اور زمینوں کی تمام اشیاء کا مالک ہے ③ اور تیسرے مقام پر اپنی حسن تدبیر اور بچسکی نظام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ سب نظام اسی کی تدبیر اتم کا ہی نتیجہ ہے تاکہ تمام دنیا و اے اس میں غور و فکر کر کے معرفت کے راستہ پر گامزن ہو سکیں اور از خود ان میں عبادت و تقویٰ کا جو سر پیدا ہو۔

مَنْ كَانَ مَعْنٰی کہ۔ یہ شرط ہے اور اسی کی جزا محذوف ہے۔ یعنی جو شخص صرف دنیاوی بدلہ کا طالب ہے یہ اس کی کم عقلی کا نتیجہ ہے کیونکہ جب اللہ کے پاس دنیاوی بدلہ بھی ہے اور اخروی بھی تو انسان طلب کرنے میں بخل کیوں کرتا ہے اس کو چاہیے کہ دنیا و آخرت دونوں کی خوبی طلب کرے۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی و خصال حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ بسند ابائے طاہرین حضرت امیر سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا حکماء فقہاء کا دستور رہا ہے کہ جب وہ ایک دوسرے کو وصیت لکھا کرتے تھے تو ان تین باتوں میں سے ایک لکھتے تھے جن کے ساتھ چوتھی نہیں ہے ۱۔ جس شخص کا مطلع منظر آخرت ہو تو خدا اس کے دنیاوی معاملہ کی خود اصلاح کرتا ہے ۲۔ جس کی نیت درست ہو خدا اس کے ظاہری امور کو خود درست فرماتا ہے ۳۔ جو اللہ اور اپنے درمیان کا معاملہ درست رکھے خدا اس کا اور مخلوق کا معاملہ خود درست کر دیا کرتا ہے۔

اور بروایت فقیہہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ دنیا طالب بھی ہے اور مطلوب بھی۔ پس جو شخص دنیا کا طالب ہو گا تو آخر اس کو موت طلب کر کے دنیا سے نکال دے گی اور جو شخص آخرت کا طالب ہو گا دنیا خود بخود اسے طلب کرے گی کہ یہاں سے وہ اپنا مقسم لپوڑ کرے گا یعنی انسان کو دنیا کا مطلوب بننا چاہیے اور آخرت کا طالب ایسا نہ ہو کہ دنیا کا طالب اور موت کا مطلوب بنے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ

اپنے ایمان والو ہو جاؤ ۔ قائم انصاف پر گواہی دیتے ہوئے اللہ کے لئے اگرچہ

أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ تَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ

اپنے خلاف یا والدین اور قریبیوں کے (خلاف ہو) اگرچہ غنی ہو یا فقیر پس اللہ ادلی ہے

بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلَوْا أَوْ تَعْرَضُوا فَإِنَّ اللَّهَ

ان کے ساتھ پس نہ اتباع کرو خواہش کی انصاف میں اور اگر ٹالو گے یا منہ پھیر گے تو تحقیق اللہ

رکوع نمبر ۱۱ | حق کی گواہی : يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَدِلُوا فِي الْكُلِّ شَيْءٍ مِّنْهُ

دے رہا ہے۔ فرماتا ہے، عدل و انصاف کے دستور پر ڈٹ جاؤ اور اللہ کو خوشنود کرنے کے لئے ہی سچی گواہی دو خواہ اپنے اور اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو خواہ غنی کے حق میں ہو یا فقیر کے حق میں ہو کیونکہ بعض لوگ فقراء طبقہ پر رحم کھاتے ہوئے غنی کے حق میں گواہی دینے سے کتراتے تھے تاکہ فقیر پر سختی نہ ہو اور نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خواہ غنی کے خلاف ہو یا فقیر کے خلاف ہو کیونکہ بعض لوگ فقیر کی طرف سے غنی کے خلاف گواہی نہیں دیتے صرف فقیر کی گواہی کی خاطر تو خداوند کریم مومنین کو انصاف کی تلقین فرماتا ہے کہ اس معاملہ میں کسی کی رعایت مت کرو اور سب کو برابر سمجھو اللہ خود غنی و فقیر کا کفیل ہے اور وہ ہی ان کو رزق دیتا ہے پس تم اس بارے میں خواہش نفس کی اتباع نہ کرو۔ مبادا انصاف کو ہاتھ سے دے بیٹھو اور ممکن ہے تَعْدِلُوا عدل سے ہو یعنی حق کی گواہی سے محذور کہ تھے ہوئے خواہش نفس کی اتباع مت کرو اور اگر گواہی کو ٹالو گے یا اس سے کنارہ کرو گے تو خدا تو جانتا ہی ہے اور مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آیت کا آخری حصہ شرعی قاضیوں کے لئے ہے کہ جب گواہی سے مقدمہ کی پوزیشن واضح ہو جائے تو مبادا تم کسی کی رعایت کرتے ہوئے دو سزے کے حق کو ٹالو یا حق کے فیصلہ سے روگردانی کرو

علامہ کاشف الغطاء علی اللہ مقامہ نے دین اسلام میں حقوق کو تین دائروں میں بند کیا ہے انسان پر اپنے نفس کے حقوق، خالق کے حقوق اور مخلوق کے حقوق۔ پس عدل و انصاف کے اصول کا اجراء اور اس کے قوانین کا استعمال ان کے حقوق کی معرفت پر موقوف ہے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اس کا کلیہ مختصر لفظوں میں بیان فرمایا ہے جو پنج البلاغۃ کے بعض خطب میں مسطور ہے۔ فرماتے ہیں ① پہلا عدل کا زینہ یہ ہے کہ نفس سے خواہشات کو دور کرے حق کو بیان کرے اور خود اس پر عمل پیرا ہو بغیر کسی غایت کو ترک نہ کرے اور اس کی کسی جائے توقع سے غفلت نہ کرے۔ پس ایسا شخص

بَعِيدًا ۝۱۳۷ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰزَدُوْا

سخت میں تحقیق جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر زیادہ ہوئے کفر میں تو نہیں

كُفِّرَالْمُيَكِّنُ اللّٰهُ لِيُغْفِرَ لَهُمْ وَلَا يَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۝۱۳۸ بَشِّرِ الْمُنَافِقِيْنَ

اللہ بخشنے کا ان کو اور نہ توفیق دے گا ان کو راہ حق کی بشارت دیجئے منافقوں کو

بَاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۳۹ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ

کہ ان کے لئے عذاب دردناک ہے وہ جو بناتے ہیں کافروں کو دوست چھوڑ کر مومنوں

الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَّبَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝۱۴۰ وَقَدْ

کو کیا جاتے ہیں ان کے پاس عزت؟ پس تحقیق عزت اللہ کے لئے ہے سب اور تحقیق

نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يَكْفُرُ بِهَا وَيُسْتَهْزِئُ بِهَا

اس نے نازل کیا تم پر کتاب میں یہ کہ جب تم سنو آیات خدا کے ساتھ کفر کیا جا رہا ہے اور اس سے تمہارے کیا جا رہا ہے

اور معصوم نے آیت کے بعض مصداق کی بطور مثال نشاندہی فرمائی ہے۔

وَلَا يَهْدِيَهُمْ مَّقْصَدٌ يَّهْتَدُوْنَ۔ مقصد یہ ہے کہ کفر کرتے کرتے ان کے دل اس طرح سیاہ ہو گئے کہ اب وہ ایمان کی طرف

مائل ہی نہیں ہوتے اور گناہوں کا یہ طبعی اثر ہے کہ اگر نفس کو توبہ کی طرف رغبت نہ دلائی جائے تو سرکشی کرتے کرتے وہ

اس نوبت تک پہنچ جاتا ہے کہ پھر اس میں ایمان لانے کی توفیق ہی نہیں رہتی اور اسی کیفیت کو بعض مقامات پر ختم

اور طبع یعنی مہر لگانے سے تعبیر کیا ہے اور خدا کی طرف نسبت اس لئے ہوتی ہے کہ تمام قومیں اس کی طرف سے ہی

عنایت شدہ ہیں جن کی بدولت نافرمانی حدود میں آتی ہے ورنہ اعمال بد کی ذمہ داری خدا پر عائد نہیں بلکہ انسان کے سوء اختیار

کا ہی نتیجہ ہوتا ہے اور تفسیر کی دوسری جلد کے اوائل میں ہم نے ختم اللہ کی تفسیر میں اس مسئلہ کی وضاحت کی ہے اَلَّذِيْنَ

يَتَّخِذُوْنَ دُوْنَ مَوْنٍ کہلو کہ کافروں سے دوستانہ تعلقات قائم کرنا منافقوں کی علامت ہے اور تفسیر تہی سے منقول ہے کہ یہ

بنی امیہ کے حق میں ہے کہ انہوں نے آپس میں قسم کھائی تھی کہ معاملہ خلافت اہلبیت کی طرف نہ جانے دیا جائے گا۔

مَنْ هِيَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۝ وَقَدْ نَزَّلَ۔ تفسیر برہان میں کافی سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے

جو حق کو انکار کرے اور اس کی تکذیب کرے اور اکرم حق کی عیب جوئی کرے پس اس کے پاس سے اٹھ جاؤ اور اس کے

فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذَا مِثْلَهُمْ رَأَيْتُمْ

تو ان کے پاس مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ داخل ہوں کسی اور بات میں ورنہ تم بھی ان جیسے ہرجاؤ گے تحقیق

اللَّهُ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ۖ الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ

اللہ جمع کرنے والا ہے منافقوں اور کافروں کو جہنم میں سب کو وہ جو انتظار کرتے ہیں تمہاری

بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ وَإِنْ كَانَ

لکم اگر حاصل ہو تمہیں فتح اللہ کی طرف سے تو کہتے ہیں کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ اور اگر ہو کافروں کے

لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحِذْكُمْ وَنَمُذِّبْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ

لئے حصہ تو انہیں کہتے ہیں کیا ہم چھا نہیں لگے تم پر اور بچا لیا تم کو مؤمنوں سے

ساتھ نہ بیٹھو خواہ کوئی بھی ہو۔

نیز آپ نے فرمایا کہ خدا نے کانوں پر واجب کیا ہے کہ ایسی بات سننے سے بچیں جو اللہ نے حرام کی ہے اور اس کی منع کردہ چیزوں کی طرف توجہ کرنے سے گریز کریں چنانچہ آپ نے اسی آیت مجیدہ سے استشہاد پیش فرمایا۔ ہاں بھول چوک کو خدا نے مستثنیٰ فرمایا چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے کہ اگر تمہیں شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھو اور فرمایا کہ اگر تم اٹھ نہ گئے تو تم بھی ان جیسے شمار ہو گے بنا بریں غیبت کا سُنا، جھوٹ کا سُنا، گانا سُنا، اور دشمنانِ دین کی مجالس میں بیٹھ کر مذہبِ حق پر تمسخر اور اور اُٹھ کر کاشکھ سننا سب حرام ہیں اور اس آیت مجیدہ کی تاویل اس قسم کی تمام باتوں کو شامل ہے۔

إِنَّكُمْ إِذَا مِثْلَهُمْ رَأَيْتُمْ۔ ورنہ تم ان جیسے ہرجاؤ گے۔ علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ آیت مجیدہ دلالت کرتی ہے۔ کہ منہی عن المنکر واجب ہے جب انسان قدرت رکھتا ہو اور اگر انکار پر قدرت رکھتے ہوئے انکار نہ کرے اور ان کی بات پر رضامندی سے خاموش رہے تو وہ بھی ان جیسا ہو جائے گا کیونکہ کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے یعنی منہی عن المنکر پر قدرت رکھنے کے باوجود منہی نہ کرنا گناہِ کبیرہ ہے نیز آیت بتلاتی ہے کہ فاسق و فاجر لوگوں سے ہم مجلس ہونا اور اہل بدعت کے ساتھ بیٹھنا حرام ہے۔ یعنی ہر وہ مجلس جہاں لغو و باطل کی گفتگو ہو اس میں بیٹھنا حرام ہے اور اگر بیٹھے تو ناجائز باتوں سے روکنا واجب ہے اور مردی ہے کہ ایک شخص جو میدانِ کربلا میں اپنی تجارت اور خرید و فروخت کے سلسلے میں حاضر تھا اس نے خواب میں میدانِ محشر پا دیکھا اور اپنے اوپر جنابِ رسالت کے کوناراض دیکھا تو عرض کی حضور! میں نے آپ کے اہلبیت کے ساتھ کوئی بے ادبی نہیں کی نہ تیر چلایا نہ تلوار چلی۔ بلکہ میں تو صرف اپنے مطلب کے لئے وہاں گیا تھا۔ آپ نے فرمایا میرے اہلبیت کے مخالف فوج میں تو نے ایک فرد کا

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ

پس اللہ ہی فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان بروز قیامت اور ہرگز نہیں کرتا اللہ کافروں کے لئے مومنوں کے اوپر کوئی

سَبِيلًا ۱۸۱ اِنَّ الْمُنْفِقَيْنِ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۖ وَاِذَا قَامُوا۟ اِلَى الصَّلٰوةِ

راہ غلبہ تحقیق منافق دھوکا کرتے ہیں اللہ سے اور وہ ان کو دھوکے کا بدلہ دیتا ہے اور جب کھڑے ہوں نماز کی

قَامُوا۟ اَكْسَالِيۡ يٰرَاۤءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۸۲ مَذٰبِدَ بَيْنِ بَيْنٍ

طرف تو کھڑے رہتے ہیں جو بھل ہو کر دکھاتے ہیں لوگوں کو اور نہیں یاد کرتے اللہ کو مگر کم مذہب ہیں درمیان

ذٰلِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَمَنْ يُضِلِلِ اللّٰهُ فَلَئِنْ تَجِدَلَهُ سَبِيْلًا ۝۱۸۳

میں نہ اس طرف اور نہ اس طرف اور جس کو چھوڑ دے گمراہی میں اللہ تو ہرگز نہ پاؤ گے اس کے لئے کوئی راستہ

اضافہ تو کیا تھا گویا تو ان کی ظاہری تعداد میں اضافہ کا موجب ہوا تو معلوم ہوا کہ دشمنانِ دین کی ظاہری تعداد کا بڑھانا اور ان کی شوکت و کثرت کا موجب بننا بھی ناپسندیدہ فعل ہے بعض نادان مومن دشمنانِ اہلبیت کی مجالس میں کھلم کھلا شرکت کرتے ہیں۔ اور اہلبیت عصمت کے خلاف جس قدر کچھ اچھا لاجائے خاموشی سے سُنتے رہتے ہیں۔ انہیں خوفِ خدا کرنا چاہیے اور اکیسہ مجیدہ کے فرمان کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے آئندہ اس فعل سے تائب ہو جانا چاہیے۔

وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ ۞۱۸۱ یعنی دلیل و بران کے لحاظ سے کافروں کو مومنوں پر غلبہ نہیں ہو سکتا ورنہ ظاہری طور پر تو کافر مومنوں کو قتل بھی کر دیا کرتے ہیں جس طرح انبیا قتل ہوئے اور آئمہ شہید ہوئے پس اس جگہ مراد سبیل سے ہے حجت و دلیل کا غلبہ

اِنَّ الْمُنْفِقَيْنِ ۞۱۸۲ منافقوں کا دھوکا یہ ہے کہ ظاہر میں کلمہ شہادتین زبان پر جاری کرتے ہیں اور دل میں کفار سے میل ملاپ رکھتے ہیں اور اللہ کی طرف سے دھوکے کا بدلہ یہ ہے کہ ظاہری دنیا میں ان سے مسلمانوں کا واسلوک کیا جاتا ہے اور آخرت میں ان کے لئے کافروں کا سا عذاب ہے۔ بلکہ ان سے بھی سخت تر ہے۔

قَامُوا۟ اَكْسَالِيۡ ۞۱۸۳ چونکہ منافق دل سے تو اسلام کو تسلیم نہیں کرتے تھے اس لئے احکام اسلام پر عمل کرنے کو ان کا جی نہ چاہتا تھا اور جو بھل ہو کر نماز میں شامل ہوتے تھے تاکہ لوگ دیکھیں کہ ہم بھی نماز گزار ہیں تفسیرِ برہان میں جناب رسالت مکیہ سے مروی ہے کہ ریاکار کو بروز قیامت چار ناموں سے پکارا جائے گا۔ اے کافر، اے ناجور، اے خاسر، تیز اعل باطل اور اجر ضائع ہو چکا ہے آج تیرا کوئی حصہ نہیں پس تو اپنے عمل کی مزدوری اس سے مانگ جس کے لئے تو نے عمل کیا تھا اور آپ نے فرمایا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ

اسے ایمان والو! نہ بناؤ کافروں کو دست چھوڑ کر مومنوں کو

أَتُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُبِينًا ۚ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ

کیا تم چاہتے ہو؟ کہ قائم کرو اللہ کی اپنے اُپر حجت ظاہر تحقیق منافق لوگ سب سے نیچے

الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ۚ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا

طبقة جہنم میں ہوں گے اور تو ہرگز نہ پائے گا ان کے لئے کوئی مددگار مگر جن لوگوں نے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی

وَاغْتَصَبُوا بِاللهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۚ

اور تمک پکڑا اللہ سے اور خالص کر لیا اپنا دین اللہ کے لئے تو ایسے لوگ ساتھ مومنوں کے ہوں گے

وَسَوْفَ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۚ

اور عنقریب دے گا اللہ مومنوں کو اجر عظیم

کہ دیا گا رہی سے بچو کیونکہ ریا کرنا شرک ہے امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ طبیعت پر بوجھ ہو سستی ہو یا ادھنگہ ہو تو نماز کے لئے بوجھل کھڑا ہونا منافقوں کی علامت میں سے ہے اور مومنوں کو ادھنگے کے عالم میں نماز پڑھنے سے بھی اس نے رکھا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ مجمع البیان میں جناب رسالتؐ سے مروی ہے کہ منافقوں کی مثال اس بکری کے ہے جو دو دیوڑوں کے درمیان سے گزرے اور حیران ہو کہ ان میں سے کس سے ملحق ہو جاؤں پس ان لوگوں کی بھی یہی حالت ہے ایمان اور کفر کے درمیان حیران ہیں کہ کس کو اختیار کریں لہذا اس طرف ہیں اور نہ اُس طرف ہیں۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ - یعنی منافقوں کا عذاب تمام جہنمیوں کے عذاب سے سخت تر ہوگا اور جہنم کے نیچے طبقہ میں ہوں گے اور اصطلاح میں درجات جنت کو طبقات کہا جاتا ہے اور درجات جہنم کو درکات کہا جاتا ہے اور طرح جنت کے درجات بعض بعض سے بلند ہیں اور طرح جہنم کے درجات بعض بعض پستی کی طرف جاتے ہیں اور منافقین سب سے نیچے حصہ میں ہوں گے اور عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ منافق لوہے کے صندوق میں بند کر کے جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔ قرآن مجید کی یہ اہمیت صاف اعلان کر رہی ہے۔ کہ عام کافر کے عذاب سے منافق کا عذاب سخت تر ہوگا۔ ہاں البتہ جو منافق توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر کے راہ راست پر آجائیں تو وہ مومنوں کے زمرہ میں شامل ہو جائیں گے اور مومنوں کی طرح اجر عظیم کے سزاوار ہوں گے۔

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنَّ شُكْرُكُمْ وَأَمْنُكُمْ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا

کیا کرے گا اللہ تم کو عذاب دے کر اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ اور ہے اللہ شکر کی جزا دینے

عَلَيْهَا ①٢٤

والا جاننے والا

مَا يَفْعَلُ - کسی کو سزا دینے کے لئے عام طور پر محرک تین قسم کے ہوتے ہیں ۱، غصہ ٹھنڈا کرنا ۲، ضرر کو رفع کرنا کہ دشمن کو مار کر اطمینان ہوگا اور ضرر یا اس کی جانب سے خطرہ نہ رہے گا ۳، نفع حاصل کرنا اور خداوند کریم ان چیزوں سے پاک و مبرا ہے نہ اسے غصہ ٹھنڈا کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ حالت ملکات کا خاصہ ہے اور ذات باری اس قسم کے انقلابی و تغیریاتی حالات سے پاک و منزہ ہے اور نہ اسے کسی سے ضرر کا خطرہ ہے اور نیز نہ اس کو منفعت کی چاہت ہے بلکہ تمام موجودات اس کی ملک ہیں لہذا جب یہ محرک موجود ہی نہیں تو پھر کسی کو عذاب دے کر کیا کرے گا۔ یعنی اس کو عذاب دینے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

انسان کے اپنے اعمال اپنے طبعی خواص کی بدولت خود عذاب بن جاتے ہیں جس طرح ظاہری طور پر اگر کوئی انسان ضرر رساں چیز کھائے تو اس نے طبعی طور پر خواہ مخواہ اسے تکلیف دینی ہے اسی طرح انسانی اعمال میں سے بعض روح انسانی کے لئے ضرر رساں اور بعض زہریلے ہیں۔ بہتوں نے انسان کو دائمی عذاب میں ڈالنا ہے اور خدا اس قسم کے اعمال کے ارتکاب سے منع فرماتا ہے پس وہ کسی کو عذاب میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ لیکن جو انسان خواہ مخواہ ایسے افعال کا مرتکب ہو جس کا انجام جہنم ہے تو خود کردہ را علاجے نیست۔



www.sirat-e-mustaqeem.net

لَا يَحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا

منہیں پسند کرتا اللہ اعلانیہ کرنا بُری بات مگر جو مظلوم ہو اور ہے اللہ سُننے

عَلِيمًا ۱۴۸ اِنْ تَبَدُّوا خَيْرًا اَوْ تَخَفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا

جاتے والا اگر تم ظاہر کرو اچھائی یا پوشیدہ کرو یا درگزر کرو کسی برائی سے تو تحقیق اللہ شے درگزر کرنے والا

قَدِيْرًا ۱۴۹ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُفْرِقُوْا بَيْنَ

قدرت والا تحقیق جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسولوں کا اور چاہتے ہیں تفریق

رکوع نمبر ۱ غیب سے ممانعت :- لَا يُحِبُّ اللَّهُ ۱۔ یعنی خداوند کریم منہیں پسند کرتا کہ کوئی انسان کسی انسان

کی برائی کرے۔ ہاں جس شخص پر ظلم کیا جائے تو وہ حق رکھتا ہے کہ ظالم کی اس برائی کو بیان کرے کہ فلاں نے مثلاً مجھ پر ظلم کیا ہے یعنی فقط وہی برائی بیان کرے جس کا اس سے تعلق ہے اس کے علاوہ اگر اس میں کوئی اور برائیاں بھی ہوں تو ان کے ظاہر کرنے کا اس کو حق نہیں بشرطیکہ وہ ان برائیوں میں معصن بالفسق نہ ہو چکا ہو بعض روایات میں معصومین سے وارد ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے ہاں مہمان ہو اور وہ اس کی مہمان نوازی اچھی نہ کرے تو مہمان کو اس کے بُرے برتاؤ کے اظہار کا حق حاصل ہے گویا مہمان سے بدسلوکی بھی اس پر ایک قسم کا ظلم ہے جس کے اظہار کا وہ حق رکھتا ہے اور اس بارے میں اس کو غیبت کا گناہ نہ ہوگا یہ آیت مجیدہ غیبت یعنی لگہ کوئی سے منع کر رہی ہے اور کسی مومن کا گلہ کرنا ایسا ہے جس طرح کہ اس نے اس کا گوشت

کھایا ہو۔ خداوند کریم تمام مومنین کو اس مرض سے محفوظ رکھتے مظلوم کے لئے اگرچہ اجازت ہے کہ وہ اپنا ظلم بیان کر کے ظالم کی برائی کا اعلان کر سکتا ہے تاکہ اس کی دادرسی ہو لیکن بعد میں فرماتا ہے کہ اگر تم بجائے برائی ظاہر کرنے کے اچھی بات ظاہر کرو یا بالکل صبر کر کے اسے دبا دو اور پی جاؤ یا اس کی برائی سے درگزر کر لو تو اللہ بھی درگزر کرنے والا ہے یعنی اس قسم کی تمہاری بہت سی کوتاہیوں کو وہ بھی ممانعت کر دے گا یعنی اس موقع پر بھی خدا کو درگزر ہی مجھاتا ہے اہل ایمان کی باہمی شیرازہ بندی اور آپس میں اتحاد و یگانگت کے بقا و استحکام کے لئے پھوٹ اور نفاق کی جڑ کو کاٹ دینا تاکہ باہمی شکر و بخیر کا پوری طرح سد باب ہو جائے اور کسی دقت بھی مومن کی مومن سے درست و گریبان ہونے کی نوبت نہ آئے اور اس میں شک نہیں کہ عیب جوئی ہی فتنہ و فساد کی پہلی بڑ ہے کیونکہ اس کے ذریعے سے بدظنی کا دروازہ کھل جاتا ہے اور حسن ظن کا راستہ بند ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں باہمی محبت منافقت کا روپ دھار لیتی ہے۔ اس کے برعکس اگر عیب جوئی اور گلہ گوئی ختم ہو جائے تو حسن ظن عام ہوگا اور بدظنی مفقود ہوگی پس باہمی محبت اپنے اصلی رنگ میں ہوگی اور اہل ایمان پر امن اور سلامتی کا پرچم لہرانے لگے گا جو اپنی حقیقی قوت جذب سے

اللّٰهُ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ اَنْ يَّتَّخِذُوا

درمیان اللہ اور اس کے رسولوں کے اور کہتے ہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں بعض پر اور کفر کرتے ہیں بعض کا اور چاہتے ہیں کہ کچھ

بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ۝ اُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۖ وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا

درمیان اس کے کوئی راستہ ایسے لوگ کافر ہیں بے چارے اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لئے

مُهِينًا ۝ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولَٰئِكَ

عذاب رسولان اور جو لوگ ایمان لائے اللہ اور اس کے رسولوں پر اور نہ تفریق کی درمیان کسی کے ان میں سے تو ایسے

سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ اُجُورُهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

لوگ عنقریب دے گا ان کو اجر اور ہے اللہ غفور رحیم

اقوام عالم کے قلوب کو اپنی طرف جھکائے گا اور ایمان و اسلام کو فتح نصیب ہوگی۔

سبحان اللہ یہ حکام اخلاق کا کیسا بہترین درس ہے کہ خدا مخلوق کے عیوب کا اعلان پسند نہیں فرماتا۔ ہاں جو شخص اپنا پردہ خود فاش کر دے اور اعلانیہ فاسق ہو جائے تو اس کی غیبت کرنا کوئی گناہ نہیں کیونکہ اس میں نہ کوئی بدظنی کا مقام ہے اور نہ فتنہ و فساد کا اندیشہ ہے چنانچہ احادیث اس بارے میں صریح ہیں کہ فاسق کی کوئی غیبت نہیں ہے۔

اَنْ يُّفَرِّقُوا۔ تفریق کا مقصد یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے جس طرح کیا یہود مولیٰ پر ایمان لائے اور عیسیٰ کا انکار کیا اور نصاریٰ عیسیٰ پر ایمان لائے اور جناب رسالتؐ کی نبوت کا انکار کیا اور جو بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں میں سے کسی ایک کا انکار کرے وہ ایسا ہے لگویا اس نے سب نبیوں کا انکار کیا اور گویا وہ اللہ کا بھی منکر ہے اور تمام انبیاء کا بھی منکر ہے اور مومن وہ ہوگا جو سب پر ایمان لائے

تفہیم و تلقین کتاب معانی سے بروایت ابن عباس مروی ہے کہ جناب رسالتؐ نے فرمایا لوگو! جس نے علیؑ کو چھوڑ کر کسی اور کو اہم بنایا گویا اس نے میری نبوت سے اعراض کر کے کسی اور کو نبی مانا گویا اس نے اللہ کو چھوڑ کر کسی اور

کو رب مانا اور عقائد صدوق سے مروی ہے جناب رسالتؐ نے فرمایا جو شخص میری سند کے معاملہ میں علیؑ پر ظلم کرے (میرے بعد علیؑ سے میرا منبر خصب کرے) تو اس نے گویا میری اور تمام سابق انبیاء کی نبوت کا انکار کیا اور جو ظالم سے دوستی رکھے وہ بھی ظالم ہوا کرتا ہے ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا اے علیؑ تو اور تیری اولاد سے ہونے سے وائے آئمہ مخلوق پر اللہ کے خلیفے اور زمین پر اس کے

اعلام ہیں جس نے ان میں سے کسی ایک کا انکار کیا اُس نے میرا انکار کیا اور جس نے ان میں سے کسی ایک کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی اور جس نے تمہاری اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ اس مضمون کی احادیث بکثرت ہیں بلکہ متواتر ہیں۔ اور ہم نے مقدمہ تفسیر میں باب مقبولیت اعمال، باب اسباط و شفاعت اور باب ولا اکل محمد میں بہت کچھ حدیثیں باحوالہ جات نقل کی ہیں اور ان تمام احادیث

يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنِزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَقَدْ سَأَلُوا

سوال کرتے ہیں آپ سے اہل کتاب کہ تو اتارے ان پر ایک کتاب آسمان سے تو تحقیق انہوں نے

مُوسَىٰ أَكْبَرُ مِنْ ذَلِكَ فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ

حضرت موسیٰ سے سوال کیا اس سے بھی بڑا کہ اس کو کہا میں دکھا خدا بظاہر تو پکڑ لیا ان کو بھی نے وجہ ان کے

بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعُجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ فَعَفَوْنَا عَنْ

ظلم کے پھر پوچھا انہوں نے بھروسے کو بعد اس کے کہ آپکیں ان کے پاس واضح دلیلیں پھر ہم نے درگزر کیا

ذَلِكَ وَآتَيْنَا مُوسَىٰ سُلْطَانًا مُّبِينًا ﴿۵۲﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِبَيِّنَاتٍ قَهْرًا

ان سے اور عطا کیا ہم نے غلبہ موسیٰ کو غلبہ ظاہر اور بلند کیا ان پر کوہ طور کو وجہ ان کے وعدہ کے اور

قُلْنَا لَهُمْ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ وَأَخَذْنَا

ہم نے ان کو کہا کہ داخل ہو دروازہ سے سجدہ کرتے ہوئے اور کہا ان کو کہ نہ تجاؤ کرو بروز سنہرے اور لیا ہم نے

کا مقصد یہ ہے کہ حضرت علیؑ اور اس کی اولاد اجداد کی امامت کا منکر ایسا ہے جیسا کہ منکر نبوت اور خداوند کریم فرماتا ہے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرے وہ سچ کفر ہے اور اس کے لئے عذاب رسوا کن ہے اور جب اہلبیت کی دلائل کا منکر جناب رسالت کی نبوت کا منکر ہے اور آپ کی نبوت کا انکار گویا تمام انبیاء کے انکار کے برابر ہے اور چونکہ خدا اور نبیوں میں تفریق نہیں ہو سکتی تو گویا وہ خدا کی توحید کا منکر ہے پس اس کے کفر میں شک ہی نہیں۔ ہاں مومن وہ ہے جو اللہ و رسول پر ایمان لائے اور خدا اور اس کے انبیاء میں تفریق نہ کرتا ہو وہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ ولایت اہل محمدؐ کا اقرار کرے کیونکہ ان کی دلائل کے بغیر اقرار نبوت بے کار ہے جیسا کہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔

يَسْأَلُكَ - مردی ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے عرض کی تھی کہ اگر آپ ربی پیغمبر ہیں تو ایک ہی دفعہ آپ کے پاس آسمان سے لکھی ہوئی کتاب آجائے جس طرح کہ حضرت موسیٰ پر تورات آئی تھی۔ تو

رکوع نمبر ۲

خداوند کریم ان کی تردید میں فرماتا ہے کہ یہ لوگ حضرت موسیٰ سے اس سے بھی زیادہ سوال کرتے تھے چنانچہ انہوں نے خدا کے دیکھنے کی خواہش بھی کی تھی بہر کیف یہ لوگ تسلیم کیے نہیں بلکہ صرف اعتراض کیے ہی اس قسم کی باتیں بناتے ہیں اس کی پرواہ نہ کیجئے۔

بِیِّنَاتٍ قَهْرًا - انہوں نے حضرت موسیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم تورات پر ضرور عمل کریں گے لیکن جب وہ تورات لائے تو

مِنْهُمْ مِّثْلًا غَاطًّا ۝۱۵۴ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ وَكَفْرِهِمْ بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَاءَ بَغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ

ان سے بچا دے پس جوہ توڑنے ان کے اپنے وعدہ کو اور کفر کرنے کے ساتھ آیات خدا کے اور

قتل کرنے کے نبیوں کو ناحق اور ان کا کہنا کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں بلکہ ہر لگادی اللہ نے ان پر جوہ ان کے کفر کے

فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝۱۵۵ وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ۝۱۵۶

پس نہیں ایمان لاتے مگر کم اور جوہ ان کے کفر کے اور بہتان لگانے کے مریم پر بہتان عظیم

انہوں نے انکار کر دیا پس ان کے اوپر کوہ طور بلند کیا گیا اور جب انہوں نے دیکھا کہ اب یہ ہمارے اوپر گرنے والا ہے تو پھر مان لیا

اور کہا کہ ہم عمل کریں گے چنانچہ تفسیر کی دوسری جلد ص ۱۲ پر یہ واقعہ گزر چکا ہے۔

بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور بدعنوانیوں کی طویل فہرست تفسیر کی دوسری جلد ص ۱۲ پر ملاحظہ ہو اس جلد میں ان واقعات

کی حسب ضرورت آیات متعلقہ کے ماتحت تفصیل بیان کی جا چکی ہے لہذا یہاں دوبارہ دہرانے کی ضرورت نہیں البتہ

حضرت عیسیٰ کی والدہ پر بہتان اور حضرت عیسیٰ کے قتل کی بے سرو پا داستان اور سود خوری اور لوگوں کے اموال کو ناحق کھانا وغیرہ

ان چیزوں کا وہاں ذکر نہیں ہوا تھا اور چونکہ اس قسم کی سرکشوں کی ان میں بہتات تھی خداوند کریم جناب رسالت کی تسلی کے لئے ان

کے واقعات کو دہراتا ہے تاکہ ان لوگوں کی عادت میں یہ چیزیں داخل ہی لہذا آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں اور اپنا کام کے جائیں۔

ترکیب نحوی۔ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ مَسَّ لے کر قَلِيلًا تک جملہ معترضہ ہے اسی طرح وَمَا قَتَلُوْهُ سے لیکر شَهِيْدًا تک بھی

جملہ معترضہ ہے اور فَبِمَا نَقْضِهِمْ میں مازائدہ ہے اور اس کے بعد وَكَفْرِهِمْ وَقَتْلِهِمْ وَقَوْلِهِمْ اس کے معطوف ہیں اور

پھر وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ کا عطف بمَا نَقْضِهِمْ پر ہے اور با حرف جر کا متعلق بقول طبری کے معذوف ہے یعنی لَعَنَّاھُمْ یعنی ان

تمام کرتوتوں کے بدلہ میں ہم نے ان پر لعنت کی ہے اور زجاج کے قول کے مطابق باد کا متعلق حَتَّىٰ مَنَّا ہے جو بعد میں مذکور ہے اور

بِنَارٍ يُّخْلَلُ بَلْ ہے فَبِمَا نَقْضِهِمْ سے یعنی ان کے ان تمام غلوں کی وجہ سے ہم نے ان پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں اور زجاج کا

قول زیادہ قوی ہے کیونکہ حذف ماننے کی اس میں ضرورت نہیں رہتی (ملخص از مجمع البیان)

قَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ۔ تفسیر ربہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہودیوں نے یوسف نامی ایک نجار

کی طرف حضرت مریم کے حمل کی نسبت دی تھی۔ مجمع البیان میں بروایت کہلی منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گزرے

تو بعض لوگوں نے کہا کہ دیکھو جادو گرئی کا بیٹا جادو گر اور زانیہ کا بیٹا زانی کر رہا ہے حضرت عیسیٰ نے سنا تو بارگاہ رب العزت میں عرض کی

میرے پروردگار تو نے ہی مجھے خلق فرمایا ہے میں خود تو پیدا نہیں ہوا ہوں جن لوگوں نے مجھے اور میری ماں کو سب کیا ہے تو ان پر

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا

اور ان کے کہنے کہ ہم نے قتل کر دیا حضرت مسیح عیسیٰ بن مریم کو جو خدا کا رسول تھا حالانکہ انہوں نے نہ ان کو قتل کیا

صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ

اور نہ سولی دیا لیکن انہیں شبہ ڈالا گیا اور تحقیق جو لوگ اختلاف کرتے ہیں اس بارے میں وہ شک میں پڑے ہیں

مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۚ بَلْ رَفَعَهُ

اس کے متعلق ان کو کوئی اس کا علم نہیں سوائے ظن پرستی کے حالانکہ انہیں اس کو قتل کیا یقیناً بلکہ اس کو اٹھایا

اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝۱۵۸ وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ

ہے اللہ نے اپنی طرف اور اللہ غالب وانا ہے اور کوئی اہل کتاب سے نہ ہوگا مگر یہ کہ ایمان لائے گا

لعنت بھیجے پس وہ خنزیر ہو گئے۔

حیات مسیح :- وَقَوْلِهِمْ - ان آیات میں حضرت مسیح کی حیات کا کھلے لفظوں میں اعلان ہے اور جن لوگوں نے ان کی موت کا پردہ پکڑ دیا ان کی شدید مذمت ہے۔ مجمع البیان میں ہے جب حضرت عیسیٰ کی بددعا سے سب کرنے والے خنزیر کی شکل میں مسخ ہوئے۔ اس الہود کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں میرے حق میں بددعا نہ کر دے تو اس نے یہودیوں کو جمع کیا اور قتل کا پردہ گرام مرتب کر کے حضرت عیسیٰ کے پاس پہنچے خداوند کریم نے جبرئیلؑ کو حفاظت کے لئے مقرر کر دیا جب حضرت عیسیٰ نے یہودیوں کے بعض عقائد کی تردید فرمائی تو وہ قتل پر آمادہ ہو گئے۔ حضرت جبرئیلؑ نے حضرت عیسیٰؑ کو ایک کمرہ میں داخل کر دیا جس کی چھت میں ایک روشن دان تھا اور اس سے اس کو آسمان پر لے جایا گیا۔ اس الہود نے اپنے ایک ہمراہی طیفانوس کو اندر بھیجا تو خدا نے اس پر حضرت عیسیٰؑ کی شبہ ڈال دی اور باہر نکلا تو اسے یہودیوں نے عیسیٰؑ سمجھ کر قتل کر ڈالا۔ کہتے ہیں کہ صرف منہ پر حضرت عیسیٰؑ کی شبہ تھی باقی جسم دیسے کا دیا تھا۔ چنانچہ بعد میں یہ راز منکشف ہو گیا لیکن اشتباہ ان کا رفع نہ ہوا، اور کہتے تھے اگر یہ طیفانوس ہے تو عیسیٰؑ کہاں ہے اور اگر یہ عیسیٰؑ ہے تو طیفانوس کہاں گیا؟

اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کے ہمراہ سات حواری تھے۔ جب یہودیوں نے ان کا احاطہ کیا تو خدا نے ان سب پر حضرت عیسیٰؑ کی شبہ ڈال دی۔ یہودیوں نے کہا تم نے ہم پر جادو کر دیا ہے تم میں سے جو عیسیٰؑ ہے سامنے آئے ورنہ ہم سب کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ پس حضرت نے فرمایا کہ کوئی ہے جو قربانی دے تو ایک آپ کا حواری جس کا نام

بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ﴿١٥٩﴾ فَيُظْلَمُ مِنَ الَّذِينَ

اس سے قبل اس کی موت کے اور بروز محشر وہ ان پر گواہ ہوگا پس جو یہودی ہیں

هَادُوا وَحَرَمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

حرام کریں ہم نے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں جو حلال کی گئی تھیں ان پر اور بوجہ روکنے ان کے راہ خدا

كَثِيرًا ﴿١٦٠﴾ وَأَخَذَهُمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلَهُمْ أَمْوَالُ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ

سے بہت اور لینے ان کے سود حالانکہ اس سے ان کو روکا گیا تھا اور کھانے ان کے لوگوں کے مال ناجائز اور تیار کیا

وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٦١﴾ لَكِنَّ الرَّاكِثُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ

ہم نے کافروں کے لئے عذاب دردناک لیکن وہ لوگ جو پختہ ہیں علم میں ان میں سے

سرحس تھا گئے بڑھا اور یہودیوں نے اسے قتل کر دیا اور خدا نے حضرت عیسیٰ کو اٹھالیا اور بعض کہتے ہیں کہ سب یہودی حضرت عیسیٰ کو قتل کرنے کے لئے آئے تو چونکہ خدا نے حضرت عیسیٰ کو اٹھالیا تھا لہذا وہ مایوس ہوئے اور خیال کیا کہ اگر یہودی اس معجزہ سے مطلع ہوئے تو وہ سب کے سب ان پر ایمان لائیں گے۔ لہذا انہوں نے ایک عام شخص کو قتل کر کے ایک بلند مقام پر سولی پر لٹکا دیا اور اس کے قریب کسی کو نہ جانے دیا اور مشہور یہ کر دیا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ کو قتل کر دیا ہے اور مروی ہے کہ جب یہودی لوگ حضرت عیسیٰ کی تلاش میں نکلے تھے تو حضرت عیسیٰ کے حواریوں میں سے ایک شخص بوس نامی جو منافق تھا نے تیس درہم ان سے لے کر حضرت عیسیٰ کے مکان کی نشاندہی کی تھی اور پھر خدا نے اس پر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈال دی تھی اور جب یہودیوں نے اسے پکڑا تو یہ کہتا رہا کہ میں تو وہ ہوں جس نے تمہیں عیسیٰ کے مکان کی نشاندہی کی تھی میں خود عیسیٰ نہیں ہوں لیکن انہوں نے نہ مانا اور اسے قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا۔

ہم نے تفسیر کی تیسری جلد میں ص ۲۴۱ تا ص ۲۴۶ حیات مسیح پر مفصل بحث کی ہے اور قرآن مجید واضح اور غیر مبہم الفاظ میں حیات مسیح کا اعلان فرما رہا ہے اور جو لوگ ان کی موت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں ان کو اتباع ظن اور شک کی طرف نسبت ہے کہ ان کی مذمت فرما رہا ہے اور چونکہ یہود و نصاریٰ کی خبریں سب دہم و شک پر مبنی ہیں کیونکہ یہودی خود تو حضرت عیسیٰ کو پہچانتے نہیں تھے پس جس مشتبہ شخص کو قتل کیا ان کو کہا گیا کہ یہی عیسیٰ ہے پس انہوں نے مشہور کر دیا اور عیسائیوں کو بھی اسی مشتبہ شخص کے قتل سے حضرت عیسیٰ کے قتل و صلب کا اشتباہ ہوا لہذا ان کی متواتر خبریں اعتبار سے ساقط ہیں اور خدا کا غیر مبہم اعلان ثابت کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ زندہ ہیں۔

وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ تَفْسِيرُ قِمِّي سے منقول ہے کہ حجاج بن یوسف نے اسی آیت کے متعلق پوچھا تو راوی حدیث کہتا ہے

وَالْمُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ

اور ایماندار لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتاری گئی آپ پر اور جو اتاری گئی آپ سے پہلے اور خصوصاً وہ جو قائم کرتے ہیں نماز

وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أُولَٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٦٢﴾

اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور ایمان رکھنے والے ہیں اللہ اور روز قیامت پر ایسے لوگوں کو دیں گے ہم اجر عظیم

میں نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام قیامت سے پہلے زمین پر اُتریں گے اور کوئی ملت خواہ یہودی ہوں یا نصرانی باقی نہ رہے گی مگر یہ کہ ان پر ایمان لائے گی اور وہ خود حضرت مہدی علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ حجاج نے پوچھا کہ تو نے یہ کہاں سے سنا ہے کہتا ہے میں نے کہا کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے میں نے ایسا ہی سنا ہے اس آیت سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ ہر شخص موت سے پہلے ایمان لاتا ہے لیکن اس وقت کا ایمان لانا فائدہ مند نہیں ہوتا۔ جیسے کہ فرعون کا ایمان اور اسی مضمون کی روایات اکٹھے سے بھی مروی ہیں مثلاً امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی مروی ہے کہ بنی فاطمہ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوتا جو موت سے پہلے اپنے امام کی امامت کا اقرار نہ کرے ایک روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کسی دین کا کوئی آدمی نہیں مرنے لگا کہ وہ آخری وقت جناب رسالت اور حضرت امیر المؤمنین کو دیکھتا ہے (صفائی دہرمان)

اور اسی بناء پر حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے عارث مہدانی کو فرمایا

يَا حَارِثُ هَذَا مَنْ يَمُتُ يَدْفِنُ مِنْ مُؤْمِنٍ أَوْ مُنَافِقٍ قَبْلًا

يَعْرِفُنِي طَرَفُهُ وَأَعْرِفُهُ بَعِيْنُهُ وَإِسْمُهُ وَمَا فَعَلَا

فَيُظْلَمُ۔ یعنی بنی اسرائیل کی سرکشیوں کی بدولت بطور سزا کے خدا نے ان پر بعض چیزیں حرام کی تھیں مثلاً گایوں اور بکریوں وغیرہ کا گوشت چنانچہ بعد میں آئے گا اور اس آیت مجیدہ سے استشہاد کرتے ہوئے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ایک شخص زمین میں گندم کاشت کرے اور پھر اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے اور پھر اس کی گندم میں جو کی آمیزش زیادہ ہو جائے تو اس کے اس ظلم کا نتیجہ ہے (یعنی زکوٰۃ نہ ادا کرنے کا) ٹھنص

وَأَكْلِهِمْ۔ باطل سے مال کھانے کا مطلب یہ ہے کہ رشوت لیتے تھے اور تورات میں امرار طبقہ کی مرضی کے مطابق اپنی طرف سے عبارتیں بڑھا کر ان کی خوشامدی کے رٹم وصول کرتے تھے وعلیٰ ہذا القیاس۔ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ۔ بعض کہتے ہیں کہ حالت جرم ہے اور اس کا عطف ما پر ہے اور ترجمہ یہ ہوگا کہ ایمان لاتے ہیں نماز قائم کرنے والوں پر اور نماز قائم کرنے والوں سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ منصوب علی الدرج ہے اور اس صورت میں ترجمہ وہی ہوگا جو تحت اللفظ میں موجود ہے اور بعضوں نے اور ترکیبیں بھی کی ہیں اور ابن مسعود کی قرأت میں الْمُقِيمُونَ کہا گیا ہے لیکن یہ قرأت بالکل شاذ ہے۔

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالتَّابِثِينَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَى

ہم نے وحی کی آپ پر جس طرح ہم نے وحی کی نوح اور دوسرے نبیوں پر جو اس کے بعد تھے اور وحی کی ہم نے

إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ وَعِيسَى وَأَيُّوبَ وَ

ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد اور عیسیٰ اور ایوب اور

يُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَنَ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا ۚ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ

یونس اور ہارون اور سلیمان پر اور عطا کی ہم نے داؤد کو زبور اور کتنے رسول جن کا قصہ تمہیں

عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَسَلَّا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا ۝

اس سے پہلے سنایا اور کتنے رسول ہم نے ان کا قصہ تمہیں نہیں سنایا اور کلام کیا اللہ نے حضرت موسیٰ سے کلام کرنا

انبیاء کا ذکر۔ اِنَّا اَوْحَيْنَا۔ ایک طرف تو اہل کتاب کے استعجاب کو رفع فرما رہا ہے کہ جناب
رسالت کی طرف وحی کا سلسلہ اجنبی چیز نہیں بلکہ یہ ایسا ہے جس طرح گذشتہ تمام انبیاء کی طرف

جاری رہا۔ اور دوسری طرف اس استعمال میں جناب رسالت کی عظمت شان کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تمام گذشتہ انبیاء کی
طرف جو کچھ وحی ہوئی وہ سب تنہا حضور کی وحی کے مقابلہ میں ہے اور اسی بنا پر بردایت عیاشی صادقین علیہا السلام سے
مردی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور کے لئے تمام نبیوں کی وحی کو ثابت فرمایا۔ پس جو کچھ سابق انبیاء کو عطا فرمایا وہ سب
کاسب حضور کو عطا فرمایا چنانچہ حدیث نبوی میں ہے کہ طوال برے تورات کے مٹیں بدے انجیل کے اور مثانی بدے زبور کے
مجھے عطا ہوئیں اور ۶۸ سورتیں مفصلات مجھے ان سے زیادہ عطا ہوئیں۔

إِلَى نُوحٍ۔ حضرت نوح کو سب سے پہلے ذکر فرمایا کیونکہ یہ تمام نبیوں سے عمر میں بڑے تھے (اسی لئے ان کا لقب
شیخ المرسلین) اور ان کا معجزہ تھا کہ باوجود ایک ہزار پچاس برس کی تبلیغی عمر کے نہ ان کا کوئی دانت گرا اور نہ قوت میں کمزوری
لاحق ہوئی اور نہ سفید بال ہوئے اور نہ کسی نبی نے اپنی قوم کے اس قدر مظالم سہے جس قدر انہوں نے سہے اور یہ پہلانی
ہے کہ جس کی اُمت اس کی نافرمانی کی وجہ سے مورد عذاب ہوئی (مخلص از مجمع البیان)

والتَّابِثِينَ۔ مجملہ تمام نبیوں کا ذکر کر کے پھر تفصیلاً ہر ایک کا نام لینا ان کی عظمت شان کو ظاہر کرنے اور ان کی اہمیت
جتلانے کے لئے ہے۔

كَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى۔ کلام خداوندی کی حقیقت کے متعلق تفسیر کی تیسری جلد ص ۱۳۲ و ص ۱۳۳ پر بحث کی گئی ہے جس کے
دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں۔ تفسیر صافی میں خصال سے مردی ہے کہ جناب رسالت نے فرمایا۔ خدا نے ایک لاکھ چوبیس ہزار

رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ

کتنے رسول خوش خبری اور ڈر سنانے والے تاکہ نہ ہو لوگوں کی اوپر اللہ کے حجت بعد رسولوں کے

وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۱۶۵﴾ لَكِنَّ اللَّهَ يَشْهَدُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَ

اور ہے اللہ غالب حکمت والا لیکن اللہ گواہی دیتا ہے اس کی جو آپ پر اتاری ہے (کیونکہ) اس نے اپنے علم سے

الْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿۱۶۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ

الْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿۱۶۶﴾ اتاری ہے اور فرشتے گواہی دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ گواہ تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا اور رد کیا اللہ کے راستے سے

سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿۱۶۷﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ

تحقیق وہ مہلک گئے بسی گمراہی میں تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا نہیں اللہ

کلموں کی گفتگو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین شب دروز میں کی کہ حضرت موسیٰ نے اس دوران میں کھانا کھایا اور نہ پانی پیا اور جب بنی اسرائیل کی طرف واپس آئے تو ان کی باتوں سے آپ کو ناراضگی محسوس ہوتی تھی کیونکہ کان لذت کلام خدا سے محفوظ ہو چکے تھے

اور حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ بنی اسرائیل کو ہمراہ لے گئے تو ان کو پہاڑ کے دامن میں کھڑا کر کے آپ اُپر چڑھ گئے اور خدا سے کلام کا سوال کیا۔ تاکہ وہ سُنیں پس خدا نے کلام کیا اور انہوں نے اُپر نیچے سامنے پیچھے اور دائیں بائیں اور ہر طرف

سے سنا۔ خدا نے اولاً درخت میں کلام کو پیدا کیا اور پھر اس کو پھیلایا کہ انہیں ہر طرف وجہت سے سنائی دیتا تھا۔ حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ سے خدا کا کلام بغیر اعضاء و جوارح اور بغیر لب و زبان کے تھا کیونکہ ان چیزوں سے وہ پاک ہے

نیز ایک سائل کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ اللہ کا کلام ایک طریقہ پر نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ اس کے کئی طریقے ہیں مثلاً بعض رسولوں سے کلام ہوتا ہے بعض کے دلوں میں پیدا کرتا ہے اور بعض کو بذریعہ خواب کے نیند میں سمجھاتا ہے اور ایک صورت وحی و تنزیل کی ہے

جو تلاوت کی جاتی ہے (الحديث) ایک دفعہ یہودیوں نے جناب رسالت ﷺ کی خدمت اقدس میں اگر عرض کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ سے افضل تھے کیونکہ خدا نے ان سے چار ہزار باتیں کیں اور آپ سے ایک بات بھی نہیں ہوئی۔ حضور نے فرمایا مجھے حضرت

موسیٰ سے بھی افضل چیز عطا کی گئی۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے آپ نے فرمایا وہ ہے معراج۔

لَكِنَّ اللَّهَ - کہتے ہیں یہودیوں کا گردہ حضور کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا برحق رسول ہوں انہوں نے ازراہ انکار کہا کہ نہیں ہم نہیں جانتے ہیں اور نہ اس کی شہادت دیتے ہیں پس آپ کی تسلی اور جمع خاطر کیلئے یہ آیت نازل ہوئی

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا - تفسیر برہان و صافی میں کافی دیکھائی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ظَلَمُوا کے بعد اُن کے لفظ کی تفسیر یہ ہے کہ جن لوگوں نے

علیٰ اور حق

لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا يَلِيَهُمْ طَرِيقًا ۝ (۱۷۸) إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا

بخشنے گا ان کو اور نہ ہدایت کرے گا کسی راہ کی مگر راہ جہنم کی کہ ہمیشہ رہنے والے ہو گے اس میں ماحی

وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ (۱۷۹) يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ

اور ہے یہ بات اللہ پر آسان اے لوگو! تحقیق آیا تمہارے پاس رسول برحق تمہارے

رَبِّكُمْ فَأَمِنُوا خَيْرًا لَّكُمْ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ

رب کی جانب سے پس ایمان لاؤ تمہیں اچھا ہے اور اگر کفر کر گے تو تحقیق اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور ہے

اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ (۱۸۰) يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ

اللہ جاننے والا اے اہل کتاب نہ غلو کرو اپنے دین میں اور نہ کہو اللہ پر

کفر کیا اور آل محمد پر ان کے حق کے متعلق ظلم کیا ان کو خدا نہیں بخشنے گا۔ (الحديث)

الرَّسُولُ بِالْحَقِّ - تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حق سے مراد دین ہے اور امام محمد باقر علیہ السلام سے مراد یہ ہے کہ اس سے مراد ولایت ہے اس کی جس کی ولایت کا حکم خدا نے دیا۔ بہر کیف حق سے مراد جو کچھ بھی ہو جناب رسالت کی حدیث مجمع موجود ہے جو مسلم بن الفریقین ہے علی مع الحق والحق مع علی چنانچہ علامہ نے کتب جمہور سے نقل فرمایا ہے کہ حضور نے عمار کو فرمایا اے عمار میری امت میں فتنے ہوں گے اور آپس میں تلوار چلے گی اور تجھے ایک باغی جماعت قتل کرے گی جبکہ تو حق کے ساتھ ہو گا اور حق تیرے ہمراہ ہو گا۔ کیونکہ علی تجھے ہلاکت کے قریب اور ہدایت سے دور نہ کرے گا۔ اے عمار جو تلوار لے کر علی کی امداد کرے اس کے دشمن کے خلاف تو بروقتیاً خدا اس کے گئے میں جنت کے موتیوں کے دربار ڈالے گا اور جو تلوار لے کر علی کے دشمن کی امداد کرے گا اس کی گردن میں جہنم کے دودھوں ڈالے جائیں گے پس جب یہ در چلے تو علی کا دامن نہ چھوڑنا اور اگر تمام لوگ ایک طرف اور صرف علی ایک طرف ہو جائے تو اس راہ پر چلنا جس پر علی ہو اور تمام لوگوں کو چھوڑ دینا اے عمار علی ہدایت پر رہے گا اور اس کی اطاعت میری اطاعت اور میری اطاعت اللہ کی اطاعت ہے پس آیت مجیدہ میں اگر حق سے مراد دین بھی ہو تب بھی وہی دین مراد ہو گا جو علی کا دین تھا کیونکہ حق علی کے ساتھ اور علی حق کے ساتھ ہے اور حضور نے فرمایا اللَّهُمَّ أَدِّبِ الْحَقَّ مَعَ حَقِّهِ دَامَا - اے اللہ حق کو اسی طرف پھیر جس طرف علی پھرے پس معلوم ہوا کہ علی سے متک کے بغیر حق نہیں مل سکتا۔

لَا تَغْلُوا - یہودیوں نے غلو کیا کہ حضرت عیسیٰ کی والدہ پر بہتان باندھا اور نصرانیوں نے غلو کیا کہ حضرت عیسیٰ کو بڑھا کہ خدا کا بیٹا کہہ دیا اور تین خدایان لئے۔ باپ بیٹا اور روح القدس اس مقام پر یہود و نصاریٰ ہر دو فریقین کو حکم ہے اور ممکن ہے کہ

إِلَّا الْحَقُّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى

مگر حق بات سوائے اس کے نہیں کہ مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ تھا جو ڈالا تھا

مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَامِنَّا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۚ إِنَّهُمْ أَحَدٌ كَلِمَ

مریم کی طرف اور اس کا روح تھا پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور نہ بتو کہ تین کے قائل باز کہاؤ اچھا کرو اپنا

إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهُ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَكَ وَلَدٌ ۚ لَكَ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

سوائے اس کے نہیں کہ اللہ ایک معبود ہے وہ پاک ہے کہ ہر اس کا کوئی بیٹا اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے

وَكُفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۚ لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ

اور کافی ہے اللہ وکیل مہرگز نہ اپنی گھٹی سمجھے گا مسیح کہ وہ اللہ کا عبد ہو اور نہ فرشتے

صرف نصاریٰ کو ہی مختص کر کے فرمایا ہو کہ دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی طرف غلط باتیں منسوب نہ کرو کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام مریم کا بیٹا تھا نہ بقول یہود یوسف نجار کا اور نہ بقول نصاریٰ خدا کا بیٹا تھا اور اس کا برحق رسول اور اس کا کلمہ تھا مسیح۔ عیسیٰ اور کلمہ وغیرہ کی لفظی تحقیق تیسری جلد ص ۱۲۵ و ص ۲۳۶ پر گزر چکی ہے لہذا اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ وروح و مینہ حضرت عیسیٰ کی روح کو اس لئے کہا گیا ہے کہ چونکہ زندگی روح سے ہو کرتی ہے اور حضرت عیسیٰ لوگوں کی دینی زندگی کے لئے باعث حیات تھے اس لئے وہ روح ہی اور اللہ نے اپنی طرف بالخصوص اس لئے منسوب کیا ہے کہ ان کی ولادت عام طریق سے نہ تھی۔ اور یہ بلا واسطہ امر کو نبی سے پیدا ہوئے تھے اور ان کی پیدائش اسباب و وسائل سے نہ تھی اور بعض کہتے ہیں کہ روح کا عطف القا کے فاعل پر ہے اور مراد روح سے جبرئیل ہے اور معنی یہ ہوگا۔ حضرت عیسیٰ اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جو اللہ نے مریم کی طرف القا کیا اور اللہ کے روح یعنی جبریل نے مریم کی طرف حکم خدا القا کیا ہے۔

لَكَ مَا فِي السَّمَوَاتِ۔ نفی ولد کے لئے بطور دلیل ہے کیونکہ فرماتا ہے کہ آسمان و زمین سب اس کی ملکیت ہیں۔ اور بیٹا باپ کا ملوک نہیں ہو کرتا۔ نیز آسمان و زمین کی چیزیں سب اس کی مخلوق ہیں اور بیٹا باپ کی مخلوق نہیں ہو کرتا۔ پہلے نصیحت فرمائی اور بعد میں دلیل پیش کی ہے تاکہ ذہن و دماغ آسانی سے قبول کر سکیں۔

لَنْ يَسْتَنْكِفَ۔ کہتے ہیں کہ نجران کا ایک وفد حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ ہمارے نبی کی عیب جوئی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تمہارا نبی کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ عیسیٰ ہیں۔ آپ نے فرمایا میں کون سی عیب جوئی کرتا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ آپ کہتے ہیں کہ وہ خدا کا بندہ تھا اور اس کا رسول تھا۔ تب یہ آیت اتری جس کا مقصد یہ ہے حضرت مسیح اگر آج بھی موجود ہوتے تو اپنے عبد خدا ہونے کو نہ باعث عیب نہ سمجھتے اور نہ اُسے

رکوع نمبر ۱۶

الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسُخَّرْ لَهُمُ إِلَٰهٌ

جو مقرب ہیں اور جو اپنی گھٹتی سمجھے اس کی بندگی سے اور تکبر کرے تو عنقریب مشور کرے گا ان سب

جَمِيعًا ۱۶۱ فَاَمَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ

کو اپنی طرف لیکن جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے پس پورا دے گا ان کو ان کا اجر اور زیادہ دے گا

مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَاَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكَفَوْا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَلَا

اپنے فضل سے اور جن لوگوں نے اپنی گھٹتی سمجھی اور تکبر کیا تو ان کو عذاب دے گا عذاب دردناک اور نہ

يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَلَا نَصِيْرًا ۝۱۶۲ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ

پائیں گے وہ اپنے لئے اللہ کے بغیر کوئی ولی اور نہ کوئی مددگار اے لوگو! تحقیق اچکی

بُرائیات اور اسی طرح ملائکہ مقربین بھی اللہ کی عبدیت کو باعث عیب اور بُرائی نہیں سمجھتے۔ چونکہ عیسائی باپ بیٹا اور روح القدس کے قابلِ تعلق تو خداوندِ کریم نے پہلے اپنی توحید کو بیان فرمایا اور حضرت عیسیٰ کے بیٹے ہونے کی صریح اور کھلے الفاظ میں نفی فرما کر ان کو اپنا ملوک و مخلوق قرار دیا اور اس آیت میں تمام ملائکہ کو اپنا عبد کہہ کر روح القدس کو اس ضمن میں دائرہ عبدیت میں ظاہر کیا مقصد یہ ہے کہ جس طرح عیسیٰ عبد ہے اسی طرح ملائکہ بھی عبد ہیں جن میں روح القدس بھی داخل ہے اور نہ عیسیٰ کو اس کی عبدیت سے انکار ہے اور نہ روح القدس بلکہ سارے فرشتوں کو اس کی عبدیت سے کچھ انکار ہے اور خداوند ہے جس کی عبادت کو یہ پاک مخلوق اپنا فریضہ سمجھتی ہے اور اس کی عبدیت کو باعثِ فخر قرار دیتی ہے۔ مذہبِ امامیہ کے عقیدہ سے انبیاء تمام ملائکہ کرام سے افضل ہیں اور ایتِ مجیدہ میں ملائکہ کو مسیح کے بعد ذکر کرنے سے ملائکہ کی فضیلت لازم نہیں آتی جس طرح کہ عام کلام میں ایسے مواقع پر افضل کو بعد میں ذکر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں فلاں میرا غلام ہے بلکہ اس کا باپ بھی میرا غلام ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہاں مسیح اور ملائکہ کی عبدیت کو خدا نہیں بیان کر رہا بلکہ مسیح اور ملائکہ کے استنکاف کی نفی کر رہا ہے اور اس کا تعلق ہے معرفت کی بلندی و پستی سے اور ظاہر ہے کہ بلند معرفت والے افراد سے استنکاف کی نفی فردِ جلی ہے اور کم معرفت والوں سے اس کی نفی فردِ خفی ہے۔ جیسے عالم کے استنکاف کی نفی کی بہ نسبت ایک جاہل کے استنکاف کی نفی زیادہ وقعت رکھتی ہے اور صاحبِ کمال کے کمال کو زیادہ اجاگر کرتی ہے۔ یہاں بھی خدا اپنی معبودیت کے اجلی و اظہر ہونے کو پیش فرما رہا ہے کہ اس کی معبودیت کا پہلو اس قدر واضح ہے کہ بلند مرتبہ عارفین مثلاً انبیاء اور خصوصاً حضرت عیسیٰ جو اول العزم پیغمبر ہیں یہ تو بجائے خود جو ان سے کم مرتبہ دے ہیں اس کی عبادت اور الوہیت کے وہ بھی

جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ﴿۱۶۴﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ

تمہارے پاس برہان اپنے رب سے اور نازل کیا ہم نے تمہاری طرف نور مبین پس جو لوگ

آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ

ایمان لائے اللہ پر اور تمسک پکڑا اس سے تو عنقریب داخل کرے گا اپنی رحمت اور فضل میں اور ان کو توفیق ہدایت

إِلَيْهِ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿۱۶۵﴾ يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُءٌ

دے گا اپنی طرف راہ مستقیم کی فتویٰ طلب کرتے ہیں آپ سے فرمادیجئے اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے کلام کے متعلق اگر کوئی شخص

مسترف ہیں اور اس کو عیب نہیں سمجھتے اس توجہ کی بناء پر معنی بھی بالکل واضح ہے اور عقائد حقہ کے خلاف بھی کوئی بات لازم نہیں آتی پس اشکال مذکور کے رفع کے لئے علامہ طبرسی نے جن تکلفات کو پیش فرمایا ہے۔ ان کی ضرورت نہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ۖ آيَةُ عَجِيدٍ مِّن بَرِّهِمْ أَنِ امْرُءٌ يُؤْتِي الْيَتَامَ مَالَهُمْ طَائِفَتًا مِّنْهُ قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ ۚ وَأَنِ امْرُءٌ يُؤْتِي الْمَالَ طَائِفَتًا مِّنْهُ قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ ۚ وَأَنِ امْرُءٌ يُؤْتِي الْمَالَ طَائِفَتًا مِّنْهُ قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ ۚ وَأَنِ امْرُءٌ يُؤْتِي الْمَالَ طَائِفَتًا مِّنْهُ قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ ۚ

نور اور برہان نے برہان سے مراد قرآن مجید لیا ہے اور نُورًا مُّبِينًا کے مصداق میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے تو ان کے نزدیک برہان سے مراد پھر حضور رسالتا کی ہی ہونگے اور اگر برہان سے مراد قرآن ہو تو نور مبین سے مراد پھر رسالتا کی کو ماننا پڑے گا اور اکثر مفسرین اسی پر ہیں کہ برہان سے جناب رسالتا کی اور نور مبین سے قرآن مراد ہیں

تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ برہان سے مراد حضرت محمد اور نور سے مراد حضرت علیؑ ہے اور صراط مستقیم سے بھی علیؑ ہی مراد ہے اور تفسیر قمی سے منقول ہے کہ نور سے مراد امامت حضرت امیر ہے اور الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ اس آیت مجیدہ کے مصداق وہ لوگ ہیں جو حضرت علیؑ اور باقی ائمہ معصومین کی امامت سے تمسک رکھتے ہیں اور اگر عام مفسرین کی تفسیر کو لیا جائے کہ برہان سے مراد جناب رسول خدا اور نور سے مراد قرآن تو چونکہ خطاب تمام

لوگوں کے لئے ہے اور قرآن و اسلام قیامت تک کے لئے ہیں تو آیت مجیدہ کا خطاب قیامت تک کی آنے والی نسلوں سے بالعموم ہو گا پس جس طرح نور مبین سے مراد قرآن ہے اور وہ قیامت تک زندہ ہے تو برہان سے مراد بھی وہ شخصیت ہوگی جو تا قیامت قرآن کے ساتھ ہو تاکہ تا قیامت تمام لوگوں کیلئے خطاب درست ہو اور اس مطلب کو حدیث ثقلین جو متواتر بین الفریقین ہے۔

واضح کر رہی ہے اور مقصد یہ ہو گا کہ برہان سے مراد ہادی ہے جو ہر دور میں قرآن کے مطالب سمجھتا ہو اور لوگوں تک پہنچاتا ہو۔ پس دور نبوی میں برہان کا مصداق خود رسالتا کی تھے اور ان کے بعد ان کی عمرت طاہرہ جسے خود صاف طور پر فرما گئے۔ اِنِّیْ نَارِکُ بِکُمْ الثَّقَلَيْنِ کِتَابُ اللّٰهِ وَعَقْدُیْ (الحديث) اور اگر برہان سے مراد قرآن اور نور سے مراد رسول ہو تو نور کے سلسلہ کو

هَٰذَا لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا

مرجائے کہ اس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لئے نصف ہے ترکہ کا اور یہ اس بہن کا وارث ہوگا اگر اس کی اولاد نہ ہوگی

وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثُ مِمَّا تَرَكَ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلَّذَكَرِ

پس اگر ہوں دو بہنیں تو ان کے لئے دو تہائی ترکہ ہوگا اور اگر ہوں بھائی مرد اور عورتیں تو مرد کو مثل حصے دو عورتوں کے

مِثْلَ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۷۶﴾

خدا بیان کرتا ہے تمہارے لئے کہ گمراہ نہ ہو اور اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے

قیامت تک لانا پڑے گا اور ماننا پڑے گا کہ ہر زمانہ میں اس نور کا ایک فرد موجود ہوا کرتا ہے تاکہ قیامت تک کے لوگوں کو ان دونوں سے تسک کا حکم دیا جاسکے اور دور حاضر میں اس نور کا مصداق حضرت ولی عصر امام زماں ہے جو پردہ غیب میں ہے عجل اللہ فرجه۔

فِي الْكَلْبَةِ - کلابہ کا معنی گدڑ چکا ہے اس مقام پر کلابہ سے مراد مادری و پدری بہنیں ہیں اور انہیں کی وراثت کا بیان ہو رہا ہے اور پہلی جگہ کلابہ سے مراد قرآن مجید میں صرف مادری برادری تھی اور ان کے حقوق کا ذکر تھا۔ میت کی صرف ایک مادری پدری بہن ہو تو جائداد کا ۲ حصہ بطور فرض کے اور اگر اس طبقہ میں دوسرا وارث کوئی نہ ہو تو باقی بطور ربحت قربت لے گی اور اگر دو یا زیادہ بہنیں ہوں گی تو ان کو ۲ حصہ دیا جائے گا بالفرض اور اگر اس طبقہ میں دوسرا کوئی وارث نہ ہو تو باقی ربحت قربت ان کو ملے گا اور بھائی بہنیں سب ہوں تو مرد کا حصہ عورت سے دو گنا ہوگا۔

بھائی بہنوں کے وراثت کے حقوق اور حسب ضرورت اس بارہ میں تفصیلی مسائل اسی جلد میں پہلے بیان ہو چکے ہیں۔
آج بحمد اللہ بروز سوموار یونے پانچ بجے شام ۹ رجب ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۸ دسمبر ۱۴۳۸ھ سورہ نساء کی تفسیر سے فارغ ہوا ہوں اے پردہ گار! بحق محمد و آلہ الاطہار مجھے اپنی پاک کتاب کی تفسیر پر موفیق فرما اور اس سلسلہ میں حاصل شدہ جانی و مالی تمام مشکلات کو دور فرما۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم والحمد لله رب العلمین والصلوٰۃ علی محمد و آلہ الطاہرین۔

(اس کے بعد پانچویں جلد انشاء اللہ سورہ مائدہ سے شروع ہوگی)